ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

جولائی ۱۹۹۱ء

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

روضۂ مبارک امام عالی مقامؑ

ہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
ن است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

سَو بیماریوں کی ایک بیماری

ہاضمہ کی خرابی

ماہرینِ طب اس بات پر متفق ہیں کہ ہاضمہ کی خرابی سے انسان متعدد دوسرے امراض کا شکار ہو سکتا ہے۔

ہاضمہ کی خرابی میں

کاسِرین

اِستعمال کیجئے

تیار کردہ

طبّی دواخانہ (پرائیویٹ لمیٹڈ)

ہیڈ آفس: نیپیر روڈ، کراچی فون: ۲۲۷۹۲۱

شاخیں:
گرومندر کارنر جہانگیر روڈ
فون: ۴۱۹۴۴۰

ناظم آباد
بلاک نمبر ۲

بجیٹ روڈ
حیدرآباد

فون: ۲۵۴۳۱

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا
اور کہہ دیجئے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

جولائی ۱۹۹۱ء
ذوالحجہ ۔ محرم الحرام

تیرہویں
سال کا دسواں شمارہ

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ کراچی

ممبر آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

سرپرستِ اعلیٰ، ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ
ادارۂ تحریر، خواجہ شمس الدین عظیمی
سیدہ راشدہ عفت ۔ حکیم وقار یوسف

پاکستان میں زرِ سالانہ

آئی ایس ایس این ۹۲۴۵-۱۰۱۶

ہدیہ فی پرچہ
۱۲ روپے

خط و کتابت کا پتہ: ۱۔ کے ۱۳؍ ناظم آباد کراچی ۱۸ ۔ پوسٹ بکس ۲۲۱۲ ٹیلیگرام "نورِ عجم" کراچی
فون ۔ ۶۱۶۴۳۲ ۔ ۶۲۴۷۸۵
پبلشر خواجہ شمس الدین عظیمی پرنٹر عظیمی پرنٹرز ۱ ڈی ½ ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

اس شمارے میں

صفحہ نمبر

نورالہیٰ، نورِ نبوت ———— ۱۰

صدائے جرس ———— ۱۳

دبستانِ خیال ———— قارئین ———— ۱۷

روحانیات

پیراسائیکلوجی ———— خواجہ شمس الدین عظیمی ———— ۷۳

روح کہانی ———— سعیدہ خاتون عظیمی ———— ۱۰۹

تجلّی ———— ایک روحانی طالب علم ———— ۲۹

تذکرہ غوثیہ ———— سید شاہ گل حسن قادری ———— ۸۹

طب و صحت

ماں کے دودھ کی اہمیت ———— ملک احمد فاروق ———— ۱۱۹

سُرخ بخار ———— ڈاکٹر شہزاد احمد خاں ———— ۱۴۳

بچے کا پیٹ سے غائب ہوجانا ———— ادارہ ———— ۱۴۵

آلو بخارا ———— حکیم نور احمد ———— ۱۴۰

سائنس کی دنیا

ستاروں سے آگے ———— ریاض احمد ———— ۳۳

انسانی تاریخ لرز رہی ہے ———— طارق احسان ———— ۱۵۶

اسلامیات

معرکۂ حق و باطل ———— محمد مونس خان ———— ۱۹

صفحہ نمبر

شہادت حسین ———— علامہ رضی جعفر نقوی ———— ۲۵

نذرانۂ عقیدت ———— ہندو شعراء ———— ۲۸

مرثیہ نگار خاتون ———— پروفیسر سلیم الرحمٰن ———— ۳۹

رحمت اللعالمین کا اندازِ گفتگو ———— اوصاف علی واحدی ———— ۶۵

متفرقات

رنگ اور آپ کی شخصیت ———— ثروت سید ———— ۴۳

اسلام نے ہمیں کیا دیا ———— ڈاکٹر غلام جیلانی برق ———— ۴۵

قبلے کی سمت معلوم کیجیے ———— مولانا ابوالکلام آزاد ———— ۵۰

ہندو دشمن اورنگ زیب ———— مقبول احمد دہلوی ———— ۵۶

قلندر شعور اکیڈمی راولپنڈی کی ماہانہ رپورٹ ———— ۱۵۲

مستقل سلسلے

سیرت النبی ———— انتخاب ———— ۵۹

سفر وسیلۂ ظفر ———— محمد اکرم اعوان ———— ۶۹

شیطان کے سفیر ———— آسیہ سحر ———— ۹۵

آپ کے مسائل ———— خواجہ شمس الدین عظیمی ———— ۱۲۷

مراقبہ کے نام ———— احمد جمال عظیمی ———— ۱۰۳

خواتین کے صفحات ———— حمیرا وقار ———— ۱۰۷

بچوں کے صفحات ———— آسیہ سحر ————

نورِ نبوت نورِ الٰہی

قرآن پاک میں تقریباً سات سو اسی (780) مقامات پر علم حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پہلی آیت بھی یہی ہے!

"اے رسول! اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو جس نے پیدا کیا اور اس نے انسان کو جمے ہوئے مادے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے وہ اللہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور وہ باتیں بتائیں جن کے بارے میں انسان کچھ نہیں جانتا۔

جب ہم حضرت آدم کی عظمت اور فضیلت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت آجاتی ہے کہ آدم کو فرشتوں پر عظمت اور فضیلت اس لئے حاصل ہے کہ آدم وہ علوم جانتا ہے جو دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔

ترجمہ: "اور آدم کو تمام صفات کے علوم سکھا دیئے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو یہ علوم بیان کرو جو ہم نے آدم کو سکھا دیئے۔ فرشتوں نے عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔۔

قرآن کہتا ہے عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو پڑھے لکھے ہیں اور وہ جو ان پڑھ ہیں برابر ہو سکتے ہیں۔۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے علم حاصل کرو چاہے تم کو چین جانا پڑے۔

قرآن پاک میں علوم طبعی کی مدد سے خدا کی امانت حاصل کرنے کیلئے سات سو پچاس 750 آیتیں موجود ہیں ان آیات کو اللہ رب الرحیم نے اپنی نشانی قرار دیا ہے اور

بندوں کو ان پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کی ہے۔

(1) "قرآن کہتا ہے ترجمہ۔ پس انسان کو دیکھو وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔۔

(2) "اللہ نے تمام چلنے پھرنے والی مخلوق کو پانی سے پیدا کیا ہے۔۔

(3) "ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کو آزمائیں اور ہم نے اس کو سمیع و بصیر بنایا ہے۔۔

اللہ رب الرحیم نے انسانوں کو تخلیق عوامل اور پیدائش کے فارمولوں پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

(1) ترجمہ: "اور اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔۔

(2) ترجمہ: "اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ پر رکھا۔ پھر ہم نے ہی اس کو پھٹکی کی صورت میں تبدیل کیا پھر علقہ (جما ہوا خون) کو لوتھڑے کی شکل دی پھر ہم نے ہی لوتھڑے میں ہڈیاں بنائیں۔ ہڈیوں پر گوشت بنایا۔ گوشت کو پٹھوں سے باندھا اور پٹھوں پر کھال چڑھائی۔۔

(3) ترجمہ: "وہ لوگ جو کافر ہیں انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین ایک دوسرے میں پیوست تھے اور ہم نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔۔

(4) ترجمہ: "اللہ نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بنایا اور زمین میں بلند پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ تم آرام سے رہ سکو۔۔

(5) ترجمہ: "اللہ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ دھواں تھا۔۔

(6) ترجمہ: "کیا لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے کہ اس کو کیسا بلند بنایا ہے اور پہاڑوں کی طرف نظر نہیں ڈالتے ان کو کیسی استقامت دی گئی ہے اور آنکھیں کھول کر زمین کو نہیں دیکھتے کس طرح

بچھائی گئی ہے۔۔

(7) ترجمہ: "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے! ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ اللہ رب العالمین نے کس طرح تخلیق کا آغاز کیا۔۔

(8) ترجمہ: "کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ رب العالمین پہلی دفعہ مخلوقات کو کس طرح وجود عطا کرتا ہے پھر دوبارہ وجود عطا کر دیتا ہے۔۔

"زمین پر بسنے والی مخلوقات اور انسانی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہاں ہر شے، تبدیل ہو کر نئے نئے وجود کے ساتھ مظہر بن رہی ہے اس ہی ہر لمحے تبدیلی پر اللہ رب العالمین ریسرچ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

(1) ترجمہ: "کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے ہی آسمان سے پانی برسایا اور پھر زمین پر لہریں جاری کیں پھر اس سے رنگ رنگ پیڑ، پودے اگائے اور پھر خزاں آتی ہے تو وہ زرد ہو جاتے ہیں اور اللہ رب العالمین ان کو بھوسا کر دیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کیلئے جو عقل خرد رکھتے ہیں عبرت و نصیحت ہے۔۔

(2) ترجمہ: "اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ بادلوں کو اڑائے اڑائے پھرتی ہیں پھر وہ بادل کو جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو پانی کی بوندیں بادلوں کے درمیان سے نکل پڑتی ہیں۔۔

(3) ترجمہ: "سورج کی قسم اور اس کی تابانیوں کی اور چاند کی قسم جب وہ سورج کی پشت سے برآمد ہو اور دن کی جب وہ اسے چمک عطا کر دے شب کی جب وہ عالم کو ظلمت کی چادر میں ڈھانپ لے اور آسمان کی اور اس کی جس کو اس نے بنایا اور زمین کی اور جس نے اس کا فرش بچھایا۔۔ ✳

صدائے جرس

قرآن کا نزول چھٹی صدی عیسوی میں ہوا۔ قرآن پاک میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا بڑا حصہ تورات اور انجیل میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے میرے بھائی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہی میں بھی تمھیں بتا رہا ہوں۔۔

اسلام نے آسمانی کتابوں کو برحق جانا ہے۔ ایمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ محمد الرسول اللہ پر ایمان لایا جائے۔ آسمانی کتابوں پر یقین کیا جائے۔ پیغمبروں پر ایمان لایا جائے۔ یوم آخرت پر ایمان ہو۔ خیر و شر کی تقدیرات پر یقین ہو۔ اسلام تمام انبیاء، نوحؑ، ابراہیم، موسیٰؑ، عیسیٰؑ کو برحق مانتا ہے۔ جسطرح قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کو کرامت کہا گیا ہے اسی طرح انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت قدرت کا ایک کراماتی عمل ہے۔ جس طرح انجیل میں بھی حضرت مریم کو ایک خاص مقام حاصل ہے اسی طرح قرآن میں بھی حضرت مریم کا اپنا منفرد مقام ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام مریم ہے۔

پانچ سال پہلے انگلینڈ کے ایک شہر نیلسن میں ایک پادری صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے اپنا پہلا تعارف یہ کرایا کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ عیسیٰ ہمارے لئے کفارہ بن گئے ہیں اور صلیب پر چڑھ کر JESES نے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔

میں نے ان سے پوچھا۔

"پادری صاحب! جب مسیح نے آپ کیلئے اپنی جان صلیب کی نذر کر دی ہے تو آپ کے اوپر بھی ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

انہوں نے کہا! ہاں

میں بائیس سال سے مسیح کی تعلیمات کی تبلیغ کر رہا ہوں۔

میں نے کہا! جناب تبلیغ تو وہ بھی کر رہے ہیں جو پادری نہیں ہیں۔ پادری ہونے کی حیثیت سے آپ کے اوپر یہ فرض ہے کہ آپ مسیح کو دیکھکر ان سے عیسائیت کے علوم

حاصل کریں ---- پادری صاحب ایک دم اپنے آپے سے باہر ہو گئے کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے اندر میں JESES کو محسوس کرتا ہوں۔

میں نے کہا۔ جناب محسوس تو بہت ساری باتیں کی جاتی ہیں لیکن محض محسوساتی باتوں کو حقیقت نہیں کہا جاتا۔ پادری صاحب! آپ بائیس سال سے مسیح کے نام پر ایک خوبصورت آرام دہ عمارت (گرجا) میں رہتے ہیں۔ چرچ آپ کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اس کے باوجود آپ صرف محسوساتی زندگی کے خول میں بند ہیں؟ ہم مسلمان بھی حضرت عیسیٰ ابن مریم کو مانتے ہیں۔ نہ صرف مانتے اور محسوس کرتے ہیں بلکہ دیکھتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی ذات سے ان کا علم بھی سیکھتے ہیں۔

پادری صاحب غصے سے آگ بگولہ ہو گئے اور بڑے ہی دل آزار لہجے میں بولے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کیا ایسا ہوتا ہے اور اگر آپ چاہیں تو آپ بھی مسیح کی روح سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ کچھ دیر وہ خاموش بیٹھے رہے اور یہ کہکر چلے گئے (THIS MAN IS (MASTER IN SPRITULISM)

ایک اور عیسائی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اسلام اور عیسائیت پر گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا۔ جناب! ہم عیسائیوں کی نسبت حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔ ہمارے قرآن میں ایک (CHAPTER) کا نام ہی (MARRY) ہے۔ وہ اصرار کرتے رہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں جس مسلمان گھر میں مقیم تھا ان سے کہا قرآن کا انگریزی ترجمہ لے آئیں لیکن وہاں تاج کمپنی کے علاوہ دوسرا قرآن نہیں تھا۔ اسطرح میری بات کا وزن قائم نہیں ہو سکا۔

برمنگھم میں دو پادری خواتین (NUNS) آئیں اور تبلیغ شروع کر دی۔ میں نے ان سے پوچھا۔ اس وقت مسیح کہاں ہیں۔ ان کا جسم جو صلیب سے اتارا گیا تھا کہاں ہے؟ بولیں: مسیح کہاں نہیں ہیں۔ میں نے پوچھا نظر کیوں نہیں آتے کہنے لگیں روح بھی کہیں نظر آتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ تم کیا ہو۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ بات آگے بڑھی۔ تو ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ مرنے کے بعد روح روح کو دیکھتی ہے میں نے کہا! اگر تم اپنی روح سے واقفیت حاصل نہیں کرو گی تو مسیح کو نہیں دیکھ سکو گی۔ بدمزہ سا منہ بنا کر تنک کر بولیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم آپ کی باتیں سنیں۔ میں نے کہا۔ سسٹر۔ میں بھی کوئی بیکار آدمی نہیں ہوں۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہاری غیر حقیقی باتوں میں اپنا وقت

برباد کروں۔ آپ میری بات سنیں گی میں آپ کی بات سنوں گا۔ انہیں جیسے کرنٹ لگ گیا اور تیزی کے ساتھ دونوں گھر سے باہر نکل گئیں۔

نیو یارک میں ایک لڑکی آئی۔ بولی۔ آپ بزرگ (SAINT) ہیں میں یقین رکھتی ہوں کہ (JESES) خدا کا بیٹا (SON OF GOD) ہیں۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مریم (MERRY) خدا کی بیوی (WIFE OF GOD) ہیں۔ وہ غصے سے لال پیلی ہو گئی۔ اور مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میں نے نہایت نرم لہجے اور محبت سے کہا۔ تم میری بیٹی کے برابر ہو۔ بات کو غصے سے نہیں نرمی اور پیار سے سمجھنے کی کوشش کرو۔

"جب اللہ کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے تو اللہ کی بیوی بھی ہو سکتی ہے۔۔

وہ بہت دل برداشتہ ہو کر چلی گئی۔ اور ایک ہفتے بعد دوبارہ واپس آئی۔ کہا۔ میں نے کئی پادریوں سے یہی سوال کیا!

"جب خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے تو خدا کی بیوی کیوں نہیں ہو سکتی۔۔

وہ لوگ مجھے مطمئن نہیں کر سکے۔ اب میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں لیکن چند شرائط ہیں۔ ۱۔ میری ماں بوڑھی ہے میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ میں مسلمان ہوں اسلئے کہ وہ اس خبر سے مر جائے گی۔

۲۔ میں برقعہ نہیں اوڑھوں گی۔ مسلمان پادری کہتے ہیں کہ برقعہ اوڑھنا ضروری ہے۔ جبکہ یہاں مسلمان خواتین کھلے سر پھرتی ہیں۔

مغربی دنیا کا ایک اور واقعہ سن لیجئے۔ ایک کثیر الاشاعت اخبار کی نمائندہ آئی۔ مجھ سے انٹرویو کیا پہلے رنگوں کے اوپر بات ہوئی کہ رنگ ہی ساری کائنات کی اصل ہیں اور رنگوں کے امتزاج سے کائنات میں نوعوں کا وجود قائم ہے۔ قصہ مختصر وہ بظاہر بہت متاثر ہو کر گئی۔ اور کہا! رنگوں کی یہ عجیب و غریب تھیوری ہم آئندہ بدھ کو اخبار میں شائع کریں گے۔ بات ایڈیٹر سے ڈائریکٹر تک پہنچی پھر بورڈ بیٹھا۔ اور انٹرویو شائع نہیں ہوا۔ انہوں نے باقاعدہ معذرت کی کہ بورڈ کی رائے یہ ہے کہ انٹرویو شائع نہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ یہ انٹرویو اسلئے شائع نہیں ہوا کہ وہ اپنے عوام کو یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان رنگوں کی عجیب و غریب کائناتی تھیوری جانتا ہے۔

میں نے دیکھا اور جانا ہے کہ مغربی دنیا کے عوام کو صحیح حقائق معلوم نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پالیسی کے تحت عوام سے حقائق کو چھپایا جاتا ہے اور عوام کو

اسلام کی حقانیت سے بے بہرہ رکھا جاتا ہے۔ ان عوامل میں ہم مسلمانوں کا بھی قصور ہے۔ مسلمان اس معیار سے بہت زیادہ پست ہیں جس معیار پر زندگی گزارنے کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ مغرب نے جان بوجھ کر اسلام کو (MOHAMMADANISM) کا نام دیا ہے اور اس کی بے پناہ تشہیر کی گئی ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ قرآن محمد کا کلام ہے اور اسلام محمد کا بنایا ہوا دین ہے۔ یہ ایک سازش ہے جو اسلام کے خلاف پوری شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔

مسلمان قوم کی زبوں حالی اور ابتری کا حال یہ ہے کہ اب ہم علم میں بھی یورپ اور مغربی دنیا کے محتاج بن گئے ہیں۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات پوری واضح ہو جاتی ہے کہ خواب اور بیداری زندگی کے دو نصف نصف حصے ہیں مگر ہمارے دانائے فرنگ اور دانشوروں پر مغرب کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ فرائڈ کو نفسیات اور خواب کا بابائے آدم تصور کیا جاتا ہے جب کہ وہ نفسیاتی اور جنسی مریض کے علاوہ کچھ نہیں۔

سائنسدانوں نے جب دیکھا کہ عیسائی علماء سائنسی ترقی میں حارج ہوتے ہیں تو انہوں نے مذہب کو سائنس سے الگ کر دیا۔ سائنس اور مذہب کے تقابلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بائبل کے مفسرین اور سائنس کے اسکالروں کے مابین شدید اختلاف ہے۔ اس کے برعکس قرآن ایک ایسی الہامی کتاب ہے جس میں زندگی کے تین رخ متعین کیئے گئے ہیں۔

۱۔ اصولِ معاشیات۔ تمدن اور زندگی گزارنے کے طور طریقے۔

۲۔ تاریخ جو ماضی میں بسنے والی قوموں کی عروج و زوال کے حقائق منکشف کرتی ہے۔

۳۔ مُعاد۔ یعنی اس دنیا کے پیچھے اور اس دنیا کے آگے ایک اور دنیا ہے۔ چھپی ہوئی دنیا ہی سے خیالات اطلاعات (INFORMATION) موصول ہو رہی ہیں ان اطلاعات میں مستقبل کے راز بھی ہیں اور ہر قسم کی سائنسی ترقی کے فارمولے بھی ہیں۔ یہ فارمولے ہر آن ہر لحہ نشر ہو رہے ہیں۔

صلائے عام ہے یارانِ نقطہ داں کے لیئے۔

جو قوم اور قوم کا جو فرد ان نشر ہونے والے فارمولوں پر تفکر کرتا ہے وہ فارمولوں کو تلاش کر لیتا ہے اور نئی نئی سائنسی ایجادات عملاً سامنے آجاتی ہیں۔

پہلے نماز پڑھنے کو جب جی چاہتا تھا پڑھ لیتا تھا ورنہ قضا ہو جاتی تھی لیکن جب سے پمفلٹ "نماز اور مراقبہ" پڑھا ہے نماز کی افادیت و حکمت جان کر طبیعت حیران ہے اب مجھے نماز اور نمازی کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا ہے۔ ذہن میں روحانیت کے متعلق کئی سوالات آتے ہیں جن کے جوابات کیلئے میں بے چین ہوں میری تجویز ہے کہ روحانی ڈائجسٹ میں ایک مستقل موضوع صرف روحانی سوالات و جوابات کیلئے مخصوص ہونا چاہیے۔

دعا کا طلب گار حیات محمد

پشاور

آپ اور قارئین روحانی علم سے متعلق سوالات لکھکر بھیجتے رہیں تو رسالہ میں یہ کالم شروع کر دیا جائے گا۔

ایڈیٹر

مکرمی ایڈیٹر آداب

میں اس دنیا سے بالکل مایوس ہو چکا تھا کہ خواجہ صاحب کی تصنیف "کشکول" نظر سے گزری دل میں زندگی کی ایک لہر اٹھی آپ سے رابطہ کی درخواست ہے مجھے رہنمائی کی ضرورت ہے جو آپ کے ذریعے مل جائے تو زندگی سنور جائے گی۔ خواجہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کا ایک پرستار محمد حادیہ فاضل

جمعہ کے روز عصر کے بعد مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن کراچی، میں بالمشافہ ملاقات ہو سکتی ہے مرکزی مراقبہ ہال میں ہفتہ کے روز شام بعد عصر خواتین کیلئے محفل مراقبہ منعقد ہوتی ہے۔

ایڈیٹر

حضرت خواجہ صاحب کی لکھی ہوئی چند کتابیں میرے پاس موجود ہیں جن میں روحانی نماز، روحانی علاج اور آواز دوست کو میں پہلا، دوسرا اور تیسرا نمبر دیتا ہوں یقیناً یہ کتابیں ایمان کی روشنی سے لبریز ہیں۔

ندیم نذر بھٹی

مظفر گڑھ

جناب نیاز احمد عظیمی نگران مراقبہ ہال پشاور (سرحد) کی خصوصی توجہ اور مشورہ میرے لئے رہنمائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے مشورہ پر میں نے سکون حاصل کرنے کیلئے مراقبہ کیجئے کے اسٹیکر ایبٹ آباد میں نمایاں مقامات اور نمایاں جگہوں پر لگائے ہیں۔ پہلے لوگوں نے توجہ نہیں دی۔ لیکن بار بار اسٹیکر لگانے سے اب پڑھے لکھے نوجوانوں کی ایک جماعت مراقبہ کرنے لگی ہے۔ میری تجویز ہے کہ عظیمی بہن بھائی اور قارئین روحانی ڈائجسٹ زیادہ سے زیادہ سکون حاصل کرنے کیلئے مراقبہ کیجئے اور اللہ کا عرفان حاصل کرنے کیلئے روحانی نماز قائم کیجئے، کے اسٹیکر لگائیں۔

شکریہ سمیع اللہ عظیمی ریٹائرڈ

خواتین و حضرات اور طالبات و طلبہ اگر اسٹیکر لگا کر دعوت کا کام کرنا چاہیں تو وہ خط لکھ کر اسٹیکرز منگوا سکتے ہیں۔ اسٹیکرز منگوانے کیلئے پتہ یہ ہے۔
مرکزی مراقبہ ہال۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۸۱۸۰، کراچی نمبر ۳۳۔

حالات کی سختی نے مجھے خدا کے وجود سے انکار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں اور سختیاں کرتا تو ایک لذت محسوس ہوتی میرے گھر والے اس عمل سے پریشان رہنے لگے لیکن پھر قدرت نے کرشمہ دکھایا اور روحانی ڈائجسٹ نے آنکھوں میں پڑی ہوئی دھول کو صاف کر دیا الحمد اللہ میرا عقیدہ درست ہو گیا ہے اور میں اب خود کو اللہ رب العالمین سے قریب محسوس کرتا ہوں۔

عمران احمد صدیقی
محمود آباد کراچی

نیند کی کمی اور زیادتی کے علاوہ حسن بن صباح اچھے مضامین ہونے کے باوجود خراب پرنٹنگ کی وجہ سے متاثر ہو گئے۔ ہماری گزارشات کا آپ کے اوپر اثر کیوں نہیں ہوتا؟

نصیر علی
آزاد کشمیر

نصیر علی صاحب کوشش کی جا رہی ہے کہ آئندہ آپکو شکایت نہ ہو۔

ایڈیٹر

کتاب یاران طریقت کا بغور مطالعہ کیا میاں مشتاق احمد عظیمی نے بلاشبہ سلسلہ عظیمیہ کی خدمت کی ہے۔ ٹائیٹل میں جہاں انتہائی سادگی ہے وہاں نفاست اور پاکیزگی کا معیار بھی بلند اور اعلیٰ ہے۔
مولف کا نام عکس روضہ اقدس کے اوپر درج ہے جو تقدس کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

کامران باسط
کراچی

روح سے دوری اور اس کے اسباب کے ساتھ اس کے سدباب کو جس طرح قرآن پاک کے طرز کلام پر حضرت خواجہ صاحب نے پانی کی بوند اور سمندر کی موجوں سے دلائل اور مثال کی ساتھ وضاحت کی ہے۔ پڑھکر اطمینان قلب نصیب ہوا دل کا گداز آنکھوں کے راستہ بہہ نکلا، میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ یہ بندہ کون ہے؟
ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں خواجہ، اللہ کی آواز ہے جواب تیرے دل میں اتر گئی ہے۔

حنیف ابرار
راولپنڈی

مضمون نظریہ رنگ و نور کا سلسلہ دوبارہ شروع کر کے آپ نے پیرا سائیکالوجی سے دلچسپی رکھنے والوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جو سبق کی طرز پر ہے۔ پچھلے مضامین کی تعداد کتنی تھی معلوم نہیں! میرے پاس صرف پانچ مضامین موجود ہیں جن میں تسلسل نہیں، محترم حکیم وقار یوسف عظیمی سے ذاتی طور پر گزارش ہے کہ نظریہ رنگ و نور کو دوبارہ پہلے سبق سے شروع کیا جائے تاکہ میں اور دوسرے نئے پڑھنے والے اس قیمتی دستاویز کو محفوظ کر سکیں۔

نادیہ اسد

حضرت سلطان باہو پر قلمکار ارشد علی عظیمی کی خوبصورت کاوش دل کو بہت اچھی لگی جس میں شریعت اور طریقت کو بہت اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
مضمون اگر کچھ مختصر ہوتا تو نکھار اور زیادہ دلکش ہو جاتا۔

طلعت فراز۔ سکھر

محمد مونس خاں عظیمی

معرکہ حق و باطل

واقعۂ کرب و بلا انسانی تاریخ کا ایک انتہائی المناک واقعہ ہے۔ اور اس واقعے کے بعد تاریخ اسلام میں ایک انتہائی پُر آشوب دور کا آغاز ہو گیا۔ جس سے تا دم تحریر عالم اسلام مصروف گریہ ہے۔
(اسلامی تاریخ پر اچھی تحریروں کے شائقین کے لیے ایک تحفۂ خاص)

دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکتا ہے۔۔۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخص عظمت و تقدس کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے، دنیا حقیقت سے زیادہ افسانے اور تخیل کی کارفرمائی دکھانے لگتی ہے۔۔۔ اسی لیے فلسفہ تاریخ کے بانی ابن خلدون کا یہ کہنا ہے کہ جو واقعہ جس قدر زیادہ مشہور و مقبول ہو گا اسی قدر افسانہ سرائی اسے اپنے تخیلی حصار میں لے لیگی۔
تاریخ اسلام میں واقعہ کرب و بلا سے منسوب جو بھی شخصیتیں ہیں وہ تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔۔۔ خلفائے راشدین کے بعد جس المناک واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے وہ "کرب و بلا" کا واقعہ ہے۔ اور بغیر کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہے کہ اس المناک واقعہ پر نسل انسانی نے جس قدر آنسو بہائے ہیں کسی اور حادثہ پر نہیں بہائے۔۔۔ اس واقعہ کو گزرے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس حساب سے چودہ سو محرم گزر چکے ہیں۔ اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا ہے۔ اور دشت کربلا میں جس قدر خون "اہل بیت" کا بہا تھا، اس کے بدلے میں اب تک نسل انسانی اشک ہائے ماتم و الم کا ایک سیلاب بہا چکی ہے۔ اور جب تک یہ دنیا قائم ہے بہاتی رہے گی۔

●

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ گروہ انبیاء سے ان کے اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔۔۔ کیونکہ انبیاء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو کہ عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ جلیل القدر پیغمبر تھے اس لیے ان کو آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اللہ کے حکم کی بجا آوری صرف پیغمبر ہی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی اولاد

رسا اولاد حکمِ الٰہی کی فرمانبردار رہتی ہے۔ اور یہی وہ فعل ہوتا ہے جو کہ انھیں عوام الناس سے جدا کر کے اللہ کے خاص بندوں میں شمار کراتا ہے۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی اس خاص نسل میں سے تھے جس سے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعد دیگرا انبیاء کرام کو دنیا میں بھیجا تھا۔ لہٰذا انھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اور ہر آزمائش پہلی آزمائش کے مقابلہ میں سخت ہوتی تھی۔۔۔ ان تمام آزمائشوں کا مقصد باطل کے مقابلہ پر حق پرستی ہوتا تھا۔ اور پیغمبر اور اس کی نسل اس حق پرستی کی خاطر بڑی سے بڑی مصیبت کا بھی صبر و تحمل سے مقابلہ کر لیتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہ بت پرستی کی آماجگاہ تھی۔۔۔ آپ نے جس معاشرہ میں پرورش پائی وہ باطل کی دبیز چادر میں لپٹا ہوا تھا۔۔۔ آپؑ کا خاندان اس وقت کے معاشرہ میں سب سے زیادہ مقدس اور امیر تھا۔ آپؑ کے باپ اور چچا کے بنائے ہوئے بت پورے مصری معاشرہ میں پوجے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف آپؑ کے خاندان کا وقار تھا بلکہ احترام بھی کیا جاتا تھا۔ پھر یہی نہیں، دولت کی بھی بہتات تھی۔ اگر آپؑ چاہتے تو کسی بھی مندر کے پجاری بن کر شہرت و دولت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن دنیا میں آپؑ کی آمد کا یہ مقصد نہیں تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ آپؑ سے اور آپؑ کی نسل سے روحانیت و انسانیت کو سرخرو کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ نے تمام آسائشوں کے میسر ہوتے ہوئے بھی انھیں ٹھکرا دیا۔ اور باطل کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔

●

حضرت امام حسینؓ اس نبیؐ کے نواسے تھے جس کی حمد و ثنا آسمانوں پر فرشتے بھی کرتے ہیں۔۔۔ جس کی حمد و ثنا نماز میں بھی کی جاتی ہے۔ اور عبادت الٰہیہ اس کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اسی نبیؐ کے نواسے نے اس وقت اقتدار کو ٹھکرا دیا جب کہ بادیہ نشینوں کی ٹھوکروں میں قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج پڑے ہوئے تھے۔ اقتدار کے حامل افراد نے آپؓ کو طرح طرح کے لالچ دیے۔ حد تو یہ ہے کہ آپؓ کو اقتدار میں شامل کرنے کی خاطر "رے" کا علاقہ تک پیش کیا گیا۔ لیکن آپؓ نے اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اقتدار کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور کوفہ جسے آپؓ کے والد بزرگوار نے "دارالخلافہ" بنا دیا تھا، اُسے بھی چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس شہر میں آپؓ کے حامیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس کے باوجود آپؓ نے شہر مکہ کو اپنا مسکن بنایا۔۔۔ کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں آپؓ کے جدِ محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی نشانی کعبہ تعمیر کیا تھا۔۔۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے نبوت کی وہ کونپل پھوٹی جن کی ضیاء پاشیوں سے مصر، شام اور یروشلم تک منور ہو گئے۔۔۔ یہ منبع روحانیت و وحدانیت تھا۔۔۔ اسی منبع کے زیرِ سایہ آپؓ نے دن گزارنے شروع کر دیے۔

●

"حسد وہ جذبہ انسانیت ہے جس کا توڑ آج تک کسی بھی بڑے سے بڑے عالم فاضل کے پاس نہیں ہے۔ صرف انبیاء کرامؑ اور اولیاء عظامؒ اس جذبہ حسد کا توڑ جانتے ہیں۔ اس جذبہ کے عود کر آنے کے بعد انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ وہ درندہ بن جاتا ہے۔ اور حسد جس ہستی سے دہکتا ہے اسے ہر طرح سے نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے۔۔۔ حاسد شخص اپنے مخالف کے لیے وہ تمام حربے استعمال کرتا ہے جو اس کے دماغ میں آسکتے ہیں۔۔۔ اور پھر عورت کا حسد تو ضرب المثل ہے۔ عورت کا یہی حسد کبھی اسے عروج بخشتا ہے اور کبھی باطل کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ حسد۔۔۔ اور پھر وہ بھی سوکن کا حسد۔۔۔ اور سوکن بھی وہ جو کہ جوان تھی شاہی ناز و نعمت میں پلی تھی، اور پھر خدا نے اسے بیٹے کی ماں بھی بنا دیا۔۔۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جس سے حضرت سارہ جھنجھلا اٹھیں۔ اور انھوں نے اپنے شوہر، جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کر دیا کہ میری سوکن ہاجرہ اور اس کے بچے "اسمٰعیلؑ کو میری نظروں سے دور کر دو۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ کیونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے لہٰذا کوئی بھی قدم منشاءِ الٰہی کے بغیر نہیں اٹھاتے تھے۔۔۔ آپؑ اپنی پہلی بیوی کے اس بشری تقاضے کو منشاءِ الٰہی کے بغیر پورا کرنا نہیں چاہتے تھے۔۔۔ لہٰذا جب حضرت سارہ کے مطالبہ نے ضد کی شکل اختیار کر لی تو حکمِ الٰہی ہوا۔۔۔ کہ ان دونوں ماں اور بیٹے کو "بن کھیتی" کی زمین پر چھوڑ آؤ۔۔۔ اور حضرت ابراہیمؑ بظاہر اپنی بیوی سارہ کی ضد پوری کرنے کی خاطر حضرت ہاجرہ اور ان کے نومولود بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں چھوڑ آئے۔۔۔ یہ حکمِ الٰہی تھا۔۔۔ منشاءِ ربانی تھا۔۔۔ اور ظاہری آنکھ مصلحت خداوندی کو نہیں دیکھ سکتی۔۔۔ نہیں پہچان سکتی۔۔۔ اور نہ ہی سمجھ سکتی ہے۔

●

حضرت امام حسینؓ منبع روحانیت و انسانیت۔۔۔ اپنے نانا کے عائد کردہ فرض حج میں مصروف تھے۔۔۔ یہ آپؓ کے اجداد کی سنت تھی۔۔۔ جسے آپؓ کے نانا، رسولِ خدا نے دینِ فطرت کے فرائض میں شامل کیا تھا۔۔۔ آپؓ اس فرض کی ادائیگی میں مصروف تھے کہ آپؓ کو مکہ کے حاکم کے حسد کا علم ہوا۔۔۔ کہ عین ممکن ہے وہ طوافِ حج کے دوران آپ کو قتل کر دے۔۔۔ حاسد کے اس ناپاک اور خطرناک عزم کا انکشاف ہوتے ہی آپؓ نے حرمتِ کعبہ کی خاطر مکہ سے نکل جانے کا قصد کر لیا اور اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ مکہ سے نکل گئے۔۔۔ بظاہر آپ کا رخ "کوفہ" کی جانب تھا۔ لیکن درحقیقت آپؓ اپنے جدِ محترم حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کر رہے تھے۔ اور "بن کھیتی" کی زمین کی جانب آپ کا رخ تھا۔۔۔ یہ "بن کھیتی" کی زمین درحقیقت وہ دشت و صحرا تھا جسے بعد میں تاریخِ عالم نے "کرب و بلا" کے نام سے یاد رکھا۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ نے تو اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار اسمٰعیلؑ کو دشت صحرا میں چھوڑا تھا۔۔۔ اور حضرت امام حسینؓ اپنے تمام اہلِ خاندان اور حواریوں کے ساتھ "بن کھیتی" کی زمین پر وارد ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھیوں میں شیر خوار بچے سے لے کر بوڑھے تک شامل تھے۔۔۔ پھر حضرت ابراہیمؑ تو صرف اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار اسمٰعیلؑ کو بیاباں میں چھوڑ آئے تھے۔۔۔ اور انہی کی اولاد تمام اطراف سے کھنچ کر اس دشت میں آگئی تھی۔ جن کی کل تعداد ۷۲ نفوس تھی۔۔۔

یہ "بن کھیتی" کی زمین نہیں۔ بلکہ مقتل گاہِ انسانیت تھی۔

●

یومِ عاشور دس محرم کو مقتل گاہ انسانیت میں تاریخ عالم کا انتہائی المناک واقعہ رونما ہوا۔ اور دنیا کی انتہائی مقدس ہستیوں کو تہہ خاک کر دیا گیا۔۔۔ ہر نبی کی اولاد نے اپنے خاندان کے ورثہ نبوت کو بچانے کی خاطر طرح طرح کی قربانیاں دی ہیں۔ اگر قرآن میں بیان کیے گئے واقعات کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور سچائی کی نظر سے دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔۔۔ حضرت سلیمانؑ کو عالیشان سلطنت دی گئی۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ کو دنیا کی نعمتیں دی گئیں۔۔۔ حضرت یوسفؑ کو غلامی سے لے کر مصر کی بادشاہت تک عطا کی گئی۔۔۔ لیکن آخری نبیؐ کی اولاد کو جس کٹھن آزمائش سے گزرنا پڑا وہ قیامت کے لیے یادگار ہو گئی۔ اور اس آزمائش کے سامنے دوسری تمام آزمائشیں ماند پڑ گئیں۔۔۔ اس دشت صحرا میں ان تمام آزمائشوں کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا جو کہ گزشتہ انبیاءؑ کے ساتھ پیش آ چکی تھیں۔۔۔ اس دشت صحرا میں پانی بھی نہیں ملا۔ اور نبوت کے وارثین نے تین دن تک پیاسے رہ کر باطل کی قوت سے ٹکر لے لی۔ گو کہ "کرب وبلا" میں تمام حق پرست شہید کر دیے گئے۔ اور باطل سرخرو نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی یہ سرخروئی صرف چند لمحوں کی تھی۔۔۔ جونہی حضرت امام حسینؓ کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرا، باطل قوت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدنمائی، گمراہی اور ذلالت کا داغ لگ گیا جو کہ قیامت کے بعد تک نہیں مٹ سکے گا۔

●

تین دن کے پیاسے شیر خوار بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے حضرت امام حسینؓ اپنے عزیزوں اور رفقاء کی لاشوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔۔۔ میدانِ کرب وبلا میں ہر جانب لاشیں ہی لاشیں تھیں اور یہ لاشیں ان ہستیوں کی تھیں جو اگر چاہتیں تو ایک اشارہ سے دریائے فرات کو اپنے خیموں تک لے آتیں۔۔۔ جو اگر چاہتیں تو دشت صحرا کی ایک مٹھی خاک باطل پرستوں کی جانب پھینک دیتے تو سب اس دنیا سے فنا ہو جاتے۔ لیکن وہ سب سنت الٰہی کے پیروکار تھے۔۔۔ پیغمبر کی اولاد تھے۔۔۔ حضرت امام حسینؓ شیر خوار بچے کو اٹھائے ہوئے باطل پرستوں کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور اتمام محبت کی خاطر بولے۔۔۔ یہ میرا معصوم لختِ جگر ہے۔ تمہیں مجھ سے دشمنی ہے، اس معصوم سے تو نہیں۔ اسے پانی دو۔

جواب میں باطل پرستوں کی جانب سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا۔ اور شیر خوار کے سوکھے ہوئے حلق میں پیوست ہو گیا۔۔۔ حضرت امام حسینؓ نے آسمان کی جانب دیکھا۔ پھر قبلہ رخ ہوئے اور شیر خوار کو ہاتھوں میں بلند کرتے ہوئے بولے۔

اے ابو الانبیاء دیکھ لو۔۔۔ میں قربان گاہ میں کھڑا ہوں۔ اور آپؑ کی آخری سنت بھی پوری کر دی ہے۔۔۔ آپؑ نے تو منیٰ کے میدان میں اپنے لختِ جگر کو قربان کرتے وقت اس کے ہاتھ باندھ دیے تھے اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔ لیکن میری آنکھوں پر پٹی نہیں ہے اور نہ ہی میرے لختِ جگر کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ نے آپؑ کے لختِ جگر کو ایک ذبحِ عظیم کے بدلہ میں بچا لیا تھا۔ اور میں نے آج وہ "ذبحِ عظیم" پورا کر دیا ہے۔

پھر آپؓ مقتل گاہ کے وسط میں آئے۔ اپنے ہاتھوں سے گرم گرم ریت کو ہٹایا۔ اور جب ٹھنڈی زمین آ گئی تو اپنے لختِ جگر کو لٹاتے ہوئے بولے۔۔۔ تیرے پیچھے میں آ رہا ہوں بیٹا۔۔۔ یہ قوم اپنی بدنصیبی پر مہر لگانے والی ہے۔

آپؓ اپنے گھوڑے "ذوالجناح" پر سوار ہوئے اور باطل پرستوں کی طرف چل دیے۔

یومِ عاشور۔۔۔ کرب وبلا کے میدان میں ہر جانب لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔۔۔ اور ان سب میں نمایاں لاش "حضرت امام حسینؓ" کی تھی۔ باطل پرستوں نے دنیا کی حرص میں وہ کام انجام دے دیا تھا جس پر آسمان بھی آنسو بہا رہا تھا۔۔۔ کائنات کی ہر شے غمناک تھی۔۔۔ خاتم النبیین کی اولاد "کرب وبلا" کے تپتے ہوئے صحرا میں پڑی تھی۔ اور انسانیت ماتم کناں تھی۔۔۔ یہ باطل پرستوں کی وہ فتح تھی جو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شکست بن گئی۔۔۔ قدرت کا یہ عجیب اور حیرت انگیز عمل ہے کہ جن لوگوں نے دنیاوی عیش و عشرت کے لیے انتہائی شرمناک اور ذلیل حرکت کی تھی۔۔۔ وہ شان و شوکت اور عیش و عشرت صرف دو تین سال میں ان سے رخصت ہو گئی۔ اور تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ واقعہ کرب وبلا کے بعد امت مسلمہ کن کن مصائب سے گزری۔۔۔ اور آج تک گزر رہی ہے۔

خدائے تعالیٰ سے جو لوگ محبت کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ بھی محبت کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کے دل میں محبت بھر دیتے ہیں۔ محبت کی یہ خوشبو جب آسمان کی رفعتوں کو چھوتی ہے تو آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب محبت کی یہ خوشبو زمین کی چاروں سمت پر محیط ہو جاتی ہے تو زمین پر بسنے والا ہر فرد خواہ وہ انسان ہو، پرندہ ہو، درندہ ہو اس شخص سے والہانہ محبت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیلؑ کو بلا کر کہتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، حضرت جبرئیلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور عالم اسلام میں اعلان کرتے ہیں کہ خدا اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لیے زمین والوں کے دلوں میں قبولیت اور عقیدت پیدا کر دی جاتی ہے۔

(از تجلیات)

روحانی نماز

خواجہ شمس الدین عظیمی

نماز جسمانی صحت، دل، جگر، گردے، گٹھیا اور بلڈ پریشر سے ہونے والے امراض، معدہ میں السر وغیرہ کا مؤثر علاج ہے
اس کے علاوہ عورت اور مرد کی نماز کا فرق، نماز میں خیالات کی یلغار سے بچنے کے آسان اور آزمودہ طریقے"
اسمائے الٰہیہ سے ستر سے زیادہ روحانی اور نفسیاتی مسائل کا حل۔

سائنسی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وضو ہائی بلڈ پریشر کا علاج ہے۔ صحیح طریقے پر وضو کرنے سے ہاتھوں کی انگلیاں خوبصورت ہو جاتی ہیں۔ کلی کرنے سے ٹانسلز کی بیماری نہیں ہوتی۔ صحیح طریقے پر منہ دھونے سے جلد ملائم اور زم ہوتی ہے آنکھیں پرکشش، خوبصورت اور پرخمار ہو جاتی ہیں، پیروں کا مسح کرنے سے خون کے اندر زہریلا مادہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور جسم زہریلی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

رکوع، سجود، قعدہ، قیام اور نیت باندھنے میں پوشیدہ حکمتوں کے انکشاف کے لئے کتاب "روحانی نماز" کا مطالعہ کیجئے۔ اس کتاب میں نماز کا سائنسی مفہوم، قانونِ قدرت کے فارمولے اور صحیح نماز ادا کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

ھدیہ ۲۵/- روپے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸
پوسٹ بکس ۲۲۱۳

شہادت حسین رضؓ

علامہ رضی جعفر نقوی

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس قبل (سنہ ۶۱ ہجری میں) عاشور کے دن کربلا کے میدان میں پیش آنے والا دردناک واقعہ ساری دنیا کے لیے عبرت کا سامان رکھتا ہے جب ایک طرف ۷۲ خدا پرستوں کی مختصر سی جماعت اور ان کے مقابلہ میں باطل پرستوں کا تقریباً نوے ہزار کا لشکر تھا۔ ۷۲ افراد میں کچھ نہایت بوڑھے، کچھ نہایت کمسن اور تھوڑے سے جوان تھے۔ یہ سب کے سب تین دن کے بھوکے پیاسے جب کہ ان کا دشمن ہر قسم کے اسلحہ سے لیس شکم سیر بھی سیراب بھی۔

لیکن ان ۷۲ افراد نے حق کی خاطر کچھ ایسی منفرد اور عظیم الشان قربانی پیش کی کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی یاد تازہ ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے یہ ابھی کل کا ہی واقعہ ہو۔

ان ۷۲ افراد پر مشتمل جماعت کے قائد سید الشہداءؑ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ ہیں جو خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے چھوٹے نواسے ہیں۔ وہ رسول مقبولؐ جنھوں نے بنی نوع انسان کے سامنے اللہ کا پیغام اور اس کا بھیجا ہوا آخری دستورِ حیات پیش کیا، جنھوں نے حیوانیت و بربریت سے بھرے ہوئے معاشرہ کو انسانی قدروں سے آشنا کیا، جنھوں نے اسرارِ توحید سمجھا کر لوگوں کو شرک سے پاک کیا، جنھوں نے عدل و انصاف کے اعلیٰ قوانین کے ذریعہ انسانی معاشرہ سے ناانصافیوں کا خاتمہ کیا، جنھوں نے سوئے ہوئے انسانی ضمیر کو جگایا، جنھوں نے جہالت سے بھرے ہوئے سماج کو علم و معرفت کی روشنی عطا کی، جنھوں نے کفر کی تاریکی کو دور کر کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کیا، جنھوں نے انسانی جبین کو اخلاق کے جھومر سے سجایا، جنھوں نے انسانوں پر انسانوں کی حکومت کو ختم کر کے خدائے واحد کی حکمرانی کو رواج بخشا اور جنھوں نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا وہ ابدی اور سرمدی دستور پیش کیا جو قیامت تک بے مثل و بے نظیر اور ناقابلِ تنسیخ ہے۔

النبی و خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو کربلا کے میدان میں خود رسول مقبولؐ کا کلمہ پڑھنے والوں نے تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر صرف اس جرم میں شہید کر دیا کہ انھوں نے باطل کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا

کون حسینؓ؟ — چمنستانِ رسالت کا وہ گل سرسبز جس کا نام نامی و اسم گرامی صدیوں سے حق و صداقت کا عنوان بنا ہوا ہے اور دنیا بھر میں حریت فکر کے نام پر چلنے والی کتنی ہی تحریکوں میں آپ کی قربانیوں کا تذکرہ ہزاروں انسانوں کے اندر جذبہ فداکاری اور شعور انسانیت بیدار کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اور موثر وسیلہ رہا ہے

گزشتہ ۱۳ سو سال کے اندر آپ کی حیات طیبہ آپ کی عظمت و جلالت اور آپ کے بے مثال کردار پر نہ جانے کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور کتنی لکھی جاتی رہیں گی دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جس پر دین و مذہب حق و صداقت، جہاد و شہادت اور ایثار و شجاعت کا تذکرہ ہو اور آپ کے ذکر کے بغیر مکمل ہو جائے سوائے اس کے کہ تعصب و تنگ نظری یا غفلت و کوتاہ عملی نے کسی کے قلم کو روک دیا ہو۔ ورنہ کون ایسا انصاف پسند ہوگا جو حق و صداقت کا تذکرہ کرے اور اس انسانِ کامل کو یاد نہ کرے جس نے حق و صداقت کی سربلندی کے لیے اپنے پورے خاندان، اعزا و اقارب، یاور و انصار بھائی، بھتیجے، بھانجے، بیٹے غرض عزیز سے عزیز ترین فرد کی قربانی پیش کر دی اور آخر میں جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کر کے صبح قیامت کے لیے توحید اور لا الٰہ الا اللہ کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ بقول علامہ اقبال ؎

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

آئیے غور کریں کہ امام عالی مقامؓ نے بیعت سے کیوں انکار کیا۔ تو تاریخ سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا انسان بھی گواہی دے گا کہ اس وقت مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دیا گیا تھا جو ہر قسم کے جرائم، گناہ، معصیت اور نافرمانیوں کا مجموعہ تھا لیکن اپنی تمام نالائقیوں کے باوجود منبرِ رسولؐ پر بیٹھا ہوا تھا اور لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ اسے رسولؐ کا جانشین تسلیم کریں۔

ظلم و ستم میں ڈوبی ہوئی دنیا اسے وقت کا حاکم ہی نہیں امت کا رہنما اور رسولؐ کا جانشین بھی تسلیم کر رہی تھی اور اب اس کی جرأت و ہمت اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ نواسۂ رسولؐ سے بھی یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ اسے جانشینِ رسول تسلیم کرلیں۔

لیکن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اقدام سے یہ ثابت کر دیا کہ نہ حضرت آدمؑ ابلیس کی اطاعت کر سکتے تھے، نہ حضرت نوحؑ اپنے زمانے کے نافرمان انسانوں کی فرماں برداری کر سکتے تھے۔ نہ حضرت ابراہیمؑ نمرود کو خدا مان سکتے تھے۔ نہ حضرت موسیٰؑ فرعون کو معبود تسلیم کر سکتے تھے۔ نہ حضرت عیسیٰؑ قوم یہود کے نقش قدم پر چل سکتے تھے نہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابولہب، ابوجہل جیسے باطل پرستوں کا ساتھ دے سکتے تھے اور نہ حضرت حسین بن علیؓ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کی بیعت کر سکتے تھے۔

امام عالی مقام اپنے اس اقدام سے یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ حق و باطل کا راستہ ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ رہا ہے اور کبھی بھی حق کا علمبردار باطل کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔ خیر و شر کی دو طاقتیں ہر دور میں موجود رہی ہیں اور ایک دوسرے سے برسرپیکار رہی ہیں جیسا کہ شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ؎

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

خداوند عالم ہم سب کو امام عالی مقام کی شہادت کا مقصد سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس راستے پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے جو خدا اور رسولؐ اور آلِ رسول کا پسندیدہ راستہ ہے کیونکہ حق کو صرف پہچاننا کافی نہیں ہے بلکہ پہچاننے کے بعد اس کے مطابق زندگی گزارنے اور خود کو اس سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے جو اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اس منزل پر آ گیا ہے کہ ہر شعبۂ حیات میں فکر و عمل کا تضاد بڑھتا جا رہا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس طرزِ زندگی کو اختیار کیا جائے جسے امام عالی مقام پسند فرماتے تھے۔ اور ان تمام عیوب و نقائص سے اپنے کو دور رکھا جائے

اس وقت جب کہ ہلالِ محرم نمودار ہونے کے بعد دنیا کے گوشے گوشے میں امام عالی مقام کا غم منایا جا رہا ہے اور بام و در سے یا حسینؓ کی صدا بلند ہو رہی ہے ہمیں یہ عزم کرنا چاہیے کہ ہم اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنے کی بھرپور جدوجہد کریں گے جو امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے وفادار ساتھیوں کی طرۂ امتیاز ہیں اور ہر اس صفت سے خود کو دور رکھیں گے جس میں باطل کی حمایت کا کوئی بھی پہلو ہو۔ کیونکہ باطل بہرحال مٹ کر رہے گا

حقوق العباد یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ساری نوعِ انسان اللہ کا ایک کنبہ ہے اور میں خود اس کنبے کا ایک فرد ہوں۔ جس طرح کوئی انسان اپنی فلاح و بہبود اور اپنی آسائش کے لیے اصول وضع کرتا ہے اسی طرح ہر انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی آسائش و آرام کا خیال رکھے انبیاء اور اہل اللہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات مظہر بن کر سامنے آتی ہے کہ تمام انبیائے کرام اور تمام اہل اللہ نے مخلوق کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کا سچا اور مخلصانہ جذبہ انسان کے اندر محبت، اخوت، مساوات اور ممتا کو جنم دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس راتیں عبادت میں اس لیے گزاریں کہ ان کے پیش نظر بنی اسرائیل کو بھرپور فیض سے نوازنا تھا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا سے باہر تشریف لائے تو بنی نوعِ انسان کو بے پناہ مادی اور روحانی فیض حاصل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کی تاریکی میں گیان دھیان کر کے جو نعمت حاصل کی اس نعمت سے آدم زاد کی پیاسی روحوں کو سیراب فرمایا۔ قرآن پاک روحانی اور انسانی قدروں کا تذکرہ کر کے بندوں کو حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے طریقے سکھاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کا تذکرہ فرماتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہے، وہ خداوند قدوس ہے۔ وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے اور نگہبان ہے، وہ غالب اور دبدبے والا ہے اور کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے، وہ خالق کائنات ہے، موجدِ کائنات ہے اور صورت گر موجودات ہے۔

(از تجلیات)

بارگاہِ حسینی میں ہندو شعراء کا نذرانۂ عقیدت

مجھو دل صاف کر شہؑ کی محبت کے لئے
خوب سودا ہے یہ بازار قیامت کے لئے
دل تڑپتا ہے بہت شہؑ کی زیارت کے لئے
کیا خبر کیوں دیر ہے اتنی سی حسرت کے لئے
پیاس کے صدقے اُٹھا کر شہؑ نے اُمت کے لئے
جوش پیدا کر دیا دریائے رحمت کے لئے
میں یہ سمجھوں مل گئی مجھ کو جگہ فردوس میں
کربلا میں گز زمیں مل جائے تربت کے لئے
کیوں تڑپتے تیرے پانی کے لئے اے فرات
مضطرب جو ہو رہے تھے جام شہادت کے لئے
ہر گھڑی شہؑ کو ادھر آتا تھا نہ سراہنہ کا خیال
تھی اُدھر صغریٰ بہت بے چین حضرتؑ کے لئے
دفن کرنے والا بھی کوئی نہ تھا حضرت کی نعش
آپ ہی مخصوص تھے ایسی شہادت کے لئے
پرسش اعمال کی ناقد تجھے کیا فکر ہے
جب شہؑ دیں ہیں ترے سر پہ شفاعت کے لئے

حکیم چھنو مل ناقد

جانتے تھے وہ جفا ہو گی، جفا ہو کر رہی
بے جفا کیا شے جفا کی انتہا ہو کر رہی
صبرِ ایوبی سے بازی لے گیا صبرِ حسینؑ
صبر کی دُنیا نثار کربلا ہو کر رہی
اُس حسین مقتدر کے صدقے اُس تمنا کے نثار
جو حسینؑ ابن علیؑ کا مُدعا ہو کر رہی
دشمنوں کی فوج کو پانی پلایا آپ نے
یہ شرافت ورثۂ آلِ عبا ہو کر رہی
گو بظاہر اہلِ باطل کربلا میں چھا گئے
بات پھر بھی حق پرستوں کی سوا ہو کر رہی
چھپ نہیں سکتی گھٹاؤں میں ضیائے آفتاب
جو صداقت تھی وہ عالم آشنا ہو کر رہی
سرمۂ اہلِ نظر ہے خاک ارض کربلا
کیمیا ہونا تھا اُس کو کیمیا ہو کر رہی
مغفرت ممکن ہے طالب دل سے توبہ کیجئے
زندگی کیا تھی جناب حرؑ کی کیا ہو کر رہی

جناب ششی چندر طالب

ایک روحانی طالب علم۔

تجلّی

جب انسان ہزاروں پردوں کے پیچھے پوشیدہ تجلّی الٰہی کی ایک جھلک کا دیدار کر لیتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اور جب واردات قلبی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ملیں تو جذبات کس طرح اپنا راستہ متعین کرتے ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر یقیناً آپ کو اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

ایک رُوح پرور رات جب کہ میں نے اُس پیکرِ حُسن و جمال کی تصویر دیکھی میری زندگی کی اہم یادگار بن کر رہ گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آسمان پر ہلکا سا اَبر چھایا ہوا تھا۔ اور چودھویں کا چاند اَبر کے باریک و خوشنما نقاب کے اندر سے اپنی ٹھنڈی شعاعیں کرۂ ارض کے اس حصہ پر ڈال رہا تھا جہاں ایک چھوٹی سی بستی میں ایک مختصر مکان کے اندر "راقم سطور" اس تصویر کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس تصویر کی عکاسی الفاظ سے ممکن نہیں۔ اس تصویر میں حُسن و جمال کی جو جھلک میں نے دیکھی اس پوری کائنات میں اس کا کوئی عکس نظر نہیں آیا۔ میں نے موسمِ بہار کی رعنائی کا بھی مشاہدہ کیا ہے اور خزاں کی ہیبت ناکیوں کا بھی نظارہ کیا ہے۔ میں نے گرمی کی گرم بازاری کی لذت بھی چکھی ہے اور محترم سردی کے انداز و ادا کا بھی رازدار رہا ہوں۔ میں نے پھولوں کی رنگ و بو کی محفلوں میں بھی بار پایا ہے اور نازک کلیوں کی دوشیزگی کا اچھوتا جمال بھی دیکھا ہے۔ میں آبشاروں کا ترنم بھی سُن چکا ہوں اور جوئباروں کے تکلم سے بھی آگاہ ہوں۔ میں نے کوہساروں کی عظمت کا سایہ بھی دیکھا ہے اور ریگستانوں و صحرا کی پُرخار وادیوں میں بھی رہ نوردی کی ہے۔ میں نے بلبلوں کے نغمے بھی سُنے ہیں اور نوحے بھی۔ میں نے رقصِ طاؤس بھی دیکھا ہے اور رقصِ بسمل بھی۔ میں نے پروانوں کی تڑپ بھی دیکھی ہے اور شمع کی جلن بھی۔ میں نے صبح کی کیف زا نیرنگیاں بھی دیکھی ہیں اور شام کی دل آویز شفق بھی۔ میں نے اُبھرتے ہوئے سورج کی دعوتِ جمال بھی قبول کی ہے اور ڈوبتے ہوئے خورشید پر بھی نظر ڈالی ہے۔ ماہِ نو کی عشوہ گری بھی آنکھوں سے دیکھی ہے اور ماہِ چہاردہم کا حُسنِ جہاں سوز بھی۔ میں نے نیلگوں فضا میں بکھرے ہوئے لاتعداد ستاروں کی چشمک زنی کا کرشمہ بھی دیکھا ہے۔ اور زمین کے بے پناہ ذرّوں کا حُسن بھی۔ میں نے دولت و ثروت کی لذیذ داستانیں بھی سُنی ہیں اور غربت و بے مائیگی کے

افسانے بھی۔ میں نے عشق کے تذکرے بھی دیکھے اور حُسن کی کافرگری بھی۔ مگر جو کیفیت اس تصویر کے حُسن و جمال میں دیکھی وہ کہیں بھی نہ پائی۔

میں نے فلسفہ کی بلند چوٹیوں پر چڑھ کر دیکھا، میں نے منطق کی طویل وادیوں کی سیر کی۔ میں نے علم الاشیاء کے ماہرین سے راہ و رسم پیدا کی۔ میں نے مذہب کے سکّہ بند پیشواؤں کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ میں نے خانقاہوں میں صوفیوں کے حلقوں میں شرکت کی۔ میں نے رندانِ لاابالی کے ساتھ میکدہ کی سیر کی۔ میں نغمہ پیرانِ حرم کی ہاؤ ہو سنی۔ میں نے مجذوبانِ حال و قال کے وجد کی کیفیات کا مشاہدہ کیا۔ میں نے الحاد و دہریت کے پرستاروں کے دلائل سنے، میں نے اشتراکیت کے مومنین و صادقین کے اعمال و کردار دیکھے۔ میں نے گویائی و تکلم کی جمال آرائیاں بھی دیکھیں اور سکوت و خموشی کی جمال گیریاں بھی۔ میں نے مُردوں کو بھی پڑھا اور عورتوں کو بھی۔ مگر جو کچھ اس تصویر میں تھا، اسے کہیں نہ پا سکا۔ مجھے قیس عامری کے قلب و نظر بخشے گئے، اور پھر لیلیٰ میرے سامنے اپنے جمال کی تمام حشر خیزیوں کے ساتھ بے حجاب لائی گئی، مجھے فرہاد کے جذباتِ عشق دیئے گئے۔ اور ملکۂ ایران شیریں اپنے حُسنِ جہاں سوز کی تمام فتنہ آرائیوں کے ساتھ میرے سامنے لائی گئی۔ میں نے مرزا بن کر صاحباں کو بھی دیکھا اور مہینوال بن کر سوہنی کو بھی۔ میں نے رانجھا کا اضطراب بھی دیکھا اور ہیر کا التہاب بھی۔ میں نے وارث شاہ کی شاعری کا جادو بھی دیکھا اور غالب کا اعجازِ بیاں بھی۔ میں نے حافظ و خیام کے مدرسۂ فکر سے بھی استفادہ کیا اور امراؤ القیس سے بھی۔ مگر جو لطف اس تصویر کے نظارۂ جمال میں تھا کہیں نہ پایا۔

میں نے صاحبِ تصویر کے جمال کے دیدار کی خاطر زندگی کے صبح و شام بدل دیئے۔ آرام و آسائش اور رنج و غم کے معیار میں تبدیلی پیدا کر دی۔ زندگی کے نظریات میں تغیر آ گیا۔ اعمال و افعال بدل گئے۔ دوستی و دشمنی کے زاویے بدل گئے۔ اغراض و مقاصد کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔ سوچنے اور سمجھنے کے انداز وہ نہ رہے جو اس تصویر کے دیکھنے سے پہلے تھے۔ مگر ابھی تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ صاحبِ تصویر کا دیدارِ جمال کب میرا مقدر بنے گا۔

میں نے اس کے لئے سارے جہاں سے تعلقات توڑ لئے۔ میں نے اس کی خاطر اپنوں کو چھوڑ دیا۔ میں نے اس کے لئے پھولوں کی سیج چھوڑ دی۔ میں نے اس کی خاطر خارزاروں کا سفر اور کانٹوں کے بستر قبول کر لئے۔ میں نے اس کی محبت میں دنیا کی تمام ایسی طاقتوں سے لڑائی مول لے لی جو اس کی راہ میں رکاوٹ کی دیواریں تعمیر کر رہی تھیں۔ میں نے خانقاہوں کے ریاکار صوفیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ میں نے واعظانِ مصلحت بین کے مواعظِ حسنہ کا سننا ترک کر دیا۔ میں نے رندانِ لاابالی کی بے کیف سرمستیوں میں شرکت سے توبہ کر لی۔ میں نے فرہاد و شیریں، قیس و لیلیٰ اور ہیر و رانجھا کے قصہ ہائے عشق پڑھنے اور سننے چھوڑ دیئے۔ میرے لئے حافظ و خیام اور میر و غالب کے کلام میں کوئی دلکشی نہیں رہی۔ مجھے اس فلسفہ سے نفرت ہو گئی جو اس صاحبِ تصویر کے جمال پر پردہ ڈال دے۔ جس کی تصویر میں نے پہلی بار دیکھی۔

آہ! میں نہیں سمجھتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اب ان سجدہ ہائے بندگی سے بھی نفرت ہو گئی ہے جو اس کے لئے اور

صرف اسی کے لئے نہ ہوں۔

مجھے متعدد گوشوں سے ترغیب دی گئی کہ تم ایک خیالِ تصویر کی محبت میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو برباد کر رہے ہو۔ یہ تصویرِ حُسن کا تذکرہ اب تمہاری زندگی کا ایک حصہ ہی نہیں، پوری زندگی بن چکا ہے۔ اس کا پیکر کہیں بھی وجود نہیں رکھتا۔ تمہیں فطرت نے وہ صلاحیتیں بخشی ہیں کہ اگر تم انہیں حصولِ دولت و ثروت اور عیش و نشاط کے لئے وقف کر دو تو تم اپنی زندگی اس طرح سنوار سکتے ہو کہ ایک جہاں تم پر رشک کرے۔ تم معاشی لحاظ سے فارغ البال اور سیاسی لحاظ سے مقتدر ہو سکتے ہو۔ اور آج کل ایسی صلاحیتوں والے انسان کے لئے نہ کسی لیلائے دولت و اقتدار کا حصول مشکل ہے اور نہ عیش و نشاط کی شیریں کا

وہ تصویر جو مذکورہ شب میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ اب دل و دماغ پر نقش کالحجر بن چکی ہے۔ اور جسم و رُوح کی ساری تمناؤں، آرزوؤں اور ارمانوں کا مرکز بن چکی ہے۔ اب اگر اس تصویر کے پیکر کے دیدار کے راستے میں رنج و غم آتے ہیں تو ان میں عیش و راحت کی لذت محسوس کرتا ہوں۔ اگر اس کی خاطر کانٹوں پر تڑپنا اور لوٹنا پڑتا ہے تو پھولوں کی سیج کا لطف ملتا ہے۔

وہ کیسی رُوح پرور رات تھی۔ جب کہ میں "مراقبہ" کی کیفیت میں مصروف تھا۔۔۔ اس عالمِ "استغراق" کی حالت میں۔۔۔ میں نے اس حسن و جمال کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ یہی جھلک میری زندگی کا سرمایہ بن کر رہ گئی ہے۔۔۔۔ مجھے خوب اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں اپنے "مُرشد کریم" عظیم رُوحانی

فرمایا رحمۃ اللعالمین نے

- اللہ غیرت والا ہے اور مومن بھی غیرت دار ہوتا ہے۔
- جب غصّہ آئے تو بیٹھ جاؤ۔
- اچھے خلق سے بڑھ کر حسب بڑھانے کی کوئی چیز نہیں۔
- طعنہ نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس جال میں پھنس جاؤ۔
- دیکھ کر گناہ نہ کرو پھر اللہ تم کو بھی گری کر دے گا۔
- سب سے اچھا وہ ہے جو قرض خوشی سے ادا کرے۔
- مُردوں کی بھلائیاں ہی بیان کرو۔ ان کے عیبوں سے زبان بند رکھو۔
- بدگمانی سے بچو کہ یہ بڑی ہی جھوٹی بات ہے۔
- اللہ نرم دل اور ہنس مکھ آدمی سے محبت کرتا ہے۔

اسکالر ــــ ــــ ــــ کی ہدایت کے مطابق "مراقبہ" کر رہا تھا۔۔۔ اس رات نیلے آسمان پر موتیوں کی مانند ستارے ٹمٹما رہے تھے، اور چاند روئی کے گالوں کی مانند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔۔۔ جب بادل چاند کو اپنی آغوش میں چھپا لیتے تھے تو وہ اپنی ٹھنڈی شعاعیں کُرۂ ارض کے اس حصہ پر ڈالنے لگتا تھا جہاں میں اس وقت صحن میں بیٹھا "مراقبہ" کر رہا تھا۔۔۔ میں صحن کے ایک ایسے گوشے میں بیٹھا تھا، جہاں میرے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ چاند کی کرنیں تمام صحن کو منور کئے ہوئے تھیں۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کرنوں نے رنگ بدلنا شروع کر دیا۔ اور وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ روشنیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔۔۔ یہ پورا صحن ایک عجیب قسم کے نُور سے منور تھا۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر ان روشنیوں نے حُسن و جمال کا رُوپ اختیار کر لیا جس نے میرے حواس کو منجمد کر دیا۔۔۔ اور میں اس پیکرِ حسن کو دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

کا نام سن کر ذہن کے اوپر ماورائی دنیا کا نقشہ ابھرنے لگتا ہے، فہم میں گہرائی پیدا ہونے لگتی ہے اور دل محبت سے معمور ہوجاتا ہے۔

عوامی قبولیت حاصل کرنے والی کتابیں روحانی علاج، روحانی نماز اور آوازِ دوست کے بعد

خواجہ صاحب کی ایک اور نئی کتاب

تجلّیات

پچانوے عنوانات پر مشتمل اس کتاب میں صاحبِ قرآن کی راہ نمائی میں قرآنی استدلال سے زندگی کے ہر شعبہ کی آبیاری کی گئی ہے۔

ہدیہ ۳۵/ روپے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸ پوسٹ بکس ۲۲۱۳

ریاض حیدر

ستاروں سے آگے۔۔

چاند انسانی قلب و ذہن کے لئے ابتدائے آفرینش سے ہی ایک خوشگوار — اور پُراسرار تاثر رکھتا ہے۔ مگر جیسے جیسے انسان ترقی کرتا گیا ویسے ویسے محض چاند ہی نہیں بلکہ دوسرے اجسام فلکی بھی اپنی روایتی رومانویت سے علیحدہ ہٹتے ہوئے انسان کے لیے ایک تحقیقی چیلنج بنتے گئے — خلاء اور اس میں موجود سیاروں سے متعلق یہ مضمون فلکیات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یقیناً اہم ترین مضمون ثابت ہوگا۔

3 مئی 1977ء کو امریکہ کے معروف اخبار "ڈیلی مرر" نے یہ کہانی شائع کی کہ صدر کارٹر بھی اڑن طشتریاں دیکھنے والوں میں شامل ہوچکے ہیں۔ انھوں نے دو تحریری بیانات بھیجے ہیں جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ انھوں نے جب وہ جارجیا کے گورنر تھے اڑن طشتری دیکھی تھی جو کہ روشنی سے منور تھی اور ٹھوس معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کا رنگ پہلے نیلا تھا جو بعد میں سرخ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ طشتری بہت فاصلے سے ہماری طرف آئی۔ ہوا میں کچھ دیر معلق رہی اور پھر تیزی سے دوسری سمت جاکر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

1966ء میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق صرف امریکہ میں پچاس لاکھ اشخاص کسی نہ کسی طور پر اڑن طشتریوں سے واسطہ پڑنے کے دعویدار تھے۔ ان میں بیشمار ائرفورس اور کمرشل ائرلائنوں کے پائلٹ بھی تھے۔ جیسی کہ فائر پائلٹ تھامس منٹل کی موت بھی ایک اڑن طشتری کا پیچھا کرتے وقت واقع ہوگئی تھی۔ تھامس صاحب اپنے ایف ۵۱ میں کنٹکی کے علاقے میں ایک اڑن طشتری کے پیچھے لگ گئے کہ دفعتاً ان کا جہاز ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔

چاند پر خلائی مخلوق

ناسا کی خلائی ٹیم کے ایک اہم رکن اوٹو بائینڈر کے مطابق اپالو گیارہ کے خلا بازوں اور زمینی کنٹرول مشن کے درمیان جو بات چیت ہوئی تھی، ناسا نے بڑی ہوشیاری سے اسے سنسر کردیا تھا اور دنیا کو جو بھی معلومات اس سلسلے میں فراہم کی گئیں اس میں قطعاً ڈائیلاگ کا ذکر نہیں تھا، جو بائینڈر کے مطابق زمینی کنٹرول اور خلا بازوں کے درمیان ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ایلڈرین اور آرمسٹرانگ چاند کی سطح پر اتر کر چہل قدمی کررہے تھے تو اچانک استعجاب کے عالم میں آرمسٹرانگ نے ایلڈرین کا بازو پکڑ لیا اور جوش سے پوچھا کہ وہ...... وہ...... کیا چیز تھی، میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی......" اس کے بعد مندرجہ ذیل گفتگو زمینی مشین سے ساتھ ہوئی۔

مشن کنٹرول: "کیا بات ہے...... کیا کوئی خرابی پیش آئی ہے جیسا۔"

مشن کنٹرول کالنگ اپالو۔ 11......"

اپالو۔ 11۔ یہ مخلوق بڑی۔ جسیم تھی سر......

او خدایا..... آپ اس پر یقین نہیں کریں گے..... میں تمہیں بتا رہا ہوں..... کہ گڑھے کے دوسری طرف دور دو قطار میں کھڑے ہیں۔ وہ جسیم مخلوق چاند پر موجود ہے اور ہمارا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔"

ناسا نے کبھی بھی اس گفتگو کو رسمی طور پر تسلیم نہیں کیا بہت سارے لوگوں نے جن کے پاس وی ایچ ایف ریسیورز تھے اس گفتگو کو سن لیا تھا اور وہ حیران تھے کہ آخر کس مصلحت کی بنا پر ناسا والوں نے اس پر دبیز پردہ ڈال دیا ہے۔

۲۵ جون ۱۹۷۷ء کو ڈاکٹر اونیل نے جو معروف سیاسی مبصر تھے بتایا کہ امریکہ اور روس کے بظاہر سرد تعلقات کے درمیان کوئی گہرا راز ہے جس میں وہ ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں اور اس اسرار سے ہم ناواقف ہیں۔

اڑن طشتریاں اور مخلوق

اڑن طشتریوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً بے شمار کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں مصنفین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے کہ اڑن طشتریاں کسی بہت ہی ترقی یافتہ مخلوق کی تکنیکی ترقی کا شاہکار ہیں جو دور کسی سیارے میں موجود ہے اور گاہے بگاہے زمین پر وارد ہوتی رہی ہے جس کا ذکر اکثر مذاہب میں کسی نہ کسی طور پر ملتا ہے بعض مصنفین کے خیال کے مطابق اڑن طشتریاں دراصل امریکہ اور روس کے خلائی جہاز ہیں، جن کو وہ بوجوہ دنیا کی نظروں میں لانا نہیں چاہتے۔ اس پر مختلف دلائل بھی دیئے جاتے ہیں۔ جب کہ ایک تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ انسان دراصل زمین پر پیدا ہی نہیں کیا گیا نہ اس کا نظریہ ڈاروِن کے مطابق ارتقا ہوا ہے۔ بلکہ اسے کسی ایک یا زیادہ خلائی سیاروں سے یہاں لایا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ کائنات کی وسعت کس قدر ہے۔ زندگی کیا ہے۔ اور اس بات کے کتنے امکانات ہیں کہ زمین کے علاوہ بھی انسان سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق دوسرے سیاروں میں موجود ہے۔ اور اگر ہے تو وہ کیوں ہم سے براہ راست رابطہ نہیں کر سکتی۔ بلیک ہولز کیا ہوتے ہیں۔ کائنات میں مختلف سیاروں کے درمیان کتنے طویل فاصلے ہیں اور انھیں کس طرح سر کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے ہم اپنے نظام شمسی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کرہ ارض جس کا حصہ ہے اور چاند جس کا ایک ذیلی سیارہ ہے جہاں انسانی قدم بھی پہنچ چکے ہیں۔ کیا نظام شمسی میں کسی جگہ زندگی کی موجودگی کا امکان ہے۔

چاند

چاند ایک ذیلی سیارہ ہے جس کا زمین سے فاصلہ سوا نوری سیکنڈ ہے یعنی اگر روشنی کی رفتار سے سفر کیا جائے تو چاند پر سوا سیکنڈ میں پہنچا جا سکتا ہے۔ میلوں میں یہ فاصلہ دو لاکھ سینتیس ہزار بنتا ہے۔ چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل ہے۔ اور یہ زمین سے قریب ترین سیارہ ہے۔

ہوا اور دیگر تمام گیسوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے سالمے تمام اطراف میں تیزی سے متحرک رہتے ہیں زمین کی کشش سے نکلنے کے لیے سات میل فی سیکنڈ کی رفتار لازمی ہے۔ یعنی اگر کوئی جسم سات میل فی سیکنڈ یا اس سے زیادہ رفتار سے سفر کرے تو وہ زمین کی کشش سے آزاد ہو جائے گا۔ لیکن ہوا کے سالمے اس رفتار سے متحرک نہیں رہتے۔ اس لیے ہوا زمین کی کشش سے باہر نہیں نکل سکتی اور زمین پر ہوا موجود ہے۔ اگر کسی وجہ سے درجۂ حرارت میں اضافہ ہو جائے تو ہوا کے سالموں کی رفتار میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہو جائے گا۔ اور زمین پر درجہ حرارت بہت زیادہ ہو جائے گا۔ کیونکہ سالموں کی رفتار سات میل فی سیکنڈ سے بڑھ جائے گی۔ ایک خاص درجہ حرارت پر ہلکے سالموں کی رفتار بھاری سالموں یا مالیکیولز سے زیادہ ہوگی۔ ہائیڈروجن اور ہیلیم ہلکی گیسیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرہ ہوائی میں ان کی نہ ہونے کے برابر ہے

چاند کی کمیت یا اس میں موجود مادے کی مقدار زمین کی نسبت اکیاسی گنا کم ہے اور سطح پر چاند کی کشش ثقل زمین کی کشش کا چھٹا حصہ ہے۔ اس حساب سے چاند کی کشش سے کسی جسم کے آزاد ہونے کے لیے صرف ۱٫۴۷ میل فی سیکنڈ کی رفتار درکار ہوگی۔ مزید یہ کہ چاند اپنے مرکز کے گرد بہت سست رفتاری سے حرکت کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے زیادہ تر سورج کی زد میں رہنے کے باعث چاند کا درجہ حرارت زمین کی نسبت زیادہ رہتا ہے۔ زیادہ درجہ حرارت پر ہوا کے سالموں کی رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کمزور کشش ثقل اور درجہ حرارت کی زیادتی کے باعث چاند پر ہوا کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اور جیسا کہ ہم زندگی کے بارے میں جانتے ہیں ہوا کے بغیر اس کا وجود نہیں ہو سکتا۔

پانی اگر کسی زمانے میں چاند پر موجود بھی رہا ہو تو ان حالات میں مدتوں پہلے بھاپ بن کر اڑ چکا ہوگا۔ زندگی کے لیے پانی اور ہوا کی موجودگی جیسا کہ ہمارے علم میں ضروری ہے۔ چونکہ یہ دونوں بنیادی ضروریات چاند پر موجود نہیں اس لیے زندگی کا وجود چاند پر نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی تصدیق ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء کو ہو گئی جب انسان پہلی بار چاند کی سطح پر اترا، اور وہاں سے چٹانوں کے جو نمونے زمین پر لائے گئے ان کے تجزیے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ چاند پر ہوا پانی یا زندگی کسی بھی صورت میں حتیٰ کہ جراثیم کی شکل میں بھی موجود نہیں ہے۔

اندرونی نظام شمسی

زمین کے علاوہ اندرونی نظام شمسی میں وینس، مرکری اور مریخ موجود ہیں۔ گیسوں کے حرکی قانون کے مطابق کسی بھی ایسے سیارے پر زندگی کا وجود نہیں ہو سکتا جو چاند سے بھی چھوٹا ہو۔ وینس زمین کی نسبت سورج سے زیادہ قریب ہے۔ مرکری سب سے چھوٹا ہے لیکن چاند سے بہر حال ۴٫۴ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۳۰۳۰ میل ہے جو کہ چاند کے قطر سے ۱٫۴ گنا زیادہ ہے مرکری کی سطح پر کشش ثقل بھی چاند کی نسبت ۲٫۳ گنا زیادہ ہے۔ ان حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مرکری پر تھوڑی بہت ہوا موجود ہو۔

نہیں..... مرکری چونکہ سورج کا نزدیک ترین سیارہ ہے اس لیے اگر اس پر کبھی ہوا موجود بھی رہی ہو تو وہ درجہ حرارت کی زیادتی کے باعث مرکری سے آزاد ہو چکی ہوگی۔ ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۵ء میں میرینر۔ ۱۰ تین دفعہ مرکری کی سطح کے قریب سے گزرا۔ تیسری دفعہ یہ راکٹ پروب مرکری سے صرف ۲۰۳ میل کے فاصلے پر سے گزرا۔ مرکری کی تفصیلی تصاویر اتاری گئیں جن سے پتہ چلا کہ مرکری کی سطح بھی چاند کی طرح گڑھوں سے بھری ہوئی ہے اور اس پر ہوا یا پانی کسی شکل میں بھی موجود نہیں ہے۔ اور بغیر کسی شک و شبہ کے مرکری ایک مُردہ سیارہ ہے جس پر زندگی موجود نہیں۔

وینس

وینس کا قطر ۷۵۲۰ میل ہے جب کہ زمین کا قطر ۷۹۲۰ میل ہے۔ وینس کا وزن بھی زمین کے قریب قریب یعنی اس کا ۰٫۸۵ اور اس کی کشش ثقل زمین کی کشش کا ۰٫۹۰ واں حصہ ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق بظاہر وینس پر ہوا اور پانی کی موجودگی کے امکانات روشن نظر آتے ہیں۔ حقیقتاً وینس پر فضا موجود ہے۔ بدقسمتی سے وینس پر بادلوں کا جمگھٹا ہمیشہ موجود رہتا ہے اور بہترین دوربینوں سے بھی اس کی سطح کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکا تھا۔ وینس پر موجود جنگلات کے بارے میں کئی خیالی کہانیاں ناول تحریر کیے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دوربینوں کے علاوہ بھی دیگر ذرائع سائنس دانوں کو میسر آ گئے۔ جن کی مدد سے سیاروں کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ مثلاً ماورویوز جن کو زمین سے خلا میں بھیجا جا سکتا تھا اور ان کے خلائی اجسام سے انعکاس

کے بعد جو تبدیلیاں آتی ہیں ان کے تجزیہ سے ان کی سطح کے بارے میں بہت سی معلومات مہیا ہوگئیں جو کہ دوربینوں سے مشاہدہ میں نہیں آسکتی تھیں۔ ریڈار ویوز کے انعکاس کے مطالعہ سے وینس پر پانی کی موجودگی ثابت نہ ہوسکی۔

14 دسمبر 1962ء کو امریکہ کا بھیجا ہوا خلائی جہاز میرینر۔2 وینس کے قریب سے گزرا۔ 12 جون 1967ء کو روس کا خلائی جہاز وینیرا۔4 وینس کے قریب سے گزرا جو تفصیلات ان خلائی جہازوں سے موصول ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ وینس پر پانی کا کوئی وجود نہیں البتہ فضا ضرور ہے اور وہ پچانوے فیصدی کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہے۔ سولہ اور سترہ مئی 1969ء کو وینیرا۔5 اور 6 وینس کی سطح پر لینڈ کر گئے۔ ان سے معلومات حاصل ہوئیں۔ ان سے بغیر کسی شک و شبہ کے یہ ثابت ہوگیا کہ وینس پر حیاتی وجود نہیں ہے۔

ہم 1923ء سے دوسرے ذرائع سے یہ بات جانتے ہیں کہ وینس کی فضا میں زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائیڈ (95) فیصد موجود ہے کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں زمین پر بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ کی بہتات تھی یعنی زمین کی ابتدائی فضا تقریباً وینس کی موجودہ فضا سے مشابہت رکھتی تھی۔ فوٹو سنتھسس کے عمل کے باعث نباتات سورج کی توانائی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے مالیکیولز کے پانی سے ملاپ کے نتیجے میں شوگر سٹارچ سیلولوز روغنی ترشے پروٹین وغیرہ بنتے رہتے ہیں۔ اس عمل میں آکسیجن بھی بنتی ہے۔ یعنی کاربن ڈائی آکسائیڈ نباتات کے اجزا بنانے میں استعمال ہوتی ہے۔ اور اس کے بدلے میں نباتات آکسیجن فضا میں مہیا کردیتے ہیں۔ لیکن وینس کی فضا میں آکسیجن یہ ثابت کرتی ہے کہ وہاں فوٹو سنتھسس نہیں ہو رہا۔ اور نباتات کا وجود نہیں ہے۔

لیکن ہم یہ تمام دلائل اس بنیاد پر دے رہے ہیں کہ زندگی کی ابتدا اور بقا کے لیے ہم نے زمینی فضا کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کیا ہوا ہے۔ کیا کسی دوسرے کرّے میں جہاں زمین جیسے حالات نہ ہوں زندگی کا وجود نہیں ہوسکتا۔ کیا کاربن، آکسیجن، پانی کے بغیر حیات نمو پا ہی نہیں سکتی۔ کیا مادی جسم کے بغیر ذہن کا اور ذہانت کا وجود ناممکنات میں سے ہے۔ ان سوالوں کا جواب ہم آئندہ کسی مضمون میں ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔ بردست یہی کہنا مناسب ہوگا کہ جیسا کہ ہم زندگی کے بارے میں جانتے ہیں اس کی موجودگی وینس پر ثابت نہیں ہوسکی اور ایک بالائی غلاف کی موجودگی کے باوجود وینس بھی ایک مُردہ سیارہ ہے۔

مریخ اور اس کی نہریں

افسانہ نویسوں، ناول نگاروں اور ابتدائی ہیئت دانوں نے جتنی بے سروپا کہانیاں مریخ کے بارے میں تحریر کی تھیں اتنی کسی اور سیارے کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ لیکن اس کی وجوہات بہرحال موجود تھیں۔ 1830ء سے مریخ کے نقشے بنانے کی کوششیں شروع ہوگئی تھیں۔ مریخ جو کہ زمین سے کئی ملین کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے اس کا مشاہدہ دوربینوں سے اور وہ بھی ابتدائی دوربینوں سے کرنے کے بعد اس کے جو نقشے مرتب کیے گئے وہ سب ایک دوسرے سے مختلف تھے 1877ء میں ہیئت دانوں کو ایک سنہری موقع میسر آگیا جب کہ مریخ سیارے کا فاصلہ زمین سے اتنا کم ہوگیا کہ اتنا کبھی نہیں ہوا تھا۔ نتیجتاً تمام لوگ جو اس میں دلچسپی رکھتے تھے دوربین اٹھائے مریخ کے مشاہدے میں مصروف رہنے لگے۔ ایک اطالوی ہیئت دان سیپرالی کے پاس مقابلتاً اچھی دوربین تھی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ مریخ کی سطح پر کچھ اس طرح کے گہرے رنگ کے دھبے نظر آتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں جنگل اُگے ہوئے ہیں اور اگلے سو سال تک مریخ کے جنگلات لوگوں کے ذہنوں پر سوار رہے۔ اسی دوران گیسوں کا حرکی نظریہ وجود میں آچکا تھا۔ اس کے مطابق مریخ

جیسے چھوٹے سیارے میں ہوا کا موجود ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ 1877ء میں شیپرالی نے رپورٹ کیا کہ مریخ پر پتلی پتلی لکیریں بھی نظر آتی ہیں جنھیں مصنوعی طور پر بنائی گئی نہریں سمجھ لیا گیا بس پھر کیا تھا ایک کے بعد ایک ناول مارکیٹ میں آنے لگا جس میں مریخی مخلوق کے سائنسی کارنامے دکھائے ہوتے تھے۔ یہ سمجھ لیا گیا کہ مریخ پر بسنے والی مخلوق ذہانت اور سائنسی ترقی میں ہم انسانوں سے بہت ترقی یافتہ ہے 1897ء میں جی ایچ ویلز نے ایک ناول "وار آف دی ورلڈز" لکھا جو کہ زمین پر مریخی مخلوق کی آمد اور دونوں کے درمیان ہونے والی لڑائی کی داستان تھی۔ چالیس سال بعد 30 اکتوبر 1938ء کو ریڈیو سے "وار آف دی ورلڈز" کی ڈرامائی تشکیل نشر کی گئی۔ یہ حقیقت سے اتنی قریب تھی کہ جن لوگوں نے ڈرامے کی ابتدا نہیں سنی تھی جب درمیان میں انھوں نے سنا کہ مریخی مخلوق نیوجرسی میں اتر آئی ہے تو لوگ گھبرا کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ سینکڑوں لوگ اپنی گاڑیوں میں اور جنھیں کوئی گاڑی میسر نہ آسکی وہ بدحواس ہوکر ممکنہ مریخی مخلوق کے حملے سے بچنے کے لیے اپنی جانیں بچانے کے لیے جدھر سر سمایا بھاگنے لگے۔ کئی حادثات ہوئے اور بے شمار لوگ اس افراتفری میں زخمی ہوگئے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہم کتنی جلدی اس بات کو قبول کرلیتے ہیں کہ کائنات میں ہم تنہا نہیں ہیں۔

مریخ اور مصنوعی پروبز

سورج سے دوری کے باعث مریخ پر درجہ حرارت منفی سو ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ اگر مریخ پر پانی ہو بھی تو وہ جمی ہوئی برف کی صورت میں ہوگا۔ 1960ء کی دہائی میں مریخ کے پاس سے گزرنے والے مصنوعی سیارے زمین سے روانہ کیے گئے۔ میرینر۔4 سے جو 28 نومبر 1964ء میں بھیجا گیا تھا اس سے حاصل ہونے والی تصاویر سے پتہ چلا کہ مریخ پر کوئی نہریں موجود نہیں ہیں بلکہ اس کی

سطح پر چاند کی طرح کے گڑھے موجود ہیں۔ مریخ پر ایک بے
لطیف ہوائی کرہ بھی پایا گیا جو ہماری ہوا سے جس میں ز
پر ہم سانس لیتے ہیں سو گنا زیادہ لطیف ثابت ہوا
دوسرا دھچکا تھا جو مریخی مخلوق کی موجودگی والے نظریے کو
1969ء میں میرینر۔6 اور 7 مریخ کی طرف ارسال
گئے ان دونوں میں زیادہ بہتر کیمرے اور ترقی یافتہ سائ
آلات موجود تھے۔ ان سے حاصل ہونے والی تصاویر بہت صا
اور واضح تھیں۔ اور مریخ پر کسی قسم کی نہریں دکھائی
سکیں۔ البتہ گڑھے زیادہ واضح نظر آگئے۔ 13 نومبر 71
کو میرینر۔9 کو مریخ مدار میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت مر
ایک طوفان کی زد میں تھا۔ تاہم میرینر۔9 طوفان کے تھمنے
منتظر رہا۔ دسمبر 1971ء میں جب طوفان تھما تو میرینر۔9
کیمروں نے کام شروع کردیا اور تمام سیارے کی سطح کی تص
تصاویر حاصل کرلی گئیں۔ اور مریخ پر نباتات کی کوئی
دریافت نہ ہوسکی بلکہ مریخ ایک لق و دق صحرا ثابت
1975ء میں وائی کنگ اول اور وائی کنگ دوم مریخ
پر جا اترے۔ تمام تجربات جو زندگی کی جراثیمی سطح پر بھی
کے لیے کیے گئے منفی ثابت ہوئے۔ مریخ پر موجود مٹی
تجزیہ سے پتہ چلا کہ وہ زمین ہی کی طرح کی ہے۔ سوائے
کے کہ اس میں آئرن زیادہ اور ایلومینیم کم ہے اور اس
بھی قسم کے نامیاتی مرکبات نہ دریافت ہوسکے۔ کار
نامیاتی مرکبات چونکہ اس حیاتیاتی ماڈل کے مطابق
زمین پر ہے زندگی کے وجود کے لیے ضروری ہیں۔ اس
مریخ پر نہ نباتاتی اور نہ ہی حیوانی زندگی حتیٰ کہ جراثیم کا
بھی ثابت نہ ہوسکا۔

بیرونی نظام شمسی

بیرونی نظام شمسی میں جیوپیٹر، سیٹرن، یو
اور نیپچون بڑے سیارے ہیں۔ اگرچہ ان کے اپنے
سیارے یا چاند بھی موجود ہیں اور بعض پر نامیاتی

ستوابدار بھی ملتے ہیں تاہم ان کا حجم محدود ہونے کے باعث
ت خارج از امکان ہے کہ ترقی یافتہ حیات ان پر موجود
سکتی ہے۔ اس لیے ہم اپنی بحث کو نظامِ شمسی کے بڑے
یاروں تک محدود رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارا سائنسی
م اگرچہ اتنا نہیں ہے جتنا اندرونی نظامِ شمسی کے ممبران
بارے میں ہے، لیکن پھر بھی اپنی معلومات کی بنا پر جو موجود
ہیں یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ ان سیاروں میں سائنسی
پر ترقی یافتہ زندگی کا وجود ممکن ہے یا نہیں؟

جیوپیٹر

یہ ہمارے نظامِ شمسی میں سب سے بڑا سیارہ ہے
س کا قطر 89,000 میل یعنی زمین سے 11.2 گنا زیادہ ہے
ین بیرونی نظامِ شمسی کا سب سے چھوٹا سیارہ ہے۔
کا قطر 30,800 میل ہے۔ اور زمین سے تقریباً 3.9
یادہ ہے۔ حجم کے لحاظ سے جیوپیٹر 1415 اور نیپچون 58
ں کے برابر ہے۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ نظامِ
ی کے بیرونی ممبران کی کثافت اضافی بہت کم ہے۔ عام
ن میں پانی سے جو چیز جتنے گنا زیادہ بھاری ہوگی اسے ہم
ی کثافت اضافی کہیں گے۔ ان سیاروں میں سب سے
ہ کثافت اضافی نیپچون کی ہے جو کہ 1.67 ہے جب کہ
ی زمین کی اوسط کثافت اضافی 5.5 ہے یعنی ایک
مکعب زمین کا وزن ایک میٹر مکعب پانی سے 5.5 گنا
دہ ہے۔ سیٹرن کی کثافت اضافی صرف 0.71 ہے یعنی اگر
کو کسی بہت بڑے سمندر میں رکھ دیں تو وہ اس کے
پر تیرتا رہے گا۔ اس حساب سے ان سیاروں میں موجود
ے کی مقدار اس سے بہت کم ہے جو کہ ان کے حجم کو نظر
بادی النظر میں نظر آتی ہے۔ اسی حساب سے جیوپیٹر
م کے لحاظ سے زمین سے 1415 گنا بڑا ہے وزن کے
ظ زمین سے صرف 318 گنا بڑا ہے۔ ان اعداد و شمار سے
ت ثابت ہوتی ہیں کہ بیرونی نظامِ شمسی کے ممبران کی

خصوصیات زمین سے قطعی مختلف ہیں۔

3 دسمبر 1973ء کو پائنیر-10 جو کہ دو مارچ 1972ء کو
فائر کیا گیا تھا جیوپیٹر کی سطح سے صرف 81,000 میل کے فاصلے
سے گزرا۔ چار روز تک پائنیر-10 نے درجہ حرارت، مقناطیسی
شعاعوں اور ذرات کی پیمائش کی۔ اس نے سورج کی اس روشنی
کا بھی تجزیہ کیا جو جیوپیٹر کی فضا سے گزر رہی تھی۔ پائنیر-11
2 دسمبر 1974ء کو جیوپیٹر کی سطح سے صرف 26,000 میل کے
فاصلے سے گزرا۔ اور اس میں موجود سائنسی آلات نے ہر طرح
کے تجربات کیے۔ پائنیر-11 جیوپیٹر کے شمالی قطب کے اوپر
سے بھی گزرا یہ حصہ زمین سے کسی طرح نہیں دیکھا جا سکتا۔
ان دونوں مصنوعی سیاروں یا پروبز سے قیمتی معلومات حاصل
ہوئیں جن کے مطابق جیوپیٹر زیادہ تر ہائیڈروجن پر مشتمل ہے
جس میں معمولی مقدار میں ہیلیم بھی موجود ہے۔

زندگی کی موجودگی کے بنیادی اجزاء جیسا کہ ہم جانتے
ہیں پانی، امونیا، میتھین کی صورت میں (سوائے آکسیجن کے)
جیوپیٹر پر موجود ہیں۔ غالباً جیوپیٹر پر موجود پانی کے بخارات زمین
پر موجود مجموعی پانی سے مقدار میں کافی زیادہ ہیں لیکن افسوس
جیوپیٹر کا درجہ حرارت ایسا نہیں ہے کہ ہم یہ فرض کر سکیں کہ
آکسیجن کی عدم موجودگی میں بھی جراثیمی یا نباتی ہیئت میں حیات
کی موجودگی کے امکانات پائے جا سکتے ہیں۔ جیوپیٹر کے علاوہ
نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں کے بارے میں بھی یہ یقینی طور
کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام دلائل اور مشاہدات کو مدِنظر رکھتے
ہوئے جیوپیٹر کے سلسلے میں دیئے گئے ہیں کسی میں بھی زندگی کا
وجود ترقی یافتہ شکل میں ممکن نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ ان
سیاروں پر ابتدائی شکل میں زندگی موجود ہو۔ لیکن یہ ناممکنات
میں سے ہے کہ انسان سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق ان میں سے
کسی ایک میں آباد رہ سکتی ہے جو اُڑن طشتریوں، خلائی جہازوں
پر سوار ہو کر وقتاً فوقتاً زمین پر آتی رہتی ہے۔

مرثیہ نگار خاتون

پروفیسر سلیم الرحمٰن

شاعری خواہ کسی بھی زبان کی ہو ارباب علم و دانش کی نظر میں ہمیشہ لائق تحسین ٹھہری ہے۔ پھر عربی شاعری تو اپنے فنی محاسن اور بلاغت کے لیے ایک ضرب المثل ہے۔ قدیم عربی شاعری میں حضرت خنساءؓ ایک ایسا نام ہے جنھوں نے اپنی مرثیہ گوئی سے دیگر اہل علم کے ساتھ ساتھ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے داد پائی۔ اور یہی اس شاعرہ کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

جب ہم عربی زبان و ادب کے ارتقاء پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو اس ادب کی کچھ منفرد خصوصیات دیکھ کر قدرے تعجب محسوس ہوتا ہے۔ اول یہ کہ عربی ادب کے آغاز کا سراغ ہی نہیں تاریخی و تحقیقی طور پر اس زمانے سے ملتا ہے جب یہ زبان عملی سطح پر بڑے ہی بلند مقام پر موجود تھی دوسرے یہ کہ عرب کے وہ شعراء جنکو محققین عربی ادب کے ابتدائی شعراء قرار دیتے ہیں ان کے کلام میں ایک ایسی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے جو آج بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود عربی زبان میں قدامت اور عدم ابلاغ کا شائبہ تک نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے کہ ابن خلدون فنی اعتبار سے عہد جاہلیت کے شعراء پر عہد اسلامی کے شعراء کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

مسلم نثاروں کا فن نثر و نظم میں کلام جاہلیت سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ حضرت حسان، عمر بن ربیعہ حطیہ، جریر، فرزدق، ذوالرمہ، احوص اور بشار وغیرہ کا کلام بلاغت اور شعریت کے اعتبار سے عنترہ، علقمہ، زہیر، عمرو بن کلثوم اور طرفہ سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

آپ نے علامہ ابن خلدون کا تبصرہ ملاحظہ فرمایا میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ اس تبصرے میں ابن خلدون نے قدرے تعصب سے کام لیا ہے کیوں کہ عہد جاہلیت میں بعض شعراء اپنے کلام میں ایسی فنی اور لسانی بلندیوں پر نظر آتے ہیں کہ جنکی نظیر عہد اسلام میں بھی کم کم ہی نظر آتی ہے مثلاً نابغہ ذبیانی اور عمرو بن کلثوم پھر علامہ خلدون نے کلام جاہلیت کے حوالے سے جن شعراء کا نام لیا ہے ان میں سے کچھ جاہلیت اور ظہور اسلام کی درمیانی کڑی کے طور پر تاریخ عربی ادب میں شامل ہیں ان ہی میں ہماری زیرِ موضوع شاعرہ خنساء بھی شمار ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے کہ خنساء اور انکی شاعری سے متعلق کچھ لکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی ادب کے (خصوصاً شعری حوالے سے) آغاز وارتقاء پر ایک اجمالی نگاہ ڈالی جائے۔

عربی ادب کے مورخین اس ادب کے ارتقاء

ر کرتے ہوئے اس کو عموماً پانچ ادوار میں تقسیم
تے ہیں یعنی

1 --- دورِ جاہلیت
2 --- ظہورِ اسلام اور بنوامیہ کا دور
3 --- دورِ عباسی
4 --- ترکی دور
5 --- دورِ جدید

عہد جاہلیت کو عربی شعر و ادب میں اہم ترین
یت حاصل ہے کیوں کہ اس عہد میں عرب کے چند
شعراء نے اپنے فکر و فن کے ایسے جوہر دکھائے کہ
با پر عربی زبان و ادب کو بجا طور پر فخر ہے اسی میں
ین الشعراء امراؤ القیس نے اپنی بے مثل شاعری کی
اپنے معلقات سے اپنی زبان دانی، لسانی ادراک،
غت اور زورِ بیان کا لوہا منوایا اسی دور میں نابغہ
نی جیسے عالم اجل اور شاعر غرا نے اپنے فن کا لوہا
ہوایا۔

مورخین و محققین عہد جاہلیت کو زمانی اعتبار سے
تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر حصے کو
ے دو طبقہ کا نام دیتے ہیں عربی شاعری کا اولین دور
ت نود پونے دو صدیوں پر محیط ہے اسلئے اس طویل
ر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا۔
(۱)--- جاہلی شعراء (۲)--- مخضرم شعراء --- (۳)
اسلامی شعراء (یہ زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اس
ی زیادہ تر عہد امیہ کے شعراء ہیں) عہد جاہلیت کے
سرے طبقے کے شعراء وہ ہیں جنہوں نے اپنی شاعری
یہ سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں
یت و مقبولیت پائی۔ جاہلیت اور ظہورِ اسلام دونوں
ر میں بہترین شاعری کرنے والے ان چار شعراء کا
قابل قدر اور جانا پہچانا ہے۔
ا۔ کعب بن زہیر ۲۔ خنساء ۳۔ حسان بن ثابت ۴۔
--- ان چاروں شعراء کو مخضرم (دونوں زمانوں کے
نے والا) شعراء کہا جاتا ہے تاریخی اعتبار سے یعنی کرونالوجی
حوالے سے ان کے فوراً بعد خالص اسلامی شعراء
کے نام آتے ہیں۔

عہد جاہلیت کے مخضرم شعراء میں ایک منفرد اور
ممتاز ترین شخصیت خنساء کی ہے جو اپنی شاعری میں
پائے جانے والے سوز و گداز، رنج و الم اور جذبات
نگاری کے باعث اپنے زمانے کے چوٹی کے شعراء میں
شمار ہوتی ہیں۔ خنساء نے عربی ادب کو بے بدل مراثی
دیئے ایسی درد انگیزی کی مثال نہ تو خنساء کے معاصرین
میں ملتی ہے اور نہ ہی ان سے قبل کے شعراء میں نظر
آتی ہے اور نہ ہی آنے والے زمانے میں کسی شاعر
نے ایسے رقت انگیز مرثیے لکھے ہیں۔ ان مرثیوں کا ایک
منفرد اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ خالصتاً شخصی مرثیے
ہیں۔

خنساء فی الحقیقت مخضرم شعراء میں شمار ہوتی ہیں
مخضرم عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور صیغے کے اعتبار سے
صفت ہے جس سے مراد ایسا شخص ہے جس نے
جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے دیکھے ہوں خنساء عربی
زبان و ادب کی وہ خوش بخت ترین شاعرہ ہیں کہ جن کے
موثر اور درد انگیز کلام کو جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ و سلم کی بے مثل اور اعلیٰ سماعت نصیب ہوئی۔ ان
کا دیوان بہت عرصہ پہلے شعراء الخنساء کے نام سے
منصۂ شہود پر آچکا ہے۔

خنساء کے ذاتی حالات و ازدواجی زندگی سے متعلق
تاریخ ادب میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں زیادہ تر
ان کے دردناک مرثیوں اور ان کے پس منظر ہی کا ذکر
ملتا ہے۔ یہ بلند پایہ مرثیہ گو اپنے اصلی نام تماضر بنت
عمرو بن الشرید سلمیہ کی بجائے اپنے لقب خنساء سے
زیادہ مشہور ہوئیں۔ ان کا آبائی وطن مضر کا قبیلہ بنو
سلیم تھا عمرو بن الشرید اسی معروف قبیلے کا سردار تھا
خنساء کی زندگی میں آنے والے بے انتہا غم و الم اور اس
کے ردِ عمل کے طور پر کئے جانے والے گریہ و بکا سے
متعلق تاریخ ادب میں طرح طرح کے واقعات اور
حیران کن پہلو ملتے ہیں۔ خنساء خوبصورتی اور ادب شناسی
میں اپنی مثال آپ تھیں۔ خنساء کی تاریخ پیدائش کا ذکر

بھی کسی تاریخ ادب عربی میں نہیں ملتا البتہ ان کے
قبول اسلام اور وفات کے سنین میں کوئی اختلاف
نہیں پایا جاتا۔ تاریخ پیدائش کی عدم واقفیت کی بناء پر
ہم اس عظیم اور جید شاعرہ کی عمر کا صحیح تعین نہیں کر
سکتے۔ لیکن ان کے آخری دور کے حلئے اور قیافے سے بڑا
واضح پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خاصی عمر پائی۔ ان کی
پیری، ضعیفی، خستہ حالی اور کبر سنی کا ذکر میں آئندہ
سطور میں قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس
وقت خنساء کا ایک اجمالی تعارف معروف عربی دان اور
محقق جناب محمد کاظم کی زبانی ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو بھی
اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ آپ نے بلا کر
فہمائش کی کہ "جو کچھ تم کرتی ہو اسلام میں معیوب چیز
ہے۔ اس دنیا میں اگر کوئی انسانی ہستی ہمیشہ رہنے کے
لائق تھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات تھی جب
وہ ہی نہ رہے تو پھر کسی کی موت کا اتنا کیا غم۔ اس
نے جواب دیا۔ "پہلے میں اس کے بدلے کیلئے روتی
تھی اب اس کے لئے دوزخ کی آگ کو دیکھ کر روتی ہوں
پھر جب اس نے اپنے مرثیے کے کچھ اشعار پڑھ کر
سنائے تو حضرت عمرؓ کا سا سخت دل بھی گداز ہو گیا کہنے
لگے۔ "خنساء، تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ ہر شخص کو اپنا
غم رونے کی آزادی ہے۔۔

یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ خنساء
نے دور جاہلیت میں بھی شاہکار مرثیے تخلیق کئے اور
ظہورِ اسلام کے بعد بھی ان کی شاعری میں جذبات والم
پرستی کے عناصر اپنے عروج پر رہے۔ یہاں تک بھی
روایات ملتی ہیں کہ عہد نبوی میں نوحہ اور بین کو ممنوع
قرار دینے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے
حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ کو ماتمی لباس پہننے اور
جاہلی عہد کے سے اسلوب میں مرثیہ کہنے کی خصوصی
اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ عہد جاہلیت میں بھی
خنساء نے اپنی نغزگوئی اور انتہائی معیاری شاعری کا
اعتراف کروایا اور فنی عظمت کا لوہا بڑے بڑے جغادری
شعراء سے منوایا اور ظہورِ اسلام کے بعد بھی بہت سے
علماء، صحابہ اور امہات المومنین سے اپنے دلگداز
مرثیوں کی داد لی۔ ایک روایت کے مطابق خنساء کی

شاعری ظہورِ اسلام سے چند سال قبل ہی جناب
رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم اور صحابہ کرام تک
پہنچ چکی تھی اس کے مقابلے میں دوسری روایت یہ
بیان کی جاتی ہے کہ جب ۸ ھ میں خنساء مشرف بہ
اسلام ہوئیں تو اس کے بعد اُن کے ۔۔۔ مرثیوں
کے اشعار سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم
بہت متاثر ہونے اور مزید اشعار سننے کی خواہش کا اظہار
فرمایا۔ اور حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے
مرثیوں کو مکرر سنا۔ جب حضرت خنساء اپنے انتہائی درد
بھرے اشعار رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو سناتیں
تو حضور فرماتے "ہاں تو اے خنساء آگے کہو۔ کئی مرتبہ
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم نے شوق
سماعت میں حضرت خنساء کو یہ بھی کہا "اے خنساء اور
سناؤ اور سناؤ، مکرر کہو اے خنساء آگے کیا ہے اے
خنساء، کہو اے خنساء! اور کہو۔

رسول مقبول حضرت خنساء کے درد انگیز اشعار
سن کر افسردہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت خنساء کے
مرثیوں کے اس فکری پہلو کے علاوہ شاعرہ کی زبان
دانی، لسانی ادراک اور فنی پہلوؤں کو بھی آنحضرت خوب
محسوس فرمایا کرتے تھے۔ ان واقعات اور تحسین و داد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے آپ حضرت خنساء کی
زبان دانی فنی عظمت اور فکر و فن کا خود اندازہ لگا سکتے
ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ و سلم عربی زبان کی بلاغت کے
سلسلے میں بذاتِ خود ایک اتھارٹی ایک سند کی حیثیت
رکھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ و سلم کی ابتدائی پرورش ایک ایسے قبیلے میں
ہوئی تھی جو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں
بے عدیل تھا۔ اسی قبیلے کی فصاحت و بلاغت اور اس

ـر کرتے ہوئے اس کو عموماً پانچ ادوار میں تقسیم ـتے ہیں یعنی

1 --- دور جاہلیت
2 --- ظہور اسلام اور بنو امیہ کا دور
3 --- دور عباسی
4 --- ترکی دور
5 --- دور جدید

عہد جاہلیت کو عربی شعر و ادب میں اہم ترین ـیت حاصل ہے کیوں کہ اس عہد میں عربی کے چند شعراء نے اپنے فکر و فن کے ایسے جوہر دکھائے کہ ـ پہ عربی زبان و ادب کو بجا طور پر فخر ہے اسی میں ـیس الشعراء امراؤالقیس نے اپنی بے مثل شاعری کی اپنے معلقات سے اپنی زبان دانی، لسانی ادراک، ـغت اور زور بیان کا لوہا منوایا اسی دور میں نابغہ ـنی جیسے عالم اجل اور شاعر غرا نے اپنے فن کا لوہا ـوایا۔

مورخین و محققین عہد جاہلیت کو زمانی اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر حصے کو ـے دو طبقہ کا نام دیتے ہیں عربی شاعری کا اولین دور ـت خود ہونے دو صدیوں پر محیط ہے اسلئے اس طویل ـر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا۔

(۱)--- جاہلی شعراء (۲)--- مخضرم شعراء --- (۳) اسلامی شعراء (یہ زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اس ـں زیادہ تر عہد امیہ کے شعراء ہیں) عہد جاہلیت کے ـسرے طبقے کے شعراء وہ ہیں جنہوں نے اپنی شاعری ـیہ سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں ـت و مقبولیت پائی۔ جاہلیت اور ظہور اسلام دونوں ـر میں بہترین شاعری کرنے والے ان چار شعراء کا قابل قدر اور جانا پہچانا ہے۔

۱۔ کعب بن زہیر ۲۔ خنساء ۳۔ حسان بن ثابت ۴۔

---ان چاروں شعراء کو مخضرم (دونوں زمانوں کے ـو شعراء کہا جاتا ہے تاریخی اعتبار سے یعنی کرونالوجی حوالے سے ان کے فوراً بعد خالص اسلامی شعراء کے نام نامی آتے ہیں۔

عہد جاہلیت کے مخضرم شعراء میں ایک منفرد اور ممتاز ترین شخصیت خنساء کی ہے جو اپنی شاعری میں پائے جانے والے سوز و گداز، رنج و الم اور جذبات نگاری کے باعث اپنے زمانے کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتی ہیں۔ خنساء نے عربی ادب کو بے بدل مراثی دیئے ایسی درد انگیزی کی مثال نہ تو خنساء کے معاصرین میں ملتی ہے اور نہ ہی ان سے قبل کے شعراء میں نظر آتی ہے اور نہ ہی آنے والے زمانے میں کسی شاعر نے ایسے رقت انگیز مرثیے لکھے ہیں۔ ان مرثیوں کا ایک منفرد اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ خالصتاً شخصی مرثیے ہیں۔

خنساء فی الحقیقت مخضرم شعراء میں شمار ہوتی ہیں مخضرم عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور صیغے کے اعتبار سے صفت ہے جس سے مراد ایسا شخص ہے جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے دیکھے ہوں خنساء عربی زبان و ادب کی وہ خوش بخت ترین شاعرہ ہیں کہ جن کے موثر اور درد انگیز کلام کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل اور اعلیٰ سماعت نصیب ہوئی۔ ان کا دیوان بہت عرصہ پہلے شعراء الخنساء کے نام سے منصۂ شہود پر آ چکا ہے۔

خنساء کے ذاتی حالات و ازدواجی زندگی سے متعلق تاریخ ادب میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں زیادہ تر ان کے دردناک مرثیوں اور ان کے پس منظر ہی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بلند پایہ مرثیہ گو اپنے اصلی نام تماضر بنت عمرو بن الشرید سلمیہ کی بجائے اپنے لقب خنساء سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ ان کا آبائی وطن مضر کا قبیلہ بنو سلیم تھا عمرو بن الشرید اسی معروف قبیلے کا سردار تھا خنساء کی زندگی میں آنے والے بے انتہا غم و الم اور اس کے ردعمل کے طور پر کئے جانے والے گریہ و بکا سے متعلق تاریخ ادب میں طرح طرح کے واقعات اور حیران کن پہلو ملتے ہیں۔ خنساء خوبصورتی اور ادب شناسی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ خنساء کی تاریخ پیدائش کا ذکر

بھی کسی تاریخ ادب عربی میں نہیں ملتا البتہ ان کے قبول اسلام اور وفات کے سنین میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ تاریخ پیدائش کی عدم واقفیت کی بناء پر ہم اس عظیم اور جید شاعرہ کی عمر کا صحیح تعین نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کے آخری دور کے حلیے اور قیافے سے بڑا واضح پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خاصی عمر پائی۔ ان کی پیری، ضعیفی، خستہ حالی اور کبر سنی کا ذکر میں آئندہ سطور میں قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس وقت خنساء کا ایک اجمالی تعارف معروف عربی دان اور محقق جناب محمد کاظم کی زبانی ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو بھی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ آپ نے بلا کر فہمائش کی کہ "جو کچھ تم کرتی ہو اسلام میں معیوب چیز ہے۔ اس دنیا میں اگر کوئی انسانی ہستی ہمیشہ رہنے کے لائق تھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ جب وہ بھی نہ رہے تو پھر کسی کی موت کا اتنا کیا غم۔ اس نے جواب دیا۔ "پہلے میں اس کے بدلے کیلئے روتی تھی اب اس کے لئے دوزخ کی آگ کو دیکھ کر روتی ہوں پھر جب اس نے اپنے مرثیے کے کچھ اشعار پڑھ کر سنائے تو حضرت عمر کا سا سخت دل بھی گداز ہو گیا کہنے لگے۔ "خنساء، تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ ہر شخص کو اپنا غم رونے کی آزادی ہے۔"

یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ خنساء نے دور جاہلیت میں بھی شاہکار مرثیے تخلیق کئے اور ظہور اسلام کے بعد بھی ان کی شاعری میں جذبات و الم پرستی کے عناصر اپنے عروج پر رہے یہاں تک بھی روایات ملتی ہیں کہ عہد نبوی میں نوحہ اور بین کو ممنوع قرار دینے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ کو ماتمی لباس پہننے اور جاہلی عہد کے سے اسلوب میں مرثیہ کہنے کی خصوصی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ عہد جاہلیت میں بھی خنساء نے اپنی نغز گوئی اور انتہائی معیاری شاعری کا اعتراف کروایا اور فنی عظمت کا لوہا بڑے بڑے جغادری شعراء سے منوایا اور ظہور اسلام کے بعد بھی بہت سے علماء، صحابہ اور امہات المومنین سے اپنے دلگداز مرثیوں کی داد لی۔ ایک روایت کے مطابق خنساء کی شاعری ظہور اسلام سے چند سال قبل ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تک پہنچ چکی تھی اس کے مقابلے میں دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب ۸ ھ میں خنساء مشرف بہ اسلام ہوئیں تو اس کے بعد اُن کے ... مرثیوں کے اشعار سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر ہوئے اور مزید اشعار سننے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرثیوں کو مکرر سنا۔ جب حضرت خنساء اپنے انتہائی درد بھرے اشعار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتیں تو حضور فرماتے "ہاں تو اے خنساء آگے کہو۔ کئی مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق سماعت میں حضرت خنساء کو یہ بھی کہا "اے خنساء اور سناؤ اور سناؤ، مکرر کہو اے خنساء آگے کیا ہے اے خنساء، کہو اے خنساء! اور کہو۔

رسول مقبول حضرت خنساء کے درد انگیز اشعار سن کر افسردہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت خنساء کے مرثیوں کے اس فکری پہلو کے علاوہ شاعرہ کی زبان دانی، لسانی ادراک اور فنی پہلوؤں کو بھی آنحضرت خوب محسوس فرمایا کرتے تھے۔ ان واقعات اور تحسین و داد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ حضرت خنساء کی زبان دانی فنی عظمت اور فکر و فن کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان کی بلاغت کے سلسلے میں بذات خود ایک اتھارٹی ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی پرورش ایک ایسے قبیلے میں ہوئی تھی جو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھا۔ اسی قبیلے کی فصاحت و بلاغت اور اس

ے اپنے بچپن کی نسبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخر بھی فرمایا کرتے تھے۔ شبلی نعمانی سیرت النبی کی جلد اول میں حضور کی تاریخ ولادت کے تذکرے کے بعد رضاعت کے عنوان میں لکھتے ہیں۔ "ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے کہ" میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیوں کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلے کو کہتے ہیں۔
کتنی خوش بخت تھیں حضرت خنساء کہ جنکے درد انگیز مرثیوں کو الہامی فصاحت و روحانی بلاغت رکھنے والے صاحب الجمال سید البشر کی سماعت اور داد و تحسین نصیب ہوئی۔
حضرت خنساء نے بھائیوں کی موت پر جو ناقابل فراموش مرثیے لکھے اس نے لوگوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عالمہ اور فاضلہ بھی خنساء کے حزن و ملال کی قائل ہوئیں تھیں اور زیر موضوع شاعرہ کے زور کلام اور اشعار میں موجود حد درجے کے سوز و گداز اور رقت انگیز خیالات و اسلوب نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخت گیر اور جلیل القدر صحابی تک کے دل کو بھینچ کر رکھ دیا تھا۔ جناب محمد کاظم اپنے مضمون "ایک جاہلی مرثیہ پڑھ کر۔" میں رقمطراز ہیں۔
"اس کو اخیر زمانے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا سر گنجا ہوا تھا، آنکھیں رو رو کر سفید ہو گئیں تھیں اور وہ ایک لاٹھی کا سہارا لے کر چلتی تھیں۔ صخر کی موت نے اس عورت کو ایک پرگو اور پر اثر شاعرہ بنا دیا اور اس کے مرثیوں کی صدا اطراف و جوانب میں گونجنے لگی۔ ایک مرتبہ جب عکاظ کے مشاعرے میں اس غم زدہ نے اپنا ایک مرثیہ پڑھ کر سنایا تو سننے والوں کے دل دہلا ڈالے عرب کا جہاں دیدہ شاعر اور نقاد

حقائق

خالد بن ولید کہتے ہیں: یمن سے ایک شخص نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا گھر یہاں سے دور ہے۔ ہر وقت حاضرِ خدمت نہیں رہ سکتا۔ چند باتیں دریافت کرنی ہیں۔ جنھیں توشۂ آخرت بناؤں۔ ارشاد ہوا جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔
سائل: میں سب لوگوں سے زیادہ عقلمند ہونا چاہتا ہوں۔
حضورؐ: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔
سائل — سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤں۔
حضورؐ: خدا نے جو تجھے دے رکھا ہے اس پر راضی رہ۔
سائل — بہترین مخلوق قرار پاؤں۔
حضورؐ: اللہ کی مخلوق کی خدمت کر۔
سائل — میرا ایمان سب سے قوی ہو جائے۔
حضورؐ: خوش خلقی اختیار کر۔
سائل — میرے گناہ سب سے کم ہوں۔
حضورؐ: کثرت سے استغفار کر۔
سائل — قیامت کے روز دوزخ میں نہ ڈالا جاؤں۔
حضورؐ: غصہ نہ کر۔
سائل — میری ہر دعا قبول ہو۔
حضورؐ: حرام چیزیں کھانے سے احتراز کر۔
سائل — اہل ایمان میں میرا شمار ہو۔
حضورؐ: اپنے ہمسایے کو اذیت نہ پہنچا۔
سائل — مومن بن جاؤں۔
حضورؐ: مسلمانوں کی اذیت سے اپنے ہاتھ اور زبان محفوظ رکھ۔

نابغہ جو اس سال مشاعرے کا صدر تھا خنساء کا کلام سن کر کہنے لگا "اے دختر عرب اگر تجھ سے پہلے اعشیٰ اپنا کلام نہ سنا چکا ہوتا تو میں تمہیں جن و انس کی سب سے بڑی شاعرہ قرار دیتا۔

رنگ اور آپکی شخصیت

ثروت سید

جسطرح ہاتھ کی لکیروں سے انسان کی گفتگو سے شخصیت کا پتہ چلتا ہے اسی طرح رنگ بھی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سفید:
سفید رنگ پاکیزگی کا رنگ ہے سفید رنگ کو پسند کرنے والے لوگ اعلیٰ نسبت کے مالک ہوتے ہیں مہربان ہوتے ہیں سنجیدہ، مخلص اور محب وطن ہوتے ہیں صفائی کو بہت پسند کرتے ہیں سفید رنگ پسند کرنے والے حضرات ادب اور آرٹ سے لگاؤ رکھتے ہیں اور دنیا میں اپنا نام پیدا کرنے میں کامیاب رہتے ہیں شفیق استاد ہوتے ہیں اپنے کام میں امانت داری سے کام لیتے ہیں نفرت سے گریز کرتے ہیں لیکن جس سے نفرت ہو جائے اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتے ایسے حضرات محبت کا اظہار کھلم کھلا کرتے ہیں۔

کالا:
یہ رنگ سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے جو لوگ کالا رنگ پسند کرتے ہیں وہ وفادار، مں موجی اور باحوصلہ ہوتے ہیں یہ رنگ دوسروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے میں ماہر ہوتا ہے اور ایسے افراد جنہیں کالا رنگ پسند ہوتا ہے ہر جگہ ہر کام سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہ لوگ اپنی رائے دوسروں کو سنجیدگی سے دیتے ہیں کبھی انہوں نے دوسروں سے بیجا مذاق نہیں کیا جس کے باعث کسی کو نقصان اٹھانا پڑے۔

سبز:
یہ رنگ صحت کو اجاگر کرتا ہے جو لوگ اس رنگ کو پسند کرتے ہیں بہت اعلیٰ فطین ہوتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں بہت جینئس ہوتے ہیں اور اچھے طور طریقوں کے مالک ان کے ہر کام میں ایک سلیقہ ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی گفتگو سے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں اس رنگ کی ایک خامی بھی ہے ایک طرف یہ رنگ صحت مند ہوتا ہے اور اکثر بیمار اور لاغر صحت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

سرخ:
سرخ رنگ جوانی، بہادری اور خودداری کو ظاہر کرتا ہے اس رنگ کو پسند کرنے والے لوگ بھی بہادر، نڈر اور باحوصلہ افراد ہوتے ہیں ذہین ہوتے ہیں اور اکثر سائنس کے طالب علم اور سائنس کے استاد بنتے ہیں یا مسٹری کے ماہر ہوتے ہیں علم سے گہرا شغف رکھتے ہیں بہت کم لڑتے ہیں اگر خود غرض ہونے لگیں تو لڑ بھی ضائع نہیں کرتے اپنے لباس کے معاملے میں انتخاب بہتر ہے۔ بہتر کرتے ہیں یعنی لباس کے معاملے میں بے حد سلیقہ مند ہوتے ہیں۔

پنک:
پنک رنگ پسند کرنے والے حضرات اکثر صحت مند ہوتے ہیں خاموش طبع ہوتے ہیں لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے ان کا خیال ہوتا ہے کہ حد سے زیادہ ملنا جلنا عزت میں فرق لاتا ہے۔ بہت اچھا

مسکراتے ہیں ویسے خوش اخلاق ہوتے ہیں اعلیٰ ذہانت کے مالک نہیں ہوتے البتہ محنتی ہوتے ہیں ضدی اور ہٹ دھرم بھی ہوتے ہیں جس بات پر ایک مرتبہ اڑ جائیں جب تک پوری نہ کریں پیچھے نہیں ہٹتے ہر خوبصورت چیز سے متاثر ہوتے ہیں مگر کھلم کھلا اظہار نہیں کرتے

براؤن

یہ رنگ دوستی کو ظاہر کرتا ہے اس رنگ کو پسند کرنے والے سنجیدہ، مخلص اور دوست بنانے والے لوگ ہوتے ہیں یہ لوگ قدرتی نظاروں کو پسند کرتے ہیں اور ان سے لطف اٹھاتے ہیں اکثر سیاحت پسند ہوتے ہیں اور سفرنامے لکھ ڈالتے ہیں۔

پیلا

یہ تصور خیال کو ظاہر کرتا ہے جو لوگ اس رنگ کو پسند کرتے ہیں یہ لوگ اکثر باذوق ثابت ہوتے ہیں اور کافی چالاک بھی، مشکلات پر قابو پانے کے ماہر ہوتے ہیں اپنے اوپر کبھی مشکلات کو حاوی نہیں کرتے

نیلا

یہ رنگ شہرت کو ظاہر کرتا ہے جو لوگ اس رنگ کو پسند کرتے ہیں یہ لوگ حساس عام طور پر مہمان نواز ہوتے ہیں اپنی فیملی میں اپنے خاندان میں خاموش طبع ہوتے ہیں یہ لوگ دوسروں کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں اور کرواتے ہیں اور اسی اداؤں کی وجہ سے دوسروں میں مقبول ہوتے ہیں یہ لوگ اپنی زندگی امید کے سہارے گزارتے ہیں۔

مالٹئی

اس رنگ کو پسند کرنے والے دھیمے پن کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ ہر وقت کسی نہ کسی تلاش میں رہتے ہیں مہربان ہوتے ہیں جلد گھبرا جانے والے ہوتے ہیں دوسروں میں مقبولیت اپنی میٹھی زبان کی بدولت حاصل کرتے ہیں۔

نازک مزاج ہاتھی

یہ چھ ماہ پہلے کا ذکر ہے، جوہنس برگ (جنوبی افریقہ) کے چڑیا گھر میں ہاتھی بچوں کو سواری کرا رہا تھا کہ ایک شخص نے اس کے سامنے زور سے اخبار پھڑپھڑایا۔ ہاتھی نے ناراض ہو کر کام چھوڑ دیا۔ چھ ماہ سے وہ بچوں کو سواری نہیں کراتا اگر مجبور کریں تو غضبناک ہو جاتا ہے میونسپلٹی نے ہاتھی کا نفسیاتی تجزیہ کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔

آسمانی

ٹھنڈک اور سکون کو ظاہر کرتا ہے اس رنگ کو پسند کرنے والے کچھ شوخ طبیعت کے مالک ہوتے ہیں نیچے میں مذاق کا عنصر شامل کئے رکھتے ہیں مگر کسی کی دل آزاری نہیں کرتے خواتین نرم دل اور مرد کچھ مغرور ہوتے ہیں اس رنگ کو پسند کرنے والے کی شخصیت دوسرے افراد میں واضح ہوتی ہے فنون عملی میں دلچسپی رکھتے ہیں تعلیمی میدان میں اعلیٰ ذہانت کے باعث کامیاب ہوتے ہیں شہرت اچھے مصور اور اچھے اداکار بن کر حاصل کرتے ہیں۔

گرے

گرے رنگ پسند کرنے والے بہت ذہین ہوتے ہیں مگر ذہانت کے ساتھ ساتھ مغرور بھی اور اپنے کام میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اور ہر کام خاموشی سے اور محنت سے کرتے ہیں یہ دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اپنے کام کے متعلق گفتگو کرنے میں زیادہ مزہ لیتے ہیں اکثر حضرات جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں لیکن ذہنی طاقت کمال درجہ مضبوط ہوتی ہیں یعنی اعصابی طور پر مضبوط ہوتے ہیں۔ ★

اسلام نے ہمیں کیا دیا

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ان صفحات کے ذریعے اکثر و بیشتر قارئین کے لیے ایمان و عقائد کے اہم رموز کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کے اسباب زوال پر غور کرتے ہوئے اُن کوتاہیوں کی جانب اشارہ کر رہے ہیں جن کے باعث مذہب اسلام میں غیر مسلم عقائد و نظریات در آئے۔ اور اس نے نام نہاد مسلم دانشوروں اور علمائے کرام کو جس طرح متاثر کیا اسی کا مختصر خاکہ مضمون کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

اسلام کا ظہور عصر نو کا پیغام اور عہد کہن کا خاتمہ تھا۔ جس طرح موسم بہار میں ہر چیز کو حیات نو مل جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا عروج کائنات کے لئے موسم بہار ثابت ہوا۔

۱۔ اس نے عظیم انسانی اقدار کو پھر زندہ کیا۔

۲۔ دنیا کو اخلاقی، روحانی اور آسمانی نقطہ نگاہ دیا۔

۳۔ ایران، مشرق وسطیٰ، ایشیائے صغیر، افریقہ اور یورپ کے کچھ حصوں کو اُن ملوک کے ظالمانہ تسلط سے آزاد کرایا۔ جو اپنے کتوں کو دودھ پلاتے اور انسانوں کو بھوکا مارتے تھے۔

۴۔ سلطنت کو خدمت گری کا مترادف بنایا اور دنیا کو ایسے گورنر اور کمشنر دیئے جو کھدر پہنتے، خاک پہ سوتے اور ستو کھاتے تھے۔

۵۔ عدل و احسان کی حکومت قائم کی۔

۶۔ سود، قمار بازی اور شراب کو حرام قرار دیا۔

۷۔ ذخیرہ اندوزی اور تجمع دولت سے روک کر معاشرے کی ناہمواری کو ختم کیا۔

۸۔ حکومت کو بے روزگاروں، ضعیفوں، معذوروں، یتیموں اور بے بس انسانوں کی روزی کا کفیل بنایا۔

۹۔ انسان کو دوسروں کے لئے کمانے کا درس دیا۔

۱۰۔ رنگ، نسب، دولت اور امارت کے امتیازات مٹا کر علم و تقویٰ کو معیار مقرر کیا۔

۱۱۔ نظام عبادت کے قیام سے دنیا کو لذت رکوع و سجود سے آشنا کیا اور انسانی شخصیت پہ خدائی رنگ چڑھایا۔

۱۲۔ انسان کو ایک روشن ضابطہ حیات دے کر راز بقاء و مسرت سے آشنا کیا۔

۱۳۔ دشمن سے بھی انصاف کرنے کا سبق دیا۔

ترجمہ۔ محض عداوت کی بناء پر کسی قوم سے ناانصافی مت کرو، انصاف کرو کہ یہ چیز تقویٰ سے قریبی رشتہ رکھتی ہے۔

(سورہ مائدہ ۵۔ ۸)

۱۴۔ ظالم، بدمست، عیاش اور رعایا کے مال پہ

مزے اڑانے والے کاسرہ اور قیاصرہ کو ختم کر کے عوام کی بادشاہت قائم کی۔

۵۔ انسانیت کو لات و ہُبل کی غلامی سے چھڑایا۔

۶۔ روح و مادہ اور دین و دنیا کو ایک ہی حقیقت کے دو رخ قرار دیا۔

۷۔ عشق کو ہم سفر علم بنایا۔

۸۔ زندگی کی منزل اور راہ منزل کا پتہ دیا۔

۹۔ رہنے سہنے کے آداب سکھائے۔ ہر چھوٹے بڑے کا مقام مقرر کیا۔ سیاست، تدبیر منزل اور انفرادی فلاح کے گُر بتائے۔

۱۰۔ دنیا کو مقدسین (اولیا، اجمیری، بایزید وغیرہ) کی ایک ایسی جماعت دی جن کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

اسباب زوال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے پاس اللہ کا آخری پیغام اصلی صورت میں موجود تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مقدس بھی سامنے تھا۔ عروج و زوال کے اسرار سے بھی آشنا تھے۔ تو پھر ہماری عظمت خاک میں کیوں مل گئی؟ اور شاہراہ حیات پر ہم سب سے پیچھے کیوں رہ گئے؟ اس کے کئی جواب ہیں

اوّل۔ ہمارا علم زمانے کا ساتھ نہ دے سکا۔ آج سے چار سو سال پہلے جب یورپ بطن زمین سے سامان قوت (فولاد، تیل، کوئلہ، وغیرہ) نکال رہا تھا تو ہم فقہی مسائل پہ زور دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے ریلیں اور طیارے بنا لئے اور ہم بیل گاڑی پر ہی قانع رہے۔ نتیجہ یہ کہ انیسویں صدی میں وہ اپنے گھروں سے نکل کر مغرب میں کینیڈا، مشرق میں چین اور جنوب میں آسٹریلیا تک جا پہنچے۔

مسلمان ہر جگہ پٹ گیا۔ اور اس کی تقدیر کا وہ فیصلہ سامنے آگیا جو پچھلے دو سو سال سے یورپ کی درسگاہوں اور صنعت گاہوں میں لکھا جا رہا تھا۔

دوم۔ تمام آسمانی کتابیں نیز تاریخ عالم اس حقیقت پہ شاہد ہے کہ بقا صرف اقوام صالحہ کے لئے ہے بدکار، عیاش اور کاہل اقوام ہمیشہ مٹتی رہیں۔ ذرا اپنی تاریخ پہ نگاہ ڈالئے۔ آج تک آپ کے ڈیڑھ سو سلسلے مثلاً عباسی، سلجوقی، سامانی، صفوی، مغل وغیرہ برسراقتدار رہ چکے ہیں۔ ہر سلسلے کے پہلے چند فرماں رواں تو قدرے محتاط تھے لیکن بعد کے سلاطین عیاشی میں ڈوب کر رعایا کی بہبود سے غافل ہو گئے۔ حکّام من مانی کرنے لگے۔ ان کے سینے رحم سے۔ عدالتیں انصاف سے اور معاشرہ خدا کے خوف سے خالی ہو گیا۔ ان حالات کا نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے یعنی۔ ع

ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

سوم۔ ہمارے اکثر سلاطین نے رعونت کی وجہ سے علماء کو قریب نہ آنے دیا۔ نتیجہ یہ کہ ان کی سیاست دین سے آزاد ہو کر بہیمیت اور درندگی بن گئی۔ عوام ان سے الگ ہو گئے اور وہ تنہا حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکے

چہارم۔ بادشاہوں نے غیر اسلامی قدروں کو فروغ دیا۔ مطربوں، سرمایہ داروں اور خوشامدیوں کو نوازا۔ انہیں جاگیریں۔ مناصب اور اعزاز دیئے۔ ارباب علم و دانش سے توہین آمیز سلوک کیا۔ نتیجہ یہ کہ تمام علماء و فلاسفہ شاہی درباروں سے کنارہ کش ہو گئے۔ بادشاہوں کو صحیح مشورہ نہ مل سکا۔ ان کے خوشامدیوں اور نجومیوں نے ان کی حماقتوں کو دانش اور گناہ کو نیکی کا رنگ دیا اور وہ تباہ ہو گئے۔

مذہب سے بغاوت: ہماری تباہی کا اصلی سبب مذہب سے بغاوت تھا۔ دیارِ اسلامی پر تسلط فرنگ کے بعد ہم میں ایسے ادیب اور مفکر پیدا ہو گئے جو ذہناً و عملاً اسلام کے باغی تھے اور تبلیغ افکار میں بہت بے باک۔ ان لوگوں نے پہلے ترکی میں کام شروع کیا۔ کمال اتاترک اور اس کی قوم کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے بعد ان کا فلسفہ عرب ممالک پہ حملہ آور ہوا۔ عراق، شام اور لبنان میں اس کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ مصر میں سید قطب اور چند دیگر علماء نے اس کا ڈٹ کر

مقابلہ کیا۔ یہ لوگ پھانسی پہ چڑھا گئے۔ لیکن میدان سے نہ بھاگے۔ سید قطب قرن رواں کا سب سے بڑا اسلامی مفکر تھا۔ گو آج وہ باقی نہیں رہا لیکن اس کی لافانی روح ہر جگہ مصروف عمل ہے۔ اس کی تصانیف کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو رہے ہیں اور الحاد کے خلاف ہر جگہ مضبوط محاذ بن رہے ہیں۔

تاریخ بغاوت: عصر رواں میں مذہب کے خلاف بغاوت کی پہلی لہر یورپ سے اٹھی۔ یورپ قرون وسطیٰ کی پاپائی حکومت کے مظالم سے کراہ رہا تھا۔ احیاء کے بعد اس نے مذہب کو جھٹک دیا۔

میکاولی اور دیگر باغی: اس بغاوت کا سرخیل اٹلی کا مشہور سیاسی مفکر میکاولی (۱۴۶۹ء۔ ۱۵۲۷ء) تھا یہ اپنی کتاب "دی پرنس" میں لکھتا ہے:۔

— "ایک بادشاہ میں تمام عمدہ صفات ہونی چاہئیں لیکن وہ اس بات کا خیال رکھے کہ اگر کسی وقت نیکی سے کام نہ چل سکے تو بدی سے کام لے ...... عوام کو جب چاہے، فریب دے لے کہ یہ فریب کھانے کے لئے (خصوصاً بہ سلسلہ مذہب) ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مذہب، رحم اور انصاف کی تبلیغ کریں لیکن ان پر عمل ضروری نہ سمجھے۔۔ (ملخّص)

(اسلام اینڈ ماڈرن ازم۔ صفحہ ۶)

فرانسس بیکن: (۱۵۶۱ء۔ ۱۶۲۶ء) کی رائے یہ تھی کہ "مذہب بے کار ہو چکا ہے۔ سائنس کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور یہ دنیا کو مسرت و راحت کے جلوؤں سے بھر دے گا۔۔

ڈی کارڈ: (۱۵۹۶ء۔ ۱۶۵۰ء) بیکن کا پیرو تھا یہ کائنات کو ایک خود کار تخلیق سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ۔ مجھے عناصر دے دو اور میں کائنات بنا دوں گا۔

اسحاق نیوٹن (۱۶۴۳ء۔ ۱۷۲۷ء) کا خیال یہ تھا کہ "کائنات میں کوئی دانا و بینا خدا موجود نہیں بلکہ اس پر بے شعور قوانین کی حکومت ہے۔

والٹیئر: (۱۶۹۴ء۔ ۱۷۷۸ء) خدا کا تو قائل تھا۔ لیکن اسے ایک ایسا گھڑی ساز سمجھتا تھا جو گھڑی بنانے کے بعد گھڑی سے بے تعلق ہو جائے

ہیوم: (۱۷۱۱ء۔ ۱۷۷۶ء) کہا کرتا تھا کہ "والٹیئر کا گھڑی ساز خدا ایک نااہل میکینک تھا جو مر چکا ہے آخرت کا عقیدہ باطل ہے۔ جب وہ فرضی خدا آج تک غریب مزدوروں اور کسانوں کو ان کی محنت کا اجر نہیں دلا سکا اور تخلیق آدم سے لے کر آج تک انصاف نہیں کر سکا۔ تو اس سے آئندہ ہم کیا امید رکھ سکتے ہیں۔۔

رُوسو (۱۷۱۲ء۔ ۱۷۷۸ء) لذت پرست تھا۔ جنسی بندشوں کا مخالف وہ حیا۔ عفت۔ پاکیزگی اور تقویٰ کو ماضی کی حماقتیں کہا کرتا تھا۔

ڈاروِن (۱۸۰۹ء۔ ۱۸۸۲ء) انسان کو خالص حیوان سمجھتا تھا۔ وہ بلند روحانی صفات کا منکر تھا۔ اور انسان کا موازنہ کتوں اور بندروں۔ سے کیا کرتا تھا۔

شوپن ہار (۱۷۸۸ء۔ ۱۸۶۰ء) کے ہاں زندگی ایک بے مقصد اضطراب اور بے منزل سفر ہے جس کا انجام موت ہے۔

کارل مارکس (۱۸۱۸ء۔ ۱۸۸۳ء) کے ہاں انسان کی زندگی معاشی قدروں کے گرد گھومتی ہے۔

فرائڈ (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۳۹ء) جذبہ جنسی کو تمام انسانی اعمال کا محور سمجھتا تھا۔ اخلاقی اقدار کو اضافی قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ "کائنات پر ڈنڈے کی حکومت ہے۔ ظالم۔ متکبر اور ڈنڈے مار ہر جگہ بادشاہ ہیں اور حلیم و متواضع ہر مقام پر محکوم۔۔

یہ تھے الحاد کے بڑے بڑے مبلّغ۔ جن پر سارا یورپ ایمان لا چکا ہے اور اب ان کا فلسفہ اسلامی ممالک میں بھی پھیل رہا ہے۔

الحاد کے نتائج: اس الحاد کے نتائج یہ نکلے۔

(الف) اسمانی تہذیب (وحی، مذہب) ظلمت اور پسماندگی کی علامت قرار پائی اور عیاش و اوباش مہذب کہلانے لگے۔

(ب) نظریۂ مکافاتِ عمل اور آخرت سے انکار کی بناء پر ظلم، آئین حیات بن گیا۔ یقین نہ آئے تو روڈیشیا، جنوبی افریقہ اور امریکہ کے حبشیوں، بھارت اور کشمیر کے مسلمانوں، عربوں اور ویتنام کے باشندوں پر نظر ڈالیں۔

(ج) خواتین نے ان بندشوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جو مذہب، سماج اور طویل انسانی تجربے نے ان پر عائد کی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ یورپ ایک طوائف خانہ بن گیا اور وہاں عصمت و پاکیزگی کا کوئی تصور باقی نہ رہا۔

(د) مرد لاکھ بے حیا اور بد چلن بن جائیں۔ لیکن وہ اتنے بے غیرت نہیں ہو سکتے کہ اپنی بیویوں کو دوسروں کی آغوش میں دیکھ سکیں۔ جب یورپ کی خاتون متاعِ عام بن گئی تو گھر اجڑنے لگے اور لاکھوں بچے آوارہ ہو گئے۔

(ہ) لواطت عام ہو گئی۔ اور ۱۹۶۶ء میں انگلستان کی پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ کی رو سے اس کی اجازت دے دی۔

(و) والدین کا احترام ختم ہو گیا۔ اور جہاں کہیں اولاد کا بس چلا۔ بوڑھے والدین کو دھکیل کر پیر خانوں میں چھوڑ آئے۔

(ز) چوں کہ شراب، رقص، سینما، اور عیاشی تہذیب نو کے لوازم ہیں اور ان پر بہت خرچ اٹھتا ہے اس لئے یورپ میں چوری اور ڈکیتی کی وار دات میں بے اندازہ اضافہ ہوا۔ بینکوں کو لوٹنے کی وبا عام ہو گئی اور موٹر چوری کا یہ عالم کہ امریکہ کے صرف ایک شہر (نیویارک) میں ہر ماہ اندازاً تیس ہزار موٹریں چوری ہونے لگیں۔

(ز) یورپ میں زندگی بھٹکنے لگی، اور اس آوارگی میں اس حد تک اضافہ ہوا کہ خودکشی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آج یہ وبا سارے یورپ اور امریکہ کی تمام ریاستوں میں پھیل چکی ہے۔ اور اب مشرق کا رخ کر رہی ہے۔ جاپان اس کا پہلا شکار ہے۔ یہ وبا وہیں حملہ کرتی ہے جہاں الحاد ہو۔ اور انسان لامقصد زندگی سے تنگ آ چکا ہو۔ پاکستان میں بھی الحاد کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اگر حکومت نے اسلام کی تابدار اقدار کو فروغ دینے کے لئے تمام وسائل سے کام نہ لیا تو اس صدی کے خاتمے تک یہاں بھی وہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اور لوگ اپنے ہی خنجر سے اپنا گلا کاٹنے لگیں گے۔

آثار بغاوت اسلام میں۔ ہمارے ہاں ہر زمانے میں کچھ ایسے فرقے پیدا ہوتے رہے۔ جن کے عقائد میں انحراف تھا۔ معتزلہ، باطنیہ، خوارج، وغیرہ۔ اور کچھ کج عقیدہ افراد بھی مثلاً ابن راوندی (۹۱۵ء) جو رسالت کا منکر تھا۔ ابوبکر رازی (۹۳۳ء) جو قدامت مادہ کا قائل تھا۔ معری (۹۷۳ء-۱۰۵۷ء) جس نے قرآن کا جواب "الفصول والغایات" کے عنوان سے لکھا تھا۔ وقس علی ھذا لیکن اسلام کے خلاف بغاوت نے کبھی تحریک کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ یہ تحریک بیسویں صدی کی تخلیق ہے جسے عیاش یورپ اور اس کے مستشرقین نے جنم دیا ہے۔ ترکی، شام، عراق اور لبنان بڑی حد تک اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ ان کی ساری آبادی عبادات کو ترک کر چکی ہے۔ اِلّا ما شاءاللہ اور ان کے کچھ اہل قلم مذہب کے خلاف مسلسل لکھ رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی حالات بگڑ رہے ہیں۔ ہمارے حکام۔ سرمایہ دار۔ زمیندار۔ طلباء اساتذہ اور اہل کار اسلام کو عملاً خیرباد کہہ چکے ہیں اور ان کی خاصی تعداد مذہب کو دقیانوسی اور دور از کار سمجھنے لگی ہے۔ خصوصاً وہ پود جو یونیورسٹیوں کے ملحدانہ ماحول سے نکل کر سیدھی دفتروں اور درس گاہوں میں آ رہی ہے۔ ہمارے نظام تعلیم میں الحاد کہاں سے آیا؟ ہمارے نصاب سازوں میں بڑے بڑے ملحد کون

تھے؟ ان کے مقاصد کیا تھے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ ان محسنین ملک کی کوششوں کا پھل آج ہمارے سامنے ہے ہماری نسل نو کسی ڈسپلن کی قائل نہیں رہی۔ یہ نہ حکومت کی پرواہ کرتی ہے۔ اور نہ ہی اساتذہ و والدین کی۔ جس نسل کو آپ نے خدا اور رسول کے سامنے جھکنا نہ سکھایا ہو۔ وہ کسی اور کے سامنے کیوں جھکنے لگی۔؟ انسان کو اطاعت سے بھی مسرت ملتی ہے اور سرکشی سے بھی۔ موخر الذکر عارضی و مضر رساں سہی۔ لیکن مستی شراب کی طرح بڑی تند و تیز ہوتی ہے۔ اور منہ کو لگ جائے تو مشکل سے چھٹتی ہے۔

باغی اہل قلم: مسلمانوں میں قرن رواں کا پہلا باغی ایک ترک تھا جس کا نام ضیاء گوکلپ (۱۸۷۶ء-۱۹۲۴ء) اس نے صرف اڑتالیس برس کی عمر پائی۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں ترکوں اور خصوصاً کمال اتاترک کو بہت متاثر کیا۔ یہ استنبول کی یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ یہ اپنی کتاب۔ "ترک قومیت اور تہذیب مغرب"۔ (طبع نیو یارک ۱۹۵۹ء) میں لکھتا ہے:۔

"ہم یورپ کی اس شاندار تہذیب کو اپنانے سے کیوں ہچکچائیں جسے اختیار کرنے کے بعد جاپان ایک یورپی طاقت تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہم بدستور ایشیائی کہلاتے ہیں۔ (ملخص صفحہ ۲۶۶)

آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"ترکوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تہذیب پر اترانا سیکھیں جو اسلام سے پہلے ان کے پاس موجود تھی۔ نیز یورپی تہذیب اختیار کریں۔ اس تہذیب کو اختیار کئے بغیر ہم یورپ کی صنعت۔ طاقت اور سائنس کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ (ملخص صفحہ ۲۷۶)

آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

"ہم ایک طاقت ور تہذیب کو اسی صورت میں جنم دے سکتے ہیں کہ ہم قومیت کو مذہب پر ترجیح دیں

ضیا عربی حروف کا بھی دشمن تھا۔ اسی کی ترغیب پر اتاترک نے ملک میں لاطینی رسم الخط نافذ کیا تھا۔

ترکوں کو اسلامی تہذیب چھوڑے اور مغربی تہذیب اختیار کئے آج پینتالیس برس ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس عرصے میں انہوں نے صنعت، سائنس اور فلسفے میں کتنی ترقی کی؟ طیاروں اور ٹینکوں کے کتنے کارخانے قائم کئے؟ کون سے انکشافات کئے؟ کتنے تحقیقی و تصنیفی اداروں کی بنیاد ڈالی؟ خلا میں کتنے راکٹ چھوڑے؟ اور فطرت کے کون سے راز دریافت کئے؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو پھر ان پاکستانیوں کو جو ہمیں اسلام سے بدظن کر کے تہذیب مغرب کی طرف بلا رہے ہیں ترکوں کے اس انجام سے درس عبرت لینا چاہیے۔

اسماعیل مظہر: جب کمال اتاترک نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر دیا تو ترکی میں کئی اہل قلم اسلام کے خلاف لکھنے لگے۔ ان میں سے ایک اسماعیل احمد ادہم تھا جو اپنے افکار کی تبلیغ کے لئے ترکی سے مصر آ گیا تھا اس نے الحاد پر ایک کتاب لکھی عنوان تھا "لماذا انا ملحد"۔ (میں کیوں ملحد ہوا) یہ اسکندریہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس سے کئی مصری متاثر ہوئے۔ ان میں سرفہرست "العصور" کا مدیر اسماعیل مظہر تھا۔ اس کا یہ رسالہ ملحدانہ افکار کی اشاعت کے لئے وقف تھا۔ مصر میں الحاد کا پہلا سراغ محمود عزمی کی تحریرات میں ملتا ہے۔ جو ۱۹۲۲ء سے کچھ بعد تک الاہرام میں شائع ہوتی رہیں۔ ان کا ماحصل یہ تھا کہ مذہب ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انہی دنوں قابیل آدم (ترک ادیب) نے ایک کتاب "مصطفیٰ کمال" کے نام سے لکھی۔ جس میں اسلام پر سخت تنقید کی۔ اسماعیل مظہر نے یہ کتاب "العصور" میں بالاقساط شائع کی۔ اور اسے ایک عہد آفریں کتاب قرار دیا۔ اسماعیل مظہر کے اپنے افکار یہ تھے۔

(الف)۔ مذہب سے فکر منجمد ہو جاتی ہے۔

(ب)۔ مذہب سائنسی حقائق کا دشمن ہے۔
(ج)۔ انبیاء کی تعلیمات دانش سے یکسر خالی ہیں۔
(د)۔ مذہب نے ہر زمانے میں علم کو دبائے رکھا۔ لیکن قرن رواں میں علم کو پہلی مرتبہ مذہب پہ فتح حاصل ہوئی ہے۔

ان افکار سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین بھی متاثر ہوئے تھے۔ محمد سید کیلانی نے ڈاکٹر صاحب کے غیر اسلامی افکار پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔ ۱۹۶۱ء میں اسماعیل مظہر اپنے عقائد سے تائب ہوگیا۔ اور اب اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہے۔

چند دیگر باغی باغیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اختصاراً چند نام یہ ہیں۔

۱۔ علی عبدالرزاق مصری، محمد عبدہ، کا شاگرد جس نے "الاسلام و اصول الحکم" میں اسلام پر تنقید کی یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی

۲۔ خالد محمد خالد مصری، علماء کا دشمن، اسلام کا مخالف، اور سیکولرزم (لادینیت) کا قائل تھا۔ جب ۱۹۵۰ء میں اس کی کتاب "من ھنا نبدأ" شائع ہوئی تو عوام مشتعل ہوگئے۔ اور جلوس نکلنے لگے۔ اس پر یہ کتاب ضبط ہوگئی لیکن بعد میں جلد آزاد کر دی گئی۔

۳۔ حاجی اگس سلیم۔ جو کسی وقت انڈونیشیا کا وزیر خارجہ بھی رہا اسلام کا مخالف تھا۔

۴۔ سید لطفی پہلا مصری ہے، جس نے تہذیب فرعون کا نعرہ لگایا یہ سعد زاغلول پاشا (مشہور مصری راہ نما) کا دوست تھا۔

۵۔ احمد خاکی مصری نے ۱۹۴۷ء میں ایک مقالہ لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی کلاسیکی عربی بے کار ہو چلی ہے۔ اگر یہ عربی بچوں کو پڑھائی گئی تو ہم اسے برداشت نہیں کریں گے۔

۶۔ جمال حمدی مصری نے بیروت کے ایک رسالے "الحسناء" میں ایک سلسلۂ مقالات شائع کیا۔ جن کا ماحصل یہ کہ دینی روایات رجعت پسندانہ ہیں اور تمام اخلاقی اقدار بوسیدہ اور فرسودہ۔ انہیں ترک کر کے یورپ کے پیچھے چلو۔ (بحوالہ نوائے وقت ۱۳۔ اگست ۱۹۶۸ء)

۷۔ حال ہی میں لبنان کے مسلمانوں نے ابوجہل اکادمی کی بنیاد ڈالی ہے جس کا مقصد اسلام پہ تنقید اور تہذیب جاہلیت کی ترویج ہے ★

ارشاد رسول مقبولؐ

- جو تیرے ساتھ جفا کرے اس پر احسان کر۔
- جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کردے۔
- اور جو تجھ سے امید نہ رکھتا ہو اسے عطا کر اگر ایسا کرو گے تو جنتی بن جاؤ گے۔
- سب سے بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے حواس میں رہے۔ اور سب سے بڑا بُردبار وہ ہے جو قابو پانے کے بعد معاف کردے۔
- سب سے زائد نیک بخت وہ ہے جو بزرگوں کا ہم نشین ہو۔

مسلمانوں پر مسلمانوں کے پانچ حقوق ہیں۔

- جب تو کسی سے ملے تو سلام کہے۔
- اور جب وہ تجھے دعوت دے تو دعوت کو قبول کر۔
- جب تجھ سے مشورہ چاہے تو اسے صحیح مشورہ دے۔
- جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کر۔
- اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔

علم کو محفوظ کر لیا کرو۔
پوچھا گیا یارسول اللہ کس طرح۔
آپ نے فرمایا: اُسے لکھ کر رکھ لو۔

- حرص دنیا میں رنج و غم اور دنیا سے بے نیازی میں قلب و جسم کی راحت ہے۔
- حرص وہ شے ہے جو دانشور کے دل سے حکمت کو نکال دیتی ہے۔
- بدترین شخص وہ ہے جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ اس کی تکریم کریں۔

نعت

سید مہدی حسن حیرت الہٰ آبادی

مرے لب پہ جب سے درود ہے مرے پہ جب سے سلام ہے
میں پناہِ رحمتِ کل میں ہوں مری صبح ہے مری شام ہے

غمِ ہجرِ شہرِ حضورؐ کا مرے دل میں جب سے قیام ہے
مرے گھر میں چھٹکی ہے چاندنی مرے گھر میں ماہِ تمام ہے

مرے آگے ہیچ تونگری، مرے آگے ہیچ شہنشہی
میں تو خاکِ پائے رسولؐ ہوں، مرا سب سے اونچا مقام ہے

یہ مرے حضورؐ کا مرتبہ جہاں جھک کے رہتا ہے عرش بھی
جہاں کہکشاں بھی ہے گردِ رہ وہ مرے نبیؐ کا مقام ہے

مجھے ڈر نہیں ہے کسی کا اب وہ ازل ہو یا کہ وہ ہو ابد
مری جاں ہے تابعِ مصطفیٰؐ مری روح انؐ کی غلام ہے
یہاں اب خزاں کا گزر نہیں یہ تو باغِ دیں ہے حضورؐ کا

یہاں قمریوں کی زباں پر ہمہ وقت اُن پہ سلام ہے
کبھی حدِ وہم و گماں کو ذرا پار کر کے تو دیکھئے

وہی بخشوائے گا حشر میں وہی مومنوں کا امام ہے
میں بتاؤں کیا تجھے ناصحا کہ سرورِ عشقِ نبیؐ ہے کیا

جو غمِ نبیؐ کا ہو کیف تو وہی بیخودی کا مقام ہے
اسے زندگی کا الم نہیں اسے حشر کا کوئی غم نہیں

یہ حقیر حیرتؔ بے نوا بھی تو امتی ہے غلام ہے

الله

روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی (القرآن)

محترم السلام علیکم!

قدرت کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ پریشان حال انسانوں کے لئے میرے مشورے سکونِ قلب اور راحتِ جسم و جاں کا ذریعہ ہیں۔ میں کئی سال تک سوچتا رہا کہ کوئی ایسا کام کر جاؤں جو اللہ کی مخلوق کے لئے مفید ہو۔ قدرت کو میری التجائیں میری دعائیں اور میری کوششیں پسند آئیں اور کتاب

رنگ اور روشنی سے علاج

چھپ گئی۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

مارچ ۱۹۷۸ء

قیمت/۲۵ روپے

رنگ روشنی سے علاج ننانوے فیصد کامیاب ہے۔ رنگین پانی کو معدہ جذب نہیں کرتا بلکہ یہ پانی براہ راست خون میں اور اعصاب میں شامل ہو جاتا ہے جب رنگ اور روشنی سے تیار شدہ پانی خون کے اندر گردش کرتا ہے اس وقت رگوں، نسوں اور گوشت پوست کے اندر اس کا رنگ اور اس کی روشنیاں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح مرض سے رِی ایکشن کے بغیر شفا ہو جاتی ہے۔

مکتبہ تاج الدین باباؒ

1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸
پوسٹ بکس ۲۲۱۳

قبلے کی سمت معلوم کیجیئے

مولانا ابوالکلام آزاد

نماز ادا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا نماز کی شرائط میں شامل ہے۔ اسی ضرورت کے تحت اور جہاز رانی کیلئے اور مختلف علاقوں کے نقشے بنانے نیز مختلف ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانے کیلئے مسلمان ہمیشہ ہر وقت سرگرداں رہا کرتے تھے۔ ان کے بڑے اور چھوٹے سب ہی اسلام کو عام کرنے کی کوشش و سعی میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔ ان کی جستجو، لگن، خلوص، دین سے لگاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق دین مبین کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے کے جذبے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی سے نوازا تھا۔ ان کے علم ہندسہ، جغرافیہ و فلکیات وغیرہ کے تیار کردہ قواعد و حسابی فارمولے آج بھی مستعمل ہیں۔ اور صحیح مانے جاتے ہیں۔ دنیا کے مغربی کنارے کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ "جزائر خالدات" (جس کے نام کو بگاڑ کر اب "کیری آئی لینڈ" رکھ دیا گیا ہے۔ یہی آخری کنارہ ہے یہی وجہ تھی کہ البیرونی نے بھی اسی مقام کو صفر درجہ طول البلد قرار دیتے ہوئے دنیا کے نقشے پر تمام خطوط طول البلد و عرض البلد ڈالے تھے الادریسی نے بھی اس ہی مقام کو صفر درجہ طول البلد قرار دیا تھا۔ یہ تو ۱۸۸۴ء کی بات ہے کہ یورپ کے ممالک میں جب ہر طرف افرا تفری پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک اپنے آپ کو دوسرے سے سبقت لے جانے والا گردانتے لگا تھا تو ہر ملک کے سربراہ نے اپنے ہی ملک کے دارالخلافہ کو صفر درجہ طول البلد قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت کوئی معیار باقی نہ تھا۔ اس افراتفری اور بڑبونگ کے زمانے میں بالآخر ایک کانفرنس واشنگٹن میں منعقد ہوئی جس میں کافی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ "خالدات یعنی قدیم (صفر درجہ) معیاری مرکزی" البیرونی و الادریسی۔ والے طول البلد کو جو کہ "کیری آئی لینڈ" سے گزرتا ہے ہٹا کر لندن کے شہر کے ایک محلے کو جس کا نام گرین وچ ہے اور جہاں برطانوی شاہی رصدگاہ محکمہ موسمیات کا دفتر قائم ہے۔ اس کو صفر درجہ طول

البلد قرار دے دیا جائے۔ تو آج جس صفر درجہ طول البلد سے ہم مشرقی ممالک اور مغربی ممالک کا تعین کرتے ہیں۔ یا طول البلد کی گنتی گنتے ہیں۔ یہ صفر درجہ والا خط ۱۸۸۴ء میں واشنگٹن کی ایک کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ جس کے تحت "گرین وچ" واقع لندن شہر کو صفر درجہ طول البلد قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے گرین وچ کو کوئی جانتا نہ تھا اور نہ کوئی اس کے نام سے واقف تھا۔

الادریسی اور البیرونی کے بنائے ہوئے نقشوں کے طول البلد اور موجودہ طول البلد میں ۲۶ درجات کا فرق ہے۔ اگر کسی پرانے نقشے سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو تمام طول البلد میں ۲۶ درجہ کا فرق محسوس ہوگا۔ کیونکہ بعد کے آنے والوں نے مسلمانوں کی ہر ہر نشانی کو جس طرح سے مٹانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اس صفر درجہ طول البلد کے خط کو بھی اصل مقام سے ہٹا کر اپنے شہر میں پہنچا دیا۔

سورج کی مدد سے صحیح سمت قبلہ معلوم کرنا بے حد آسان ہے اس لئے کہ سال میں ۲ دن ۲۸ مئی اور ۱۶ جولائی ایسے آتے ہیں جبکہ مکہ معظمہ میں نصف النہار کے وقت سورج مسجد الحرام کے ٹھیک اوپر عمودی زاویے پر ہوتا ہے اور ہر ملک ہر مقام اور ہر جگہ سے (جہاں پر بھی اس وقت دن ہو) ہر چیز کا سایہ مکہ مکرمہ کی جانب ہوتا ہے خواہ وہ مقام مکہ سے مشرق میں ہو یا مغرب میں شمال میں ہو یا جنوب میں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کمرہ کی چھت میں بجلی کا بلب لگا ہوا ہو اس کے نیچے فرش پر ایک لاٹھی کھڑی کریں تو اس کا سایہ بالکل نہ ہوگا۔ اس جگہ سے ہٹ کر کچھ دور کمرہ میں اگر کسی اور جگہ لاٹھی کھڑی کریں تو اس کا سایہ ہوگا اور اس سایہ کی سیدھ ٹھیک اس طرف ہوگی جہاں پر بلب کا سہاول گر رہا ہے۔

اگر آپ ان مذکورہ تاریخوں میں کسی جگہ سمت قبلہ معلوم کرنا چاہیں تو مکہ مکرمہ کے نصف النہار کے وقت (خواہ اس وقت آپ کے ملک میں جو کچھ بھی وقت ہو) مجوزہ جگہ پر ایک بانس سیدھا کھڑا کر دیں اس بانس کے سایہ کی سیدھ میں جتنی لمبی لائن یا خط آپ مناسب سمجھیں کھینچ لیں یہی خط قبلہ کا رخ ہے۔ اس لائن یا خط کے مطابق مسجد کی وہ دیوار بنے گی جو ہمارے ملک میں مساجد میں مشرق سے مغرب کی جانب ہوتی ہے۔ اور اس خط یا لائن سے زاویہ قائمہ پر مسجد کے سامنے کی دیوار یعنی (دیوار محراب مسجد) اور صفیں بنائی جائیں گی۔

احادیث نبویؐ

- کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔
- جسے سلامتی کی ضرورت ہو اسے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔
- جو نرمی سے محروم ہوا وہ نیکی سے بھی بالکل محروم رہا۔
- مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔
- دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے۔
- ایمان کے دو نصف ہیں۔ نصف صبر اور نصف شکر۔

یہ عمل ۲۸ مئی کو پاکستان میں ۲ بجکر ۱۸ منٹ پر کرنا چاہیے۔ اور ۱۶ جولائی کو ۲ بجکر ۲۶ منٹ پر کرنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے ۲۸ مئی یا ۱۶ جولائی سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد یہ عمل کیا جائے یا مذکورہ وقت میں دو چار منٹ کی دیر سویر ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس تاخیر یا تقدیم سے زمین پر قائم کردہ خط پر نہایت معمولی فرق پڑتا ہے۔ مگر مناسب یہی ہے کہ تاریخ اور وقت کا اہتمام کیا جائے۔

سمت قبلہ کیلئے ۲۸ مئی اور ۱۶ جولائی کی تاریخیں یاد رکھیں۔

مکہ مکرمہ کا طول البلد = ۳۹.۴۹.۲۹.۱
عرض البلد = ۲۱.۲۵.۱۶ پاکستان اور سعودی عرب میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔

نعت

تیری ذات مظہرِ عدل کل، تیرا وصف عین کمال ہے
تیری حمد کیسے کروں بیاں میری زندگی کا سوال ہے

کسی خضرِ راہ سے پوچھیے، کسی اہلِ عشق سے جانیے
وہ کہاں نہیں، وہ کہیں نہیں، یہ یقین ہے کہ خیال ہے

کبھی عقل و فہم سے ماورا کبھی قلب و روح سے بھی قریں
تیری بزم جلوہ نواز میں نہ فراق ہے نہ وصال ہے

جو کسی کا کوئی نہ ہو سکا تو ترے کرم نے کرم کیا
مری معصیت کا طلسم بھی، تری رحمتوں کا کمال ہے

تری مدحِ پاک ہو کیا ادا تو خیال و وہم سے ماورا
تری ابتدا ہے نہ انتہا، ترا ایک ماضی و حال ہے

اُسے زیبِ سجدۂ بندگی، اُسے زیبِ عظمتِ دائمی
وہ کہیں نمازِ حسینؓ ہے وہ کہیں اذانِ بلالؓ ہے

(حضرت شاہ انصار الہ آبادی)

ہندو دشمن اورنگ زیب ...؟

مقبول احمد دہلوی۔

بھارت کے انتہا پسند ہندو مغل بادشاہ محی الدین عالمگیر اورنگزیب کو ہمیشہ برے نام سے یاد کر کے اسے بدنام کرتے ہیں اور اس کو ہندو دھرم کا مخالف، کٹر دشمن اور بت شکن۔ کہہ کر کسی نہ کسی انداز میں اس پر کیچڑ اچھالتے رہے ہیں۔ لیکن اورنگزیب عالمگیر کو بدنام کرنے والے اپنے ناپاک ارادوں میں ہمیشہ ناکام رہے ہیں کیونکہ تاریخ ہمیشہ حقائق کو ظاہر کرتی ہے۔ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے تعمیر کردہ ایک مندر کا انکشاف ایک ہندو پجاری کی تاریخی دستاویزات کے حوالے سے کیا ہے۔

"چترکوٹ کے ایک چھوٹے سے پجاری نارائن اس۔ کے پاس دو ہی قیمتی چیزیں ہیں ایک سونے کی مورتی جسے وہ "بالاجی" مہاراج۔ کی مورتی کہتے ہیں اور دوسری قیمتی چیز مغل بادشاہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کا ایک شاہی فرمان ہے۔ مندر کے پجاری پنڈت نارائن داس کا یہ روز کا معمول ہے کہ سورج طلوع ہوتے ہی وہ مورتی کو اشنان (غسل) کراتے ہیں اور ہندو رسم و رواج کے مطابق بھگوان رام کے بھجنوں کے دوران (ورد کرتے ہوئے) اس قیمتی مورتی کو اسکے اصل مقام پر حفاظت سے رکھ دیتے ہیں۔ لیکن بادشاہ اورنگزیب کے شاہی فرمان کی دستاویز کی حفاظت اور دیکھ بھال میں وہ ہمیشہ کچھ زیادہ ہی محتاط رہتے ہیں۔ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے شاہی فرمان کو وہ سنبھال کر ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر مورتی کے تخت کے نیچے رکھتے ہیں۔ اور اس شاہی فرمان کی زیارت صرف ان ہی مخصوص اور گنے چنے معتقدین کو کرائی جاتی ہے جو گزشتہ کئی پشتوں سے اور عرصہ دراز سے مندر کی زیارت کیلئے آ۔۔۔رہتے ہیں یا انہیں جو معزز شخصیتیں (وی آئی پی) کہلاتی ہیں۔ شہنشاہ اورنگزیب کا یہ شاہی فرمان بھی اتنی شہرت اور مقام حاصل کر چکا ہے جو بقول پجاری نارائن داس اس قدیم سونے کی مورتی کو حاصل ہے جسے دیکھنے کیلئے بھارت کے دور دراز علاقوں سے روزانہ سینکڑوں ہندو

عورتیں، مرد، بوڑھے، جوان اور بچے اس مندر میں آتے ہیں۔

سترہویں (17 ویں) صدی کے اس شاہی دستاویز کی ابتدا اس طرح ہے۔

اللہ اکبر

اس شاہی فرمان کے ذریعہ بالاجی مندر اور اسکے موجودہ قائم مقام مہنت (پجاری) بالک داس کو شاہی پناہ دیجاتی ہے اور نگزیب کے دور حکومت کے 35 ویں سال ماہ رمضان المبارک کی 19 ویں تاریخ (19 جون 1691ء) کو یہ فرمان شاہی جاری کیا گیا۔ (شاہی مہر)

مسلم بادشاہ اورنگزیب کا یہ شاہی فرمان اب چترکوٹ کے گھر گھر میں کہاوتوں اور کہانیوں کا ایک حصہ بن چکا ہے کہ یہ مسلمان بادشاہ حقیقی معنوں میں ایک خدا ترس، خدا خوف اور انصاف پسند حکمران تھا۔ ہندو اور مسلمان سب کے ساتھ انصاف کرتا اور سب کو ایک نظر سے دیکھتا تھا۔ روایت کے مطابق جب بادشاہ اورنگزیب نے ہندوؤں کے شیو مندر کے قریب بہتی ہوئی مندر ندی کے کنارے اپنی فوج کو ستانے کی غرض سے روک رکھا تھا تب شیو مندر کی خستہ حالی کو دیکھا تو اسے دوبارہ تعمیر کرایا اور فوج کو حکم دیا کہ مندر کی حفاظت کی جائے۔

چترکوٹ کی ایک بزرگ ترین شخصیت حفیظ الدین خان نے بتایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیو مندر بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوا تھا اور مندر کے رکھ رکھاؤ اور دیکھ بھال کیلئے آٹھ گاؤں بھی جاگیر کے طور پر عطا کئے تھے۔ اس واقعہ پر گاؤں کے لوگوں کو اتنا یقین ہے کہ مندر سے متعلق کسی بھی کاغذی کترن (دستاویز) کو بادشاہ اورنگزیب کا شاہی فرمان تصور کیا جاتا ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ 1889ء میں ایک انگریز جج کی جانب سے جاری کیا گیا ایک عدالتی حکم نامہ بھی مغل دستاویز مانا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی خوبصورت فارسی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ کچھ دستاویزات تو دھات کے پتروں پر کندہ ہیں جس پر مندر کو دی جانے والی امدادی رقم کا بھی ذکر ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تاریخ کے شعبہ کے پروفیسر ڈاکٹر اطہر علی اور ڈاکٹر شیریں موسوی کی نمائندگی میں دستاویز کی نہایت باریک بینی سے چھان بین کرنے کے بعد اور گہرے مشاہدے کے بعد پروفیسر عرفان حبیب جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے معروف مورخ ہیں اس قدیم دستاویز کے پڑھے جانے والے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ شاہی فرمان کے مطابق:

"مصاحب کو ہدایت دی جاتی ہے کہ بالک داس پجاری کو دی جانے والی زمین کی حدود طے کی جائیں۔۔ اور لکھا ہے کہ اس فرمان پہ انتظام مستقل طور پر کیا جانے اور مستقبل میں بھی اس فرمان پہ شاہی عمل کیا جائے۔۔ آگے لکھا گیا ہے ......

"اس زمین پہ مال گزاری اور دوسرے ٹیکس نہیں لگیں گے ...

فرمان شاہی کے مطابق "یہ حقوق پشت در پشت جاری رہیں گے۔ اس فرمان میں ان آٹھ گاؤں کا بھی ذکر ہے جن کی آمدنی مہنت (پجاری) کو ملے گی۔ شاہی دستاویز پہ آخر میں اورنگزیب کے وزیر مالیات سعادت علی خان کے دستخط اور انکی شاہی مہر لگی ہے اور اس دستاویز کا کاتب "بہبر علی خان" ہے۔

آج کے مشہور مورخ اطہر علی، عرفان حبیب اور شیریں موسوی کا کہنا ہے کہ یہ فرمان نایاب اور قیمتی ہے۔ کیونکہ شاہجہاں اور اکبر اعظم کے دور میں تو ایسے غیر مسلم مذہبی مقامات اور شخصیتوں کے عطیات عام تھے مگر اورنگزیب کے دور میں یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اب یہ فرمان شاہی اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ بادشاہ اورنگزیب ہرگز ہندو مخالف نہیں تھے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ دستاویزات اسی شخصیت کی جانب سے جاری کی گئی ہیں جسے بھارت کے ہندو انتہا پسند مسلم دشمن فرقہ پرست "مندر توڑنے والا۔ اور "بت شکن۔ کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ حقیقی معنوں میں خدا خوف مسلمان بادشاہ بھی

ہندو دشمن اور انسان دشمن نہیں ہو سکتا۔

بالا جی مندر کی طرز تعمیر خالص مغلیہ ہے۔ داخلی دروازے پر پھول پتیوں کے ڈیزائن اور آڑی ترچھی بیلوں اور گلدانوں کی خوبصورت ڈیزائننگ کی ہوئی ہے۔ یہ مندر 1683 اور 1686 کے درمیان تعمیر ہوا تھا۔

بھارت کا مسلم وقف بورڈ اس مندر میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ وقف بورڈ نے مندر اور اس کے مغلیہ رشتے سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے حفیظ الدین خان اپنے تمام مندروں کی فہرست تیار کر رہے ہیں جنہیں مغل بادشاہ شاہی خزانے سے عطیات دیتے تھے۔ اور پوری چھان بین کے بعد یہ رپورٹ وقف بورڈ حکومت ہند کے سامنے پیش کرے گا۔

چترکوٹ کے لوگوں کو اس مندر پر بڑا فخر ہے۔ گزشتہ 65 سال سے مندر میں روزانہ آرتے جگت دوار کا پر شاد نے اس نمائندے کو نہایت فخریہ لہجہ میں کہا؟

"جاؤ ایودھیا کے لوگوں کو جا کر بتا دو تمہارے بھگوان ایسے مندر میں رہتے ہیں جسے مسلمان بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے تعمیر کرایا تھا۔ اورنگزیب عالمگیر بادشاہ کو بدنام کرنے والے فرقہ پرست صحیح تاریخ پڑھیں اور حقائق کو چھپا کر یا جھٹلا کر کبھی کوئی بات نہ کریں۔ ایسا کرنا پاپ ہے۔ جسے بھگوان کبھی معاف نہیں کرے گا۔

نوعِ انسان کی تاریخ ہمیں ببانگِ دہل بتا رہی ہے کہ زمین پر وہی قومیں حکمت اور دانشوری سے سرفراز کی گئی ہیں جو اللہ کی پھیلائی ہوئی نشانیوں میں غور کرتی ہیں۔ دنیا کی بادشاہت کا سہرا انہیں افراد کے سر پہ سجتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی عقل و فہم کو استعمال کرتے ہیں اور عقل و حکمت اور علم و حلم سے خود کو آراستہ کرتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اگر زمین کے پیٹ میں جاری و ساری چشمے سوکھ جائیں تو کون ہے جو انہیں دوبارہ جاری کر سکتا ہے۔

ذرا سوچو، اگر اللہ رات کا دامن پھیلا کر اسے قیامت کے وقت سے ملا دے تو کیا اللہ کے بغیر کوئی اور طاقت ایسی ہے جو تمہیں اس ظلمات سے بچا سکے اور اگر خدا دن کو قیامت تک طویل کر دے تو کیا اللہ کے بغیر کوئی طاقت ایسی ہے جو تمہیں سکون کی نیند اور رات کی آسودگیاں عطا فرمائے۔ جلی ہوئی خشک، ویران اور بنجر زمین پہ جب بارش برستی ہے تو زمین کے اندر سے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت اُگ آتے ہیں جو رنگ، خوشبو اور ذائقہ میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ کیسا کمال ہے، ایک ہی پانی مختلف ڈائیوں (…) میں جا کر رنگ و روپ اور ذائقوں میں مختلف ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بات ہمیں غور و فکر کی طرف مائل نہیں کرتی کہ شہتوت پہ آم کیوں نہیں اُگتے اور آم کے درخت پہ آڑو کیوں نہیں اُگ آتے آڑوؤں کے درخت سے بیر کیوں نہیں اُتر آتے۔

(از تجلیات)

سیرت النبی بعد از وصال النبی

قارئین کرام!

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایسے نبی کی اُمت میں پیدا ہوئے جو نہ صرف اپنی حیات میں رحمۃ العالمین کہلائے اور ثابت ہوئے بلکہ بعد از وصال بھی رحمتوں برکتوں اور نوازشوں کا سلسلہ جاری وساری رہا اور ۱۴۰۰ سال گزر جانے کے باوجود ہنوز باقی ہے اور تاقیامت آپ کے فیض، رشد و ہدایت تعلیم و تلقین اور اظہار معجزات جاری وساری رہیں گے۔

سیرت النبی بعد از وصال النبی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خود آپ کا ارشاد ہے۔ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا، مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔" قارئین روحانی ڈائجسٹ کی روحانی تعلیم کے لئے ہم سیرت النبی کے وہ پہلو اجاگر کر رہے ہیں جو بعد از وصال ظہور پذیر ہوئے فی الوقت اس سلسلے میں چند تاریخی واقعات رقم کئے جا رہے ہیں مگر آئندہ ہماری کوشش ہوگی کہ ایسے خوش قسمت قارئین بھی اس میں حصہ لیں جنہیں زیارت نصیب ہوئی ہو وہ اپنے خواب ہمیں لکھ بھیجیں۔ خوابوں کو تحریر کرنے میں انتہائی احتیاط لازم ہے کہ جھوٹے خواب گھڑنے والوں کا ٹھکانہ جہنم کو قرار دیا گیا ہے۔

ہمیں اپنے معزز اور ذی فہم قارئین سے بھرپور تعاون کی امید ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی جب وصال فرما گئے تو حضرت شاہ ابو سعید مجددی آپ کی خانقاہ مجددیہ دہلی کے جانشین مقرر ہوئے۔ ایک مرتبہ خانقاہ میں لوگوں کے درمیان نزاع کی صورت پیدا ہو گئی۔ رات کے وقت ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار لگا ہوا ہے اور خانقاہ مجددیہ کا جھگڑا آپ کے سامنے پیش ہے۔ آپ نے حکم فرمایا کہ فلاں فلاں شخص کو خانقاہ سے نکال دیا جائے۔ مرید کو ڈر ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں میں کہیں میرا نام بھی نہ لے دیں۔ اس ڈر سے آنکھ کھل گئی۔ تہجد کے وقت وہی مرید حضرت ابو سعید کو وضو کرا رہا تھا کہ انہوں نے مرید کی طرف دیکھ کر مسکرا کر فرمایا کہ گھبراتے کیوں ہو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

تمہارا نام تو نہیں لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابو سعید نے ان تمام درویشوں کو خانقاہ سے نکل جانے کا حکم دیا جن کے نام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گنائے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۹۶ھ میں ہوئی اور وصال عید کے دن ہفتہ کے روز ۱۲۵۰ھ میں ریاست ٹونک میں ہوا۔ یہاں سے میت دہلی لائی گئی جہاں ان کو پیر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ایک بار خواب میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے منہ میں تین چھوارے دیئے اور بہت محبت اور شفقت سے کھلائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو ان کی شیرینی آپ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی۔ اس کے بعد ایک روز سید صاحبؒ نے خواب میں حضرت علیؓ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کو دیکھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو اس طرح نہلایا جس طرح باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں اور حضرت بی بی فاطمہؓ نے اپنے دست مبارک سے ایک لباس فاخرہ آپ کو پہنایا۔ اس کے بعد طریقہ نبوت کے کمالات آپ سے ظاہر ہونے لگے۔

رمضان المبارک ۱۲۲۲ھ کی ۲۱ تاریخ کو حضرت سید احمد شہید حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ لیلۃ القدر کب آنے کی۔ رات بھر عبادت گزاری معمول تھا۔ استفسار سے مقصود غالباً یہ تھا کہ اس خاص رات جاگنے کا خاص انتظام کیا جائے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا "فرزند عزیز! شب بیداری کا معمول جاری رکھو۔ یہ بھی واضح رہے کہ محض جاگتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ پاسبان ساری راتیں آنکھوں میں گزار دیتے ہیں مگر انہیں فیض آسمانی کب نصیب ہوتا ہے۔ خدائے برتر کا فیض شامل حال ہونا چاہیے۔ نصیبہ یاوری کرے تو انسان کو سوتے سے جگا کر دامن طلب برکات کے موتیوں سے بھر دیا جاتا ہے۔

سید صاحب قیام گاہ پر چلے گئے ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۲۲ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۸۰۷ء کو عشاء کے بعد بے اختیار نیند آگئی۔ رات کا ایک حصہ باقی تھا کہ اچانک کسی نے جگایا۔ اٹھے تو دیکھا کہ دائیں بائیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ تشریف فرما ہیں اور زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہیں "احمد اٹھ اور غسل کر۔ آج شب قدر ہے۔ خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا و مناجات کر۔" اس کے بعد یہ دونوں بزرگ تشریف لے گئے۔ سید صاحبؒ کا قیام اکبر آبادی مسجد دہلی میں تھا۔ دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی برف ہو رہا تھا اس سے غسل کیا اور کپڑے بدل کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ سید صاحبؒ نے بارہا فرمایا کہ اس رات مجھ پر افضال الہٰی کی عجیب بارش ہوئی اور حیرت انگیز واردات روح افروز ہوئیں۔ بصیرت باطنی اس طرح روشن ہو گئی کہ تمام درخت، پتھر اور دنیا کی ہر چیز سجدہ میں تھی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول مگر ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ صبح کی اذان تک یہی کیفیت رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ عالم غیب کا معاملہ تھا یا عالم شہادت کا یعنی عالم رویا میں سب کچھ پیش آیا یا عالم اجسام میں۔ صبح میں نے شاہ صاحبؒ سے سب حال بیان کیا۔ آپ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی رات تم اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ اس وقت سے ترقیات و علو درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

مسلمان کی اوسط عمر ۶۰ اور ۷۰ برس کے درمیان ہوتی ہے۔ جس مسلمان نے شب قدر پالی گویا اس نے ایک ہزار ماہ (۸۳ سال ۴ ماہ) عبادت میں گزارے۔ لیلۃ القدر میں ۹ حروف ہیں اور یہ تین بار سورہ قدر میں استعمال ہوا ہے اس حساب سے بھی ۹ × ۳ = ۲۷ رمضان کی شب، شب قدر یا لیلۃ القدر بنتی ہے۔ اسی طرح حجاج جو خرچ کرتے ہیں اس کے مقابلے میں جو کمائی کر کے لاتے ہیں آپس میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ہم اپنے محلہ کی مسجد میں پنج وقتہ امامت سے نماز ادا کریں تو اس طرح ۸۰ سال کی عبادت میں جو ثواب کمائیں گے بیت اللہ شریف میں ایک ہفتہ کی نماز یعنی ۳۵ با جماعت نمازوں کا ثواب اتنا ہو گا کیونکہ وہاں ۲۵ کے بجائے ایک لاکھ گنا ثواب ہے ایک فرض نماز با جماعت کا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ان کے استاد حضرت مولانا قلندر صاحبؒ جو جلال آباد میں رہتے تھے وہ صاحب حضوری تھے یعنی ان کو روزانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی تھی گو اللہ تعالیٰ کے بندے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آپ کی زیارت بیداری میں بھی ہوتی رہتی ہے لیکن خواب میں زیارت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا قلندر صاحبؒ جب مدینہ شریف جا رہے تھے تو کسی غلطی پر اپنے جمال کو جو ایک نوجوان شخص تھا، تھپڑ مار دیا بس اسی روز سے زیارت بند ہو گئی۔ انہیں اس کا بڑا غم ہوا۔ اس غم کو وہی جانتا ہے جس کو کچھ ملا ہو اور پھر لے لیا جائے۔ جس کو کچھ ملا ہی نہ ہو وہ کیا جانے۔ اسی غم میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کے مشائخ سے رجوع کیا مگر سب نے کہا کہ ہمارے بس سے باہر ہے۔ البتہ ایک مجذوب عورت کبھی کبھی روضہ اطہر (علیٰ صاحبہا صلوٰۃ و سلاماً) کی زیارت کیلئے آتی ہے وہ برابر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی ہے وہ کبھی آئے اور توجہ کرے تو انشاء اللہ پھر زیارت نصیب ہونے لگے گی۔ وہ اس مجذوب کے منتظر رہے۔ ایک دن وہ بی بی آئیں۔ ان سے انہوں نے عرض کیا تو انہیں ایک جوش آیا اور اسی جوش میں انہوں نے روضہ اقدس کی طرف اشارہ کر کے کہا "شف یعنی دیکھ"۔ انہوں نے جو اس وقت نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جاگتے میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد وہی کیفیت حضوری کی جو جاتی رہی تھی پھر حاصل ہو گئی۔ گو تھپڑ مارنے کے بعد مولانا نے اس کی معافی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس حرکت کا یہ وبال ہوا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ لڑکا سید زادہ تھا۔

مخدوم احمد سندھیؒ کے مشہور صوفی درویش گزرے ہیں۔ ہالا کندی ضلع حیدرآباد (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ شریعت و سنت کی اتباع میں بہت کوشش کرتے تھے۔ ان کے استاد مولانا عبدالرشید نے ان سے فرمایا کہ ایک سال بعد اہل ورد میں سے ایک شخص تم سے ملے گا جس کی وجہ سے تم پر بے حد خوف طاری ہو گا لیکن انشاء اللہ انجام بہتر ہو گا۔ ایک سال بعد ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ میرے لئے پانچ ٹکڑے لاؤ۔ آپ نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا۔ اس نے پانچ روٹیاں لا کر مجذوب کے سامنے رکھ دیں۔ مجذوب نے ان کو کھانے کے بعد مخدوم احمد سے الفراضا کہا ایسا معلوم ہوتا ہے تمہیں ہمارا کام کرنے میں شرم آتی اس لئے اپنی جگہ سے نہ اٹھے اور خادم کو حکم دیا اس لئے یہاں سے جہاں بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ مجذوب کی بات سے آپ پر خوف طاری ہو گیا اور اٹھ کر عبادت کے حجرے میں چلے گئے۔ حجرہ میں جس طرف بھی دیکھتے مجذوب شیر پر سوار حملہ کرتا دکھائی دیتا جس سے وحشت اور بڑھ گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلوت، جلوت، گھر میں، باہر غرض ہر جگہ مجذوب کی شکل آپ کو نظر آتی اور ایک لمحہ کیلئے بھی یہ شکل غائب نہ ہوتی جس کی وجہ سے سخت افسردہ رہنے لگے۔ چند روز بعد آپ کے شیخ مخدوم ذکریا علی اکبر الفصیح آپ کی خدمت میں آنے اور عرض

کیا کہ رات میں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس دیوانے مجذوب سے فرما رہے ہیں کہ مخدوم ہماری شریعت کے ادب کو خصوصیت سے ملحوظ رکھتا ہے اور تم اس سے دشمنی رکھتے ہو۔ ابھی جاؤ اور اس سے معافی چاہو۔ ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ مجذوب دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا۔۔آپ نے اسے معاف کر دیا۔

حسّان الوقت مولانا سیّد محمد محسن متخلص بہ محسن (محسن کاکوروی) ابن مولوی شاہ حسن بخش ابن شاہ حسین بخش شہید ابن حضرت شاہ میر محمد قلندر عرف میراں میاں برادر خورد حضرت شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرہ، کاکوروی (ضلع لکھنؤ) میں ۱۲۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ نظر محمد تاریخی نام تھا۔ شاہ کرامت علی قلندر کے مرید تھے دس سال تک جد امجد کے سایہ عاطفت میں رہے۔ اسی زمانہ میں بعمر ۹ برس خواب میں شرف بیعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوا اور اسی زمانہ میں دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زبان مبارک آپ کے منہ میں دی جس کے اثر سے نعت گوئی کا شوق پیدا ہوا اور خاص و عام میں بہت مقبول ہوئے۔ اس سے بڑھ کر مقبولیت کی دلیل کیا ہے کہ ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ دربار رسالت ہے اور دیگر مداح اپنے اپنے قصائد پڑھ رہے ہیں۔ وجہ تخلیق آدم خاکی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مولوی حسن کا سراپا سناؤ وہ اچھا ہے اور ہمارے یہاں مقبول ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک آگرہ میں وکالت کرتے رہے۔ پھر مین پوری چلے گئے جہاں وکالت خوب چلی۔ فن شاعری میں تلمذ مولوی ہادی علی اشک بھنوری سے تھا۔ آپ نے جب سے قصیدہ ومدیح خیر المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا جو عوام میں "بادل والے قصیدے" کے نام سے مشہور ہے جس کا پہلا شعر ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اور جو ہندی طرز فکر کے نعتیہ کلام کی اچھوتی مثال ہے اور جو نعتیہ ادب میں بڑی شہرت رکھتا ہے کیونکہ اس میں اسلامی عقائد اور ہندی تصورات کو اس خوبی سے پیوند کیا ہے کہ اس میں ایک خاص تخلیقی شان پیدا ہو گئی ہے اور اس میں عہد کیا ہے کہ۔

ہے تمنا نہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

اس کے بعد سے سوائے نعت کے کل اصناف سخن ترک کر دئیے۔ جامی و نظامی نعت گوئی میں بے مثل گزرے ہیں۔ اگر یہ اردو میں کہتے تو اس سے بہتر نہ کہتے۔ "کلیات نعت" مولوی محمد محسن آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی نور الحسن نیر نے مطبع نامی کانپور سے طبع کرایا۔ ۲۸ صفر بروز دو شنبہ ۱۳۶۳ھ بمقام مین پوری (یوپی۔ بھارت) عارضہ اسہال کبدی بعمر ۸۱ سال وصال فرمایا اور متصل عید گاہ دفن کئے گئے

حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم المتخلص بہ واعظ (۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۵ھ) آپ حافظ جی صاحب گنج والے کے نام سے بھی مشہور تھے۔ جامعہ مسجد گنج کے امام خطیب و مدرس تھے۔ پشاور کا یہ محلہ "حافظ محمد عظیم" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کا جو عالم تھا وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ایک بار آپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے دیدار جمال سے مشرف ہونے کے بعد یہ آنکھیں اب اور کسی کو دیکھنا نہیں چاہتیں۔ جب بیدار ہونے تو نابینا ہو چکے تھے۔ آپ کی نہایت خوب صورت اور موٹی موٹی آنکھیں اب بے نور ہو چکی تھیں سبحان اللہ! کیا عشق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اسی عشق و محبت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی سے نواز دیا تھا بغیر بینائی کے تمام عمر درس و تدریس میں گزری۔ صحاح ستہ کی تمام اسانید زبانی یاد تھیں۔ ۱۲۷۵ھ مطابق ۵۹-۱۸۵۸ء میں وصال فرمایا۔ جنازہ پر لوگوں کا اس کثرت سے ہجوم تھا کہ شہر کے لوگ متعجب تھے کہ اس قدر خلقت کہاں سے آ گئی ہے۔

شیخ عبد اللہ عارف باللہ بدایونی ہنجانی کا سیتھ تھے۔ کم سنی میں اپنے استاد سے بوستان کا سبق پڑھ رہے تھے کہ یہ شعر آیا۔

محل است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

استاد سے اس شعر کے معنی پوچھے اور دریافت کیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ استاد نے کچھ حالات بیان کئے بس قلب پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے۔ اپنے دور کے زبردست بزرگ ہوئے جب آپکی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھانے جس کی چار رکعت تمام سنت نماز عصر سے پہلے کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ لوگ فکر مند تھے کہ ایک بزرگ پہنچے اور نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے فرمایا مجھے اسی جگہ دفن کرنا جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے خواب میں دیدار کے دوران عصاء مبارک زمین پر مارا تھا اور وہاں سے پانی نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ بعد وفات لوگوں نے وہ جگہ تلاش کی تو واقعی وہاں سے پانی جاری تھا چنانچہ بدایوں میں آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

ایک [illegible] بیان کیا کہ جن ایام میں علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری سابق سیشن جج ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب۔ بھارت) و مصنف "رحمۃ اللعالمین" مدینہ شریف میں قیام پذیر تھے۔ ایک دن قاضی صاحب مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور آپ کے ہمراہ مسجد نبوی کے امام بھی باتیں کرتے آ رہے تھے کہ مسجد کے دروازے پر پہنچے جہاں نمازیوں کے جوتے پڑے رہتے ہیں۔ اس جگہ امام صاحب نے بڑھ کر قاضی صاحب کے جوتوں کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کیا اور قاضی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ قاضی صاحب نے تیزی سے امام صاحب کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ جواباً امام صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ ایسا کس کے حکم سے کر رہا ہوں۔ فرمایا "رات خوش بختی سے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابداً ابداً الی یوم القیامۃ کی خواب میں زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور عالم رویا میں آپ نے ارشاد فرمایا" محمد سلیمان میرا مہمان ہے اس کی ہر طرح سے عزت کرنا۔

مدینہ شریف میں حاجی غلام رسول صاحب ہیں جو ۶۰ برس کے لگ بھگ (اب قریب ۸۲ برس کے ہوں گے) سادہ مزاج، عشق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غرقاب، ضعیفوں، کمزوروں، نابیناؤں، لنجوں لنگڑوں، بیواؤں، یتیموں کے کاموں میں مصروف، ہر شخص کو بھائی جی، بھائی جی کے پیارے الفاظ سے تخاطب کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں پچیس سال سے پہلے (اب کوئی ۴۳ سال پہلے کی بات ہے کہ میں جالندھر ڈاکخانہ میں ملازم تھا۔ نوے روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذکر الٰہی کا دلدادہ تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور مجھے مدینہ طیبہ چلے

آنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے اپنی ری کا اظہار کیا تو فرمایا کہ کراچی پہنچ کر اسماعیل غزنوی سے کہنا تو وہ تمھیں یہاں پہنچا دے گا۔ وطن والدین اور عزیز و اقرباء کی سنگین دیوار پھاند کر لاہور پہنچا تا کہ کراچی جاؤں۔ اسٹیشن پر ایک نمک حلال مسافر مل گیا۔ مجھ سے ملتجی ہوا کہ لوٹا گیا ہے۔ بے بس ہے صرف تین روپیہ کی رقم درکار ہے تا کہ اپنے وطن منٹگمری پہنچ جاؤں۔ میں ہمدردانہ جذبے سے پہلے ہی معمور رہتا تھا۔ اس کو اسی وقت تین روپے دے دیئے۔ وہ چالاک انسان میرا ہمدرد بن گیا اور گہرا دوست۔ ہم دونوں نے رات کا کھانا کھایا۔ اس نے کم ظرفی کا ثبوت دیا اور کوئی زہریلی اور سنسنی چیز کھلا کر مجھے مار ڈالنا چاہا۔ صبح ہوئی تو میرا دماغ چکرا رہا تھا اور وہ بدبخت میرا سامان لے کر غائب ہو چکا تھا۔ میں اب اکیلا دیوانوں کی طرح مسافر خانہ میں پڑا تھا۔ سخت پریشان تھا۔ لوگ مجھے پاگل سمجھتے تھے۔ میں خود کو بھی پہچان نہ سکتا تھا۔ پڑا پڑا سو گیا۔ خواب میں پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول اجلال ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ بیمار ہو گیا ہوں۔ ارشاد فرمایا کسی طرح ریل میں سوار ہو جاؤ۔ خان پور کے مقام پر دودھ کا کھویا ملتا ہے وہ کھاؤ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ پس کسی نہ کسی طرح ٹکٹ خریدا اور ریل میں سوار ہو گیا۔ راستہ میں غش آتا رہا۔ یہاں تک کہ خانپور آ گیا۔ وہاں سے دو چار آنہ کا کھویا خرید کر کھایا اور بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق طبیعت سنبھل گئی لیکن اب تک شدت کی گرمی دماغ جھلسا دیتی ہے اور کچھ سوجھتا نہیں۔ مسجد نبوی میں روزانہ حاضری ہوتی ہے۔ جوتا کہیں چھوڑتا ہوں تو تلاش کہیں کرتا ہوں۔ اب الحاج شیخ فضل الٰہی جہلمی مرحوم کی رباط میں مقیم ہوں۔ یوں ہی رین بسیرا ہو رہا ہے۔ چاہتا ہوں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پڑا رہوں۔ (راقم کتاب نے کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کر لیں اور پاکستان چل کر دین اسلام کی اشاعت کریں لیکن میری بات پر موصوف نے چپ سادھ لی۔ سبحان اللہ۔)

STARVAC FLASK

For All Seasons - For All Reasons

رحمت اللعالمین کا اندازِ گفتگو

اوصاف علی واحدی

حضور سرورِ کائنات ؐ جامع کمالات رسول ہیں۔ ہر نبی اور رسول کی خصوصیت ایک دوسرے سے بالکل منفرد تھی مگر حضور ؐ جملہ انبیاء ؑ کے محاسن کا مرقع کمال تھے۔ خوش بیانی بھی ایک وصف ہے۔ امتیاز خاص ہے۔ حضور ؐ کو اس میں بھی ایک امتیازی شان حاصل تھی۔ حضور ؐ کا انداز گفتگو انتہائی دل کش اور معیاری ہوتا تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی ؒ کے الفاظ میں، "گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا۔ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔ آپ ؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے غرض ہر وقت اس کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی" ـــــــ مُلّا واحدی ؒ لکھتے ہیں "آواز شاندار، کلام میں حلاوت۔ نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔ اس طرح بولتے تھے۔ جیسے موتی کی لڑی پرو رہے ہیں۔ باوقار تھے۔ دیکھنے والے کا دل دور سے دیکھ کر کھنچنے لگتا تھا۔ باوجود نرم طبیعت اور منکسر مزاج ہونے کے حضور ؐ کا رعب چھایا رہتا تھا"

بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اطمینان اور خوب صورتی کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے آپ ؐ نے کبھی غصے اور تیزی سے بات نہیں کی۔ انداز گفتگو دل نشین ہوتا تھا۔ اس قدر آہستہ نہیں بولتے تھے کہ سننے والا گفتگو نہ سمجھ سکے۔ بات ہی نہ سن سکے اور نہ اتنی زور سے بولتے تھے کہ آواز ناگوار لگے۔ شیخی کی باتیں نہ کرتے تھے۔ بلکہ علم و حکمت کی باتیں نرمی سے کیا کرتے تھے۔ ہنس مکھ تھے۔ لفظوں کو صحیح طور پر ادا فرماتے تھے۔ زبان کو صحیح طور پر ادا کرنے کی اس قدر تاکید کی ہے کہ فرماتے ہیں۔ قادرِ مطلق اس پر رحم کرے جس نے اپنی زبان کی اصلاح کی ہو۔ دراصل زبان کی غلطی بڑی بنیادی غلطی ہوتی ہے جو طبع نازک پر گراں گزرتی ہے ــــ

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا درود اور سلام ہو، آپؐ نے اپنے اصحاب کو سچائی، اچھائی اور خوش گفتاری کی تعلیم و تربیت دی ہے۔

آپؐ صاحب سیرت بھی تھے اور سیرت ساز بھی۔ آپؐ اپنے اصحاب میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ آخر صحابہ کرام نے مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا۔ جس پر آپ جلوہ افروز ہوتے تھے تاکہ عام لوگ اس امتیاز کے سبب شناخت کی مشکل میں مبتلا نہ ہوں۔ آپؐ خوش طبعی فرماتے تھے، مگر جھوٹ کو قریب نہ آنے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ دربارِ رسالتؐ میں ایک بڑھیا آئی۔ دوران گفتگو میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔ بڑھیا بہت حیران و پریشان ہوئی اور اپنی تشویش کی خاطر متعدد سوال کئے، لیکن آپؐ نے ہر سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

"یہ سچ ہے، بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔ بڑھیا بڑی اداس اور غمگین نظر آئی۔ تو آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: "وہ کتنا بوڑھا تھا" اس تصور کی سچائی سے بڑھیا کی روح خوش ہو گئی۔ چہرہ پھول کی طرح شگفتہ و شاداب ہو گیا۔ اس کے دل کی کلی کھل گئی۔ اب وہ بڑی فرحاں و شاداں نظر آ رہی تھی۔ درحقیقت اس کے دل کے چمن شادابی و بہار آ گئی تھی۔ دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ دنیا کی ہر دل فریبی جنت کی حقیقت کے سامنے، ہیچ تھی۔ حضورؐ کی واضح گفتگو اور ارشاد عالی نے دل و دماغ میں مسرت و کامرانی تسلی و تسکین اور اطمینان کی فضا اور لہر دوڑا دی تھی۔ حضورؐ کے قول پر اس کا کامل یقین تھا۔ حضورؐ کا انداز گفتگو دلکشی اور مسرت آمیز بھی تھا۔ لوگوں کو اعمال نیک کی صورت میں بشارت دینے والا بھی تھا ــــ خیر بہرحال میں عرض یہ کرنا تھا۔

بد زبانی ایک عیب ہے برائی کا مسلسل ارتکاب آدمی کو گناہ گار بنا دیتا ہے۔ اور آدمی اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ بندوں کی نگاہ میں بھی بے وقار ہو جاتا ہے ــــ مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ خوب سوچ کر سمجھ کر اچھے انداز میں گفتگو کیا کرتا ہے اور برائی سے پرہیز کیا کرتا ہے اور ایسے اچھے کام کرتا ہے جن کی بدولت اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ اس کے فکر و عمل سے نیکی دیانت، سچائی، اخلاق اور خدمت خلق کا ظہور ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد رسولؐ ہے: مسکرانا مومن کی عادت ہے اور قہقہہ لگانا شیطان کی عادت ہے (۲) بہت دیر ہنسنے سے خیر و برکت جاتی رہتی ہے۔ (۳) قلبی قوت کم ہو جاتی ہے (۴) افسوس اُس ہستی پر جو کذب بیانی سے لوگوں کا دل خوش کرتا ہے۔ (جو مسلمان مسخرا پن کرے گا، وہ داخل جنت نہ جاتی ہے۔) اسلامی انداز گفتگو میں تہذیب و شائستگی، خوش بیانی اور صداقت اظہار کی بڑی اہمیت ہے۔ مسکرانا مومن کی صفت ہے۔ زندہ دلی اور وسعت قلب و نظر کی علامت ہے۔ خوش گوار باہمی تعلقات کی بنیاد ہے۔ شان مومن ہے باعث خیر و برکت ہے۔ روحانی ارتقا میں معاون ہے غرض کہ بے شمار اخلاقی و روحانی فوائد ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دینی اور دنیا کی نعمتوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے!

تبلیغی امور میں فن خطابت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یاد ہو گی۔ جو فرعون کے پاس جانے سے پہلے مانگی تھی کہ الٰہی! میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میرا کہنا مانیں ــ یعنی زبان میں ایسا اثر دے کہ قلوب انسانی متاثر ہوں۔ حضورؐ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ بے حد خوش بیان تھے۔ آپؐ نے خود اظہار نعمت

کے طور پر فرمایا ہے کہ میں عرب کا فصیح ترین شخص ہوں "انا افصح العرب ...... مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔ خطابت، فصاحت، بلاغت حضورؐ میں ایسی تھی، جس کی مثال نہیں ملتی۔ دوران کلام بھی یہ خوبیاں پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتی تھیں۔ حضورؐ کا انداز خطابت بے انتہا دلکش اور موثر ہوتا تھا۔ چنانچہ احادیث کی کتب میں جو متفرق کلمات رسولؐ ملتے ہیں، وہی حضورؐ کے زور خطابت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات کفار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

مثال: ایک مرتبہ مکہ میں رسول اکرمؐ نے سورۂ والنجم کی آیات پڑھیں اور ان پر چند لفظ کہے، کفار اپنے بس میں نہ رہ سکے اور سجدے میں گر پڑے۔ اسی بنا پر کفار اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیا کرتے تھے کہ آواز نہ جائے۔ کفر ٹوٹ کر ایمان میں نہ بدل جائے۔ حالانکہ اس غلط رویے کو اپنی ذات پر ظلم و ستم، بدقسمتی اور جاہلیت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ــــ دولت ایمان مل رہی ہو اور کفر پر قائم رہیں ــ نعمت تو ایک تھی، مگر دل اندھے تھے، قبولِ حق کی صلاحیت اور توفیق نہ تھی!

رسول اکرمؐ کے خطبات داعی دین، سپہ سالار، فاتح، قاضی، معلم، مبلغ اور پیغامبر کی حیثیت سے موجود ہیں۔ گفتگو کی طرح تقریر میں ندرت اور شکوہ کار فرما ہوتا تھا۔ آپؐ کی شان یہ تھی کہ الفاظ کے گورکھ دھندے پیچ دار تراکیب وغیرہ میں نہیں پڑتے تھے۔ اصل منشا مضامین کو ذہن نشین کرانا ہوتا تھا ــــ مسجد میں خطبہ دیتے تھے تو ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ میدان جہاد میں خطاب فرماتے تو کمان پر ٹیک لگا لیتے تھے۔ تکلف نہ فرماتے، برجستہ بولتے تھے، ضرورت محسوس ہوئی اور بولنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے علم و عرفان کا دریا جوش میں آ جاتا۔

کبھی کبھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بحرِ قلزم کے چشمے ابل رہے ہیں۔ حیات و کائنات کے سربستہ راز عیاں ہونے لگتے تھے۔ حضورؐ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے بھی تقریر کی ہے۔ دوران خطاب آواز میں زیر و بم ہوتا تھا۔ آنکھیں لال ہو جاتی تھیں۔ ہاتھوں اور جسم کو حرکت دیتے تھے۔ کبھی مٹھی بند فرماتے اور کبھی کھولتے تھے ــ خطبات میں بیان توصیف و صفات الٰہی کا ذکر۔ عذاب قبر اور تذکرہ قیامت ــ زہد و تقویٰ اور اخلاق و آداب کا درس ہدایت۔ بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ اپنے ایک حکیمانہ اور ناصحانہ خطبے میں فرماتے ہیں۔

عمدہ کلام اللہ کا کلام ہے۔ عمدہ طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے نئی نئی باتوں سے بچنا۔ نئی باتیں بدعت ہیں اور بدعت گمراہی ہے۔ بدنصیب ماں کے پیٹ میں ہی بدنصیب ہوتا ہے۔ خوش نصیب اُسے کہتے ہیں جو دوسروں سے نصیحت پکڑے۔

خبردار ہو کہ مسلمان سے لڑنا کفر ہے اور اُسے گالی دینا فسق۔

مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض رہے اور خبردار! کذب بیانی سے پرہیز کرنا۔"

ایک مقام پر ارشاد رسولؐ ہوتا ہے۔

"اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ دوسرے اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ہاں خود رسولؐ کو لے جاؤ" یہ کلمات سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بلکہ زار و قطار رونے لگے تھے!۔

رسول پاکؐ کا مندرجہ ذیل جملہ دیکھئے۔ علم و عرفان کا دریا بند ہے۔ اور واقعی آپ ذرا دیکھنے کے قابل ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا درود اور سلام ہو، آپؐ نے اپنے اصحاب کو سچائی، اچھائی اور خوش گفتاری کی تعلیم و تربیت دی ہے۔

آپؐ صاحب سیرت بھی تھے اور سیرت ساز بھی۔ آپؐ اپنے اصحاب میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ آخر صحابہ کرامؓ نے مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا۔ جس پر آپ جلوہ افروز ہوتے تھے تاکہ عام لوگ اس امتیاز کے سبب شناخت کی مشکل میں مبتلا نہ ہوں۔ آپؐ خوش طبعی فرماتے تھے، مگر جھوٹ کو قریب نہ آنے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ دربار رسالتؐ میں ایک بڑھیا آئی۔ دوران گفتگو میں آپؐ نے ارشاد فرمایا، بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔ بڑھیا بہت حیران و پریشان ہوئی اور اپنی تشویش کی خاطر متعدد سوال کئے۔ لیکن آپؐ نے ہر سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

"یہ سچ ہے، بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔" بڑھیا بڑی اداس اور غمگین نظر آئی۔ تو آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: - "وہ کتنا بوڑھا تھا"، اس تصور کی سچائی سے بڑھیا کی روح خوش ہو گئی۔ چہرہ پھول کی طرح شگفتہ و شاداب ہو گیا۔ اس کے دل کی کلی کھل گئی۔ اب وہ بڑی فرحاں و شاداں نظر آ رہی تھی۔ درحقیقت اس کے دل کے چمن شادابی و بہار آ گئی تھی۔ دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ دنیا کی ہر دل فریبی جنت کی حقیقت کے سامنے، ہیچ تھی۔ حضورؐ کی واضح گفتگو اور ارشاد عالی نے دل و دماغ میں مسرت و کامرانی تسلی و تسکین اور اطمینان کی فضا اور لہر دوڑا دی تھی۔ حضورؐ کے قول پر اس کا کامل یقین تھا۔ حضورؐ کا انداز گفتگو دلکشی اور مسرت آمیز بھی تھا۔ لوگوں کو اعمال نیک کی صورت میں بشارت دینے والا بھی تھا — خیر بہر حال میں عرض یہ کر رہا تھا۔

بدزبانی ایک عیب ہے۔ برائی کا مسلسل ارتکاب آدمی کو گناہ گار بنا دیتا ہے۔ اور آدمی اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ بندوں کی نگاہ میں بھی بے وقار ہو جاتا ہے — مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر اچھے انداز میں گفتگو کیا کرتا ہے اور برائی سے پرہیز کیا کرتا ہے اور ایسے اچھے کام کرتا ہے جن کی بدولت اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ اس کے فکر و عمل سے نیکی دیانت، سچائی۔ اخلاق اور خدمت خلق کا ظہور ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد رسولؐ ہے (۱) مسکرانا مومن کی عادت ہے اور قہقہہ لگانا شیطان کی عادت ہے (۲) بے وجہ ہنسنے سے خیر و برکت جاتی رہتی ہے۔ (۳) قلبی قوت کم ہو جاتی ہے (۴) افسوس اس ہستی پر جو کذب بیانی سے لوگوں کا دل خوش کرتا ہے۔ (جو مسلمان مسخرا پن کرے گا، وہ داخل جنت نہ جاتی ہے۔) اسلامی انداز گفتگو میں تہذیب و شائستگی۔ خوش بیانی اور صداقت اظہار کی بڑی اہمیت ہے۔ مسکرانا مومن کی صفت ہے۔ زندہ دلی اور وسعت قلب و نظر کی علامت ہے۔ خوش گوار باہمی تعلقات کی بنیاد ہے۔ شان مومن ہے باعث خیر و برکت ہے۔ روحانی ارتقاء میں معاون ہے غرض کہ بے شمار اخلاقی و روحانی فوائد ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دینی اور دنیا کی نعمتوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے!

تبلیغی امور میں فن خطابت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یاد ہو گی۔ جو فرعون کے پاس جانے سے پہلے مانگی تھی کہ الٰہی! میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میرا کہنا مانیں — یعنی زبان میں ایسا اثر دے کہ قلوب انسانی متاثر ہوں۔ حضورؐ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ بے حد خوش بیان تھے۔ آپؐ نے خود اظہار نعمت

کے طور پر فرمایا ہے کہ میں عرب کا فصیح ترین شخص ہوں انا افصح العرب ...... مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔ خطابت، فصاحت، بلاغت حضورؐ میں ایسی تھی، جس کی مثال نہیں ملتی۔ دوران کلام بھی یہ خوبیاں پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتی تھیں۔ حضورؐ کا انداز خطابت بے انتہا دلکشی اور موثر ہوتا تھا۔ چنانچہ احادیث کی کتب میں جو متفرق کلمات رسولؐ ملتے ہیں، وہی ٹکڑے زور خطابت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات کفار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

مثال: ایک مرتبہ مکہ میں رسول اکرمؐ نے سورۂ والنجم کی آیات پڑھیں اور ان پر چند لفظ کہے، کفار اپنے بس میں نہ رہ سکے اور سجدے میں گر پڑے۔ اسی بنا پر کفار اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیا کرتے تھے کہ آواز نہ جائے۔ کفر ٹوٹ کر ایمان میں نہ بدل جائے۔ حالانکہ اس غلط روی کو اپنی ذات پر ظلم و ستم، بدقسمتی اور جاہلیت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ — دولت ایمان مل رہی ہو اور کفر پر قائم رہیں — نعمت تو نیک تھی، مگر دل اندھے تھے، قبول حق کی صلاحیت اور توفیق نہ تھی!

رسول اکرمؐ کے خطبات داعی دین، سپہ سالار، فاتح قاضی، معلم، جج اور پیغامبر کی حیثیت سے موجود ہیں۔ گفتگو کی طرح تقریر میں ندرت اور شکوہ کار فرما ہوتا تھا۔ آپؐ کی شان یہ تھی کہ الفاظ کے گورکھ دھندے پیچ دار تراکیب وغیرہ میں نہیں پڑتے تھے۔ اصل منشا مضامین کو ذہن نشین کرانا ہوتا تھا — مسجد میں خطبہ دیتے تھے تو ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ میدان جہاد میں خطاب فرماتے تو کمان پر ٹیک لگا لیتے تھے۔ تکلف نہ فرماتے، برجستہ بولتے تھے، ضرورت محسوس ہوئی اور بولنا شروع کر دیا سنتے ہی دیکھتے علم و عرفان کا دریا جوش میں آ جاتا۔

کبھی کبھی معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بحر قلزم کے چشمے ابل رہے ہیں۔ حیات و کائنات کے سربستہ راز عیاں ہونے لگتے تھے۔ حضورؐ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے بھی تقریر کی ہے دوران خطاب آواز میں زیر و بم ہوتا تھا۔ آنکھیں لال ہو جاتی تھیں۔ ہاتھوں اور جسم کو حرکت دیتے تھے۔ کبھی مٹھی بند فرماتے اور کبھی کھول دیتے تھے — خطبات میں بیان توصیف و صفات الٰہی کا ذکر۔ عذاب قبر اور تذکرہ قیامت — زہد و تقویٰ اور اخلاق و معاملات کا درس ہوتا۔ بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ اپنے ایک حکیمانہ اور ناصحانہ خطبے میں فرماتے ہیں۔

"عمدہ کلام اللہ کا کلام ہے۔ عمدہ طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے نئی نئی باتوں سے بچنا۔ نئی باتیں بدعت ہیں اور بدعت گمراہی ہے۔ بدنصیب ماں کے پیٹ ہی سے بدنصیب ہوتا ہے۔ خوش نصیب اسے کہتے ہیں جو دوسروں سے نصیحت پکڑے۔

خبردار ہو کہ مسلمان سے لڑنا کفر ہے اور اسے گالی دینا فسق۔

مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض رہے اور خبردار! کذب بیانی سے پرہیز کرنا۔"

ایک مقام پر ارشاد رسولؐ ہوتا ہے۔

"اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ دوسرے اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ہاں خود رسولؐ کو لے جاؤ۔" یہ کلمات پر اثر سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بلکہ زار و قطار رونے لگے تھے!

رسول پاکؐ کا مندرجہ ذیل جملہ دیکھئے۔ علم و عرفان کا دریا بند ہے۔ اور واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

لوگو! جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم بھی جانتے تو ہنسا کم کرتے اور روتے زیادہ"۔

بجا رے دلوں کو بھی ایمان دیدے
ہمیں ذات کا اپنی عرفان دیدے

بہر کیف ان بے مثال خطبات رسولؐ کے مطالعے سے رسول اکرمؐ کی قدرت بیان اور قابلیت کا مدّ کا مکمل طور پہ اظہار ہوتا ہے۔ تاہم کلام رسولؐ، کلام الٰہی کا ہم پایہ نہیں ہے۔ اللہ کے کلام سے کوئی مماثلت نہیں ہے، جو ایک بڑی دلیل ہے قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے کی اور اللہ کا کلام، بشکل قرآن مجید، یوم قیامت تک کے واسطے، سب کے لئے ہے قرآن وسنت رسولؐ کے عین مطابق فکر وعمل کرنے میں ہی مسلمانوں کی دنیوی فلاح وکامرانی، آخروی کامیابی ونجات کا راز مضمر ہے۔ بقول محمد حسین آزاد: "زندگی کے معنی کھانا، پینا، چلنا اور سو رہنا اور بوڑھے ہو جانا نہیں۔ زندگی کے معنی یہ ہیں کہ صفات خاص کے ساتھ نام کو شہرت عام اور رفتہ بقائے دوام ہو"۔ اور ظاہر ہے کہ جو شہرت وعزت انسان کو اچھے کاموں کی وجہ سے ملتی ہے، اس کو موت کا ہاتھ بھی فنا نہیں کر سکتا۔ اچھی شہرت کو بھی اسلام نے نجات کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔ اور انسان کو اچھی شہرت، حقیقی عزت اسلام کے زرین اصولوں کے عین مطابق عمل کر نصیب ہوتا ہے۔

میں ہوں شیدائے جلوہ معنی
ہیں طلب گار نغمہ زادوں کا

STARVAC FLASK
For All Seasons - For All Reasons

سفر وسیلۂ ظفر

قارئین!
سفرنامہ اردو ادب کی جدید اور ایک پُراثر صنف ہے یوں تو آپ نے کئی سفرناموں کا مطالعہ کیا ہوگا مگر زیر نظر مضمون جس سفرنامے سے ماخوذ ہے اس کے مصنف مولانا محمد اکرم اعوان ہیں جو نہ صرف ایک صاحب طرز ادیب ہیں بلکہ ایک دردمند دل رکھنے والے کامل صوفی بھی اور یہی وجہ ہے کہ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، ڈنمارک اور ناروے کے اس سفرنامے میں آپ کو قدرتی نظارے اور ان ممالک کے بڑے ہوٹلوں کے تذکروں کی بجائے ایک عظیم مقصد اور ایک اہم مشن نظر آئے گا اور ہر ہر سطر میں ایک دردمند صوفی کو معاشرے کی حالت زار پر کف افسوس ملتے اور پھر ایک معالج کی طرح اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے پائیں گے۔ یہی اس سفرنامے کی سب سے اہم اور بنیادی خوبی ہے۔

امریکہ، اس کی تہذیب، امریکہ اور اس کا اقتصادی نظام، امریکہ اور کینیڈا کے چشم دید حالات، یہ سب کچھ ضرور لکھتا مگر ان کا چہرہ اتنا مکروہ، اتنا گھناؤنا اور اس قدر شرمناک ہے کہ لکھنے کی جرات نہیں پاتا اور میں نہ شاعر وادیب ہوں نہ دانشور، کہ اخلاقی پستیوں کو حُسن وعشق کے فسانوں میں سجا کر ان کے برہنہ جسم پر سے اخلاقی جذام کے گہرے گھاؤ ڈھانپ دوں۔ میں نے نہ لکھنے کا فیصلہ کیا ہے شاید یہ میری کمزوری ہے کہ میں لکھ نہیں سکتا۔ برطانوی تہذیب پہ چند صفحات لکھ کر کاٹ دیئے ہیں حالانکہ یہ وہ مناظر تھے جو سرِراہ نظر آتے ہیں۔ پس دیوار کیا ہوتا ہوگا، آپ وہاں کا عالم کیا ہوگا۔ اندازہ کر لیجئے! اخلاقی پستیوں اور تہذیب کی برہنگی میں امریکہ، کینیڈا اور فرانس، ڈنمارک، ہالینڈ، سوئیڈن وغیرہ برطانیہ سے بہت آگے ہیں بلکہ برطانیہ ان ممالک کے مقابلے میں ایک چندو منظر پیش کرتا ہے اور بہت پس ماندہ نظر آتا ہے۔

یہاں نیو یارک میں واشنگٹن کی خبر ہے کہ پارلیمنٹ کے اسپیکر نے اخلاقی الزامات کی بنیاد پہ استعفیٰ دے دیا ہے جبکہ صدر، نائب صدر اور پورے ملک میں تیسرا بڑا عہدہ اسپیکر کا ہوتا ہے۔

ہزار خوبیوں کے باوجود، ان ممالک کی حکومتیں صرف ٹیکس جمع ہی نہیں کرتیں عوام کو لوٹا کر بھی دیتی ہیں مثلاً بجلی یا پانی کے نہ ملنے یا لوڈشیڈنگ کا کوئی تصور ہی نہیں۔ خاتون حاملہ ہو تو اسے مراعات ملنا شروع ہوتی ہیں اور بچے کی پیدائش، بچوں کی غذا، دوا، تعلیم اور بالغ ہونے تک الاؤنس ملتے ہیں۔ اگر بالغ ہو کر روزگار حاصل نہ کر سکے تو بے روزگاری الاؤنس پاتا ہے یہ بھی ایک سبب ہے کہ والدین اور اولاد کے رشتے کا تقدس

ایک تجارت یا پیشہ بن چکا ہے اور وہ محبت جو اُس کا خاصہ تھی، کھو چکا ہے۔ بایں ہمہ یہاں کچھ لوگ وضعداری کے حامل ضرور ہیں، مثلاً ایک خاتون جواب ذکر کرنے لگی ہیں پہلے عیسائی بتا رہی تھی کہ میرا ایک لڑکا ہے اس کے بعد خاوند سے علیحدگی ہو گئی مگر میں نے اس کی خاطر پھر شادی نہیں کی، بڑی محنت سے پالا پوسا۔ اب بالغ ہوا تو چھوڑ کر چلا گیا اور میں اسے روک بھی نہیں سکتی۔ صرف ایک حسرت ہے جس نے میرے دکھوں کے احساس میں اور گہرائی پیدا کر دی ہے۔ اس لئے کہ یہاں کی تعلیم کی دو خصوصیات ہیں، اوّل بچوں کو جوڑا جوڑا کر دیا جاتا ہے، دوم والدین سے بھی آزادی کا سبق دیا جاتا ہے اگر بچہ اسکول میں شکایت کرے کہ مجھے والدین نے جھڑکا ہے یا سزا دی ہے تو وہ پولیس کو اطلاع کرتے ہیں اور بعض اوقات والدین کو جیل جانا پڑتا ہے یا ان سے بچے لے لئے جاتے ہیں۔ اس کا اثر بچوں میں جدید تعلیمی کمالات کے ساتھ اخلاقیات کی تباہی پہ منتج ہوتا ہے۔

میرے پاس یلو پیجز ڈائریکٹری (YELLOW PAGES DIRECTORY) میز پر پڑی ہے یہ اگرچہ بنگلہ دیش، ہندوستان اور پاکستان کیلئے ہے مگر اس میں امریکہ کے مختلف حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس کے صفحہ نمبر 64 پر تیرہ سے انیس برس کی عمر کے بچے اور بچیوں کی اخلاقی صورتحال بتائی گئی ہے جو 1980ء کے مطابق یہ ہے کہ پچھتر فیصد جنسی بے راہ روی میں مبتلا پائے گئے۔ اب 1990ء کی آمد ہے اور یہ دس سال بہت تیزی سے ترقی کرنے کے ہیں۔ اب صورتحال کیا ہوگی؟ اندازہ کر لیں۔ اگلے صفحہ پر بزرگوں کی حالت بتائی گئی ہے کہ بہت امیر لوگ والدین کو نرسیں مہیا کر دیتے ہیں، متوسط، بوڑھوں کے ہوسٹل میں بھیج دیتے ہیں اور نچلے طبقے کے لوگ اُن سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

کم سنی میں اخلاقی بے راہروی کے نتیجہ میں حاملہ ہونے والی بچیوں کی تعداد دس لاکھ سالانہ بتائی جاتی ہے جس میں سے چھ لاکھ بچے پیدا کرتی ہیں اور چار لاکھ ضائع کرا دیتی ہیں۔ یہ بھی دس سال پرانی خبر ہے۔

یہاں بغیر باپ کے لوگوں کو گلیوں کا ثمر (FROM STREET) کہا جاتا ہے۔ چوری، راہزنی اور قتل سے کسی وقت کوئی محفوظ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حکومت کے کارندے بھی رات دن دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں جیسے اب اپنے لوگوں کو چین سے نکالنے کیلئے حکومت پوری طرح کوشاں ہے۔

کل ایک عزیز ڈاکٹر صاحب کے ہاں دوپہر کا کھانا تھا وہاں دوسرے ڈاکٹر صاحب یہاں کی حالت بیان کرتے ہوئے بتا رہے تھے کہ میرے پاس مریض آیا اسے دیکھنے لگا تو فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے کہا ایک منٹ میں حاضر ہوتا ہوں چونکہ فون ساتھ والے کمرے میں تھا۔ میں فون سن کر پلٹا تو نہ مریض تھا نہ میرا جیکٹ جو میز پہ رکھا تھا بلکہ میز پر جو پنکھا چل رہا تھا وہ بھی مریض لیتا گیا۔ اور دوسرے ڈاکٹر صاحب کی نئی کار کا شیشہ توڑ کر کوئی ریڈیو ٹیپ وغیرہ نکال کر لے گیا۔ یہ رات کا واقعہ ہے۔

بہرحال یہ اللہ کی عظمت سے دوری کے نتائج ہیں جنہیں روکنا حکومت کے بس کی بات نہیں۔ اقتصادی نظام بھی بہت سخت ہے جس قدر کوئی کماتا ہے اس قدر اخراجات کے مواقع بھی اس سے سرمایہ کھینچنے کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور بہت کم لوگ سرمایہ جمع کر سکتے ہیں، لیکن عموماً وہ بھی اپنی اولاد اس معاشرے میں گم کر بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا سرمایہ لے کر کہیں نہیں جا سکتے۔

سورج یہاں بھی بہرحال ابھرتا ڈوبتا رہتا ہے اور تاریکی اگرچہ بہت گہری، رات بہت لمبی ہوتی جا رہی ہے مگر روشنی کی کرنیں بھی نظر آ سکتی ہیں۔

دراصل مغرب کا اصلی مرض یہودی ہے جس نے ہوشیاری سے اقتصادی ڈھانچہ ایسا ترتیب دیا ہے کہ روپیہ سب سے نکل کر اس کی جیب میں گرتا رہتا ہے اور ان لوگوں کو شراب اور خنزیر کا عادی کر کے ان کے

اخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے۔ سب کچھ بیچتا ہے مگر کھاتا نہیں بلکہ اپنا حلال جسے وہ کوشر کہتا ہے استعمال کرتا ہے اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مغرب پر اسقدر چھا چکا ہے کہ یہ لوگ اس ڈاکو کو اپنا نجات دہندہ سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ اس معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے جو نشے میں مدہوش اس کے اشارے پر ناچ رہا ہے۔

آج صبح میں بہت دیر تک ایک یہودی مسلک کی بحث ٹیلی ویژن پر دیکھتا رہا جو جگہ جگہ کتاب کے حوالے بھی پیش کر رہا تھا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ یہودیت کے علاوہ بظاہر بھی کوئی جائے پناہ نہیں۔ اُس نے ہٹلر سے شروع کر کے لینن اور مارکس کو بھی نشانہ بنایا کہ انہوں نے یہودیت کے خلاف اقدام کئے تو گاڈ نے انہیں تباہ کر دیا۔ اب رُوس کے جدید حالات، زلزلوں سے تباہی، ایٹمی بجلی گھر کا حادثہ اور گاڈی کا حادثہ بھی اپنی دلیل کے طور پر دُہرا رہا تھا۔ پھر چین کی خانہ جنگی (جو چند روز سے شروع ہے) پر پہنچا اور آخر میں اسرائیلی ریاست پر گاڈ کی رضامندی کے طور پر بتا رہا تھا، کہ ایک ایکڑ زمین میں سے انہیں نو ٹماٹر حاصل ہوئے۔

یہ سارا بیان بظاہر مدلّل اور بڑا پُرکشش تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کاش مسلمان اس ڈوبتے سورج کو سہارا دے سکتے۔ کاش! اس بجھتے چراغ کو یہودیت کے جھکڑوں سے بچانے کی سعی کرتے۔ اے کاش! قرونِ اولیٰ کا کردار واپس لا کر ثابت کر سکتے کہ امان اسلام کے دامن ہی میں ہے اور سکون اسی کے ٹھنڈے اور معطّر سائے میں مگر مسلمان تو خود ان کے پیچھے بھاگنے میں لگا ہوا ہے۔ خود اپنی منزل سے مخالف سمت دوڑتا جا رہا ہے۔ مولوی پیر اور بزرگ تک اس سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ! یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ اپنی پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹوں بلکہ اس درد سے کہہ رہا ہوں جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔

ملک میں سرکاری اور حکومتی سطح پر تمام دعوؤں کے باوجود اسلام کو نصابِ تعلیم میں شامل نہیں کیا گیا اور نہ دینی تعلیم کی اربابِ حکومت کے ہاں کوئی اہمیت ہے لہٰذا بیشتر لوگ ساری عمر دین کے علم سے ناآشنا رہتے ہیں۔ اور دینی علوم کی طرف اکثر وہ لوگ متوجہ ہوتے ہیں جو معاشرے میں جگہ پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا کچھ سرمایہ جمع کر کے کوشش کرتے ہیں کہ اولاد کو تہذیبِ جدید کی آغوش میں پہنچا سکیں۔ ایسی اکثریت خواہ اُن کے نام کے ساتھ علامہ لگتا ہو یا پیر، ان میں ہر ایک اپنی ساری کوشش اسی میں صرف کرتا ہے اور دین کے نام پر سرمایہ جمع کرنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ سوائے اللہ کے نیک بندوں کے جو اس ہجوم میں بہت ہی کم ہیں اور علمی گھرانوں کے چشم و چراغ کہ علم جن کا پیشہ نہیں وراثت ہے۔

میں کیا ہوں؟ ایک مُشتِ غبار، جس میں کنکر بھی ہیں کانٹے بھی اور جس کا دامن ہر خوبی سے خالی ہے صرف ایک جذبے ایک درد کا امین، جو ایک مردِ خدا کی جوتیوں سے مس ہو کر نصیب ہو گیا اور یہ محض اللہ کی عطا ہے۔ ورنہ میں آج بھی اس قابل نہیں کہ اتنی بڑی دولت مجھے بخشی جائے اور پھر اس کو لٹانے اور انسانیت تک پہنچانے پہ نوکری لگی تو وہ کام کر رہا ہوں۔

گزشتہ اوراق کے بیانات میں ذکر، ضرورتِ ذکر اور توجہ وغیرہ پر گزارشات پیش کر چکا ہوں۔ اور اسی دولت کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی ملک میں بھی اور بیرونِ ملک بھی میرا مشن ہے۔ اللہ کرے اسے علماء اور پیر حضرات بھی حاصل کر لیں۔ اور دوسروں تک پہنچائیں تو ایک بار پھر اس چمن میں بہار آ سکتی ہے جس کی عطر بیز فضاؤں میں کبھی انسانیت کو سکون نصیب ہوا تھا۔ اور الحمد للہ! تھوڑے سہی مگر برطانیہ اور یورپ کے دُوسرے ممالک سمیت امریکہ اور کینیڈا کے اکثر بڑے شہروں میں اللہ، اللہ کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ انہیں استقامت دے تو ممکن ہے کبھی یہی چمکتی ہوئی کرنیں سورج کی آمد کا پیش خیمہ بن جائیں۔

مرکزی مراقبہ ہال کراچی کی رپورٹ کے مطابق

سالانہ ایک لاکھ چوالیس ہزار تین سو ساٹھ (۱۴۴۳۶۰) خطوط کے ذریعے اللہ کی مخلوق کے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ لاکھوں خطوط کے علاوہ بالمشافہ ملاقات کرنے والے خواتین و حضرات کی تعداد اس سے الگ ہے۔ شعبۂ خدمتِ خلق کے نگراں

خواجہ شمس الدین عظیمی کو

رجوعِ خلائق نے اللہ کی مخلوق کا دوست بنا دیا ہے۔

اللہ کی مخلوق کے دوست خواجہ شمس الدین عظیمی نے ایک کتاب

آوازِ دوست

لکھی ہے۔

- یہ کتاب حقیقت پر مبنی کہانیوں پر مشتمل ایک دستاویز ہے۔
- اس بات سے متعلق کہ آدمی پریشان اور بے سکون کیوں ہے۔ اور کس طرح اسے زندگی کا سکون میسر آسکتا ہے۔
- جن لوگوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر کہانی کوزہ میں سمندر ہے۔

قیمت/ ۳۵ روپے

مکتبۂ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸
پوسٹ بکس ۲۲۱۳

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی

روحانی اسکالر جناب شمس الدین عظیمی "رنگ و نور" کے عنوان سے روزنامہ جنگ میں ہر بدھ کو پیراسائیکالوجی پر مضمون لکھتے رہے ہیں۔ جس میں انسانی تفکر اور وجود کائنات کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ادارہ روحانی ڈائجسٹ نے اپنے قارئین کے لئے خصوصی طور پر یہ مضامین قسط وار شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ (ادارہ)

موجودہ علمی دور میں یہ سوال بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ آدمی کیا ہے اور اس کی صلاحیتوں کی حد کہاں تک ہے؟

پیراسائیکالوجی کا علم بتاتا ہے کہ آدم زاد کے ہزاروں روپ ہیں بظاہر وہ خاک کا پتلا ہے۔ میکانیکی حرکات پر مبنی گوشت پوست خون اور ہڈیوں کا ایک پیکر ہے اس کے اندر پوری کیمیاوی دنیا آباد ہے ایک آدمی کے اندر خلیات کا ایک جہاں بسا ہوا ہے۔

دنیائے انسانیت کے تمام کارنامے اور تاریخ انسانی خلیات سے مرکب شعور سے وابستہ ہے لیکن یہ شعور جس کے اوپر لاکھوں سال کی تاریخ نقش ہے ایک بچہ کی مانند نشو و نما پاتا ہے، جس طرح ایک بچہ دنیا میں جب آنکھیں کھولتا ہے اور طفولیت کے بعد لڑکپن میں داخل ہو کر جوان ہوتا ہے اسی طرح نوعِ آدم کا شعور بھی آہستہ آہستہ ترقی کر کے آج کے حیرت انگیز مقام تک پہنچا ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آج کا دور انسانی کوششوں، تجسس اور تفکر میں ایک لامتناہی وسعت ہے جو ہر لمحہ اسے آگے اور آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اور ہر نئے دن اپنے اظہار کیلئے کوئی نہ کوئی وسیلہ تخلیق کر رہی ہے۔ آج کا سائنسدان یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہے کہ انسان کے داخل میں تخلیق کی صلاحیتوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے۔

ان صلاحیتوں کا ایک حصہ ظاہر ہو چکا ہے لیکن انسان کے داخل کی ان گنت صلاحیتیں اور صفات ایسی ہیں جو ابھی ظاہر نہیں ہوئیں، یہ کون نہیں جانتا کہ تمام تجربات، مشاہدات اور محسوسات کا ماخذ ذہن ہے اور اب تک جتنی ایجادات سامنے آئی ہیں ان کو ذہنی وسعت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی ذہن ہزاروں سال پہلے بھی ایک معمہ تھا اور آج کے علمی اور سائنسی دور میں بھی ایک معمہ ہے آج ہمارے پاس پہلے سے کہیں زیادہ علمی اور تجرباتی ذرائع موجود ہیں جن کی مدد سے ذہن و دماغ کے نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں، ذہن کے ایک پرت کی

دھیمی ہو جاتی ہے تو دوسرا پرت سامنے آجاتا ہے دوسرے پرت کو ابھی طرح نہیں دیکھ پاتے کہ ایک نیا روزن کھل جاتا ہے۔ سائنس دانوں اور علم النفس کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ انسان ابھی تک اپنی اپنی صلاحیتوں کا پانچ سے دس فیصد بھی استعمال کرنے پر قادر نہیں ہو سکا ہے باقی صلاحیتیں اس کے اندر خوابیدہ ہیں گویا نوع انسان نے اب تک جو مادی اور ذہنی ترقی کی ہے وہ صرف پانچ سے دس فیصد صلاحیتوں کے استعمال کا ثمرہ ہے۔ یہ تصور کر کے حیرت ہوتی ہے کہ اگر آدمی باقی 90 ، 95 فیصد صلاحیتوں کو استعمال کرنا سیکھ لے تو اس کا دائرہ کتنا وسیع ہو جائے گا۔

موجودہ دور کی علمی کامیابیاں جن میں طب، علم حیوانات و نباتات، برقیات، جنیات، سائیکالوجی، پیرا سائیکالوجی طبیعات، کیمیا، تعمیرات و دیگر علوم و فنون شامل ہیں یہ سب انسانی صلاحیتوں کے عکس ہیں، لیکن جب ہم ان علمی و فنی کامیابیوں کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ہمارے ذہن میں بہت کم آتی ہے کہ یہ ان صلاحیتوں کے مظہر ہیں جو قدرت نے ہمارے اندر محفوظ کر رکھی ہیں۔

کتب سماوی کے مطابق انسان کے اندر ایسی انرجی یا ایسا جوہر کام کر رہا ہے جو ایک ماورائی ہستی کی صفات اور صلاحیتوں کا عکس ہے۔

انسان کے اندر پانچ حواس بصارت، سماعت، گفتار، شامہ اور لمس ہیں ان میں سے ہر حس کی ایک تعریف اور ایک دائرہ عمل ہے، کوئی حس اپنی حد سے باہر عمل نہیں کرتی۔ مثلاً ہم آنکھوں سے چند میل سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتے، کانوں سے ایک خاص طول موج سے کم یا زیادہ کی آوازیں نہیں سن سکتے، کسی چیز کے قریب جائے بغیر ہم اسے چھو نہیں سکتے، اگر ہم اپنی بات کسی دوسرے تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمیں تیز حس آلات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ انسان کے یہ پانچوں حواس مادی رخ میں محدود ہیں لیکن پیرا سائیکالوجی کے دائرے میں حواس کی کارکردگی لامحدود ہو جاتی ہے۔ بصارت فاصلے کی پابندی سے آزاد ہو جاتی ہے، کان ہر طول موج کی آوازیں سن سکتے ہیں، قوت بیان الفاظ کی محتاج نہیں رہتی، انسان گفتگو سنے بغیر دوسروں کے خیالات سے واقف ہو جاتا ہے اور الفاظ یا برقی آلات کا سہارا لئے بغیر اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

کم علمی اور محرومی یہ ہے کہ انسان اس شعبے کو اہمیت دیتا ہے جو مادی مظاہر میں کام کرتا ہے لیکن وہ شعبہ نظر انداز کر دیتا ہے جو مادی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے، جب کوئی انسان مادی حواس میں محدود ہو جاتا ہے تو اس کے اندر وہ شعبہ جو ماورائی روحانی دنیا کو روشن کرتا ہے معطل ہو جاتا ہے، جب انسان کے اندر روحانی حواس متحرک ہو جاتے ہیں تو اس کے اوپر ادراک و مشاہدات کے دروازے کھل جاتے ہیں، انہی حواس سے انسان آسمانوں اور کہکشانی نظام کی سیر کرتا ہے، غیبی مخلوقات سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے باطنی کردار کا مطالعہ کریں تو خود کو اور اپنے گرد و پیش کو کہیں زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

آدمی کی جن

بنیادی کردار ....

صلاحیتوں کو مادی سمجھا جاتا ہے، پیرا سائیکالوجی میں ان صلاحیتوں کو "شعوری صلاحیتیں" کہا جاتا ہے مثلاً چلنا، بولنا، پکڑنا، دیکھنا، سننا وغیرہ اسی قبیل میں بہت سے فنون، ڈرائیونگ وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی صلاحیت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے پہل وہ اس صلاحیت سے ناواقف ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی صلاحیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو ذوق و شوق اور استعداد کے مطابق اس کے اندر وہ صلاحیت بیدار ہو جاتی ہے۔ صلاحیت کو بیدار کرنے میں ارتکاز بنیادی کردار ادا کرتا ہے، اگر ایک شخص کسی صلاحیت کو بیدار کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو وہ ارادی ہو

یا غیر اختیاری ہو کامیابی حاصل نہیں ہوتی، کسی علم کو حاصل کرنے یا کسی صلاحیت کو بیدار کرنے کیلئے کوشش اور مشق کے ذریعے اپنے ذہن کو ہدف پر قائم رکھنا ضروری ہے اس قانون کا اطلاق تمام دنیاوی علوم کی طرح ماورائی علوم پر بھی ہوتا ہے۔ ماورائی علوم سے متعلق صلاحیتوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہم ان صلاحیتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جو ہمیں اس آب و گل اور پابند حواس دنیا سے آزاد کرتی ہیں۔ پیرا سائیکالوجی کا اصل اصول یہ ہے کہ ساری کائنات اور کائنات میں سب کچھ موجود اشیاء آدمی کے داخل میں ہیں اور ظاہری دنیا جس کو مادی دنیا کہا جاتا ہے داخل میں موجود اشیاء کا عکس ہے جب تک اندرونی (لا شعوری) احواس متحرک نہیں ہوتے ماورائی شعور میں حرکت نہیں ہوتی۔

عام مشاہدہ ہے کہ جب تک کوئی کام ذہنی یکسوئی کے ساتھ نہ کیا جائے اس کے بھرپور نتائج مرتب نہیں ہوتے اگر کسی شخص میں ذہن کو ایک نقطے پر مرکوز کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا کم ہے تو ایسا شخص زندگی میں کامیاب نہیں ہوتا اسے ہمیشہ سہاروں کی تلاش رہتی ہے۔

ارتکاز توجہ نہ صرف دنیاوی معاملات بلکہ ماورائی علوم میں بھی کلیدی مقام رکھتی ہے۔ ارتکاز توجہ کے ذریعے ذہن کے اندر بکھری ہوئی قوتیں مجتمع ہو کر باہر آجاتی ہیں، داخل کے اندر لا شمار عکس، ان گنت قوتیں اس لئے خوابیدہ اور ناآسودہ رہ جاتی ہیں کہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ہے۔

جذبات، خیالات اور تقاضوں کے زیر اثر ذہن ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے، وہ کسی ایک چیز پر ٹھہرتا نہیں ہے۔ خیالات کی یلغار نے آدم زاد کو ماورائی دنیا کے ذہن کا ادراک نہیں ہوتا۔ یکسوئی کی مزید وضاحت کیلئے ہم چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو روز مرہ ہمارے ساتھ پیش آتی ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن سے نشریات لہروں کے ذریعے فضا میں منتشر ہو جاتی ہیں، ان لہروں کی مخصوص فریکوئنسی ہوتی ہے، مختلف جگہوں پر ریڈیو سیٹ دراصل رسیور ہوتے ہیں جو ان لہروں کو وصول کرتے ہیں، وصول کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ریڈیو سرکٹ کی فریکوئنسی وہی ہو جو نشریاتی لہروں کی ہے، جب دونوں کی فریکوئنسی یکساں ہو جاتی ہے اس وقت رسیور آواز کو پکڑ لیتا ہے اور اس کے اندر گونج پیدا ہو جاتی ہے، جو مزید فریکوئنسی یکساں ہونے سے آواز کا روپ دھار لیتی ہے، دنیا کے مختلف اسٹیشن اپنے اپنے پروگرام مختلف فریکوئنسی پر نشر کرتے ہیں، ہم جس اسٹیشن کی نشریات سننا چاہتے ہیں اس کی فریکوئنسی پر ریڈیو کو سیٹ کر دیتے ہیں، اگر فریکوئنسی میں یکسانیت نہ ہو تو آواز وصول نہیں ہوتی، اگر درمیان میں رکاوٹیں یا مزاحمت ہو تب بھی آواز صاف سنائی نہیں دیتی، ٹی وی چینل پر ہم مختلف نشریات کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ اسکرین پر تصویری خد و خال کے ساتھ دیکھتے بھی ہیں۔

قانون تخلیق

کائناتی اطلاعات ....

کے تحت آدم زاد یا کسی بھی نوع میں شعور دراصل رسیور ہے۔ کائناتی اطلاعات الگ الگ صورتوں میں شعور کی اسکرین پر نشر ہوتی رہتی ہیں، بعض اطلاعات مناظر کی شکل میں ڈھلتے ہوتی ہیں، بعض تصور کی جنت میں اور بعض خیال کی نوعیت میں سامنے آتی ہے اور کچھ آواز کے ذریعے سنی جاتی ہیں، اس بات سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ خیالات آنے پر ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے، ہم چاہیں یا نہ چاہیں خیالات ذہن میں وارد ہوتے رہتے ہیں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرتا کہ ہمارے دماغ میں کوئی خیال نہ آئے اور ہم خیالات کی گرفت سے آزاد ہو جائیں۔ ذرا زندگی کا مطالعہ کیجئے! بھوک، پیاس کا تقاضا بھی خیال ہے، سونے جاگنے کا عمل بھی خیالات کے اوپر قائم ہے، خوشی غم اور

زندگی کے تمام جذبات میں براہِ راست خیالات کی کارفرمائی ہے۔ تفکر ہمیں اس مقام پر لے آتا ہے کہ سماعت، بصارت، شامہ اور لمس بھی خیال اور اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ جب یہ بات طے ہو گئی کہ ساری زندگی خیالات اور اطلاعات ہے تو لامحالہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ خیالات کہاں سے آتے ہیں؟ الہامی کتابیں بتاتی ہیں کہ خیالات کا ایک منبع ہے، اس منبع سے بے شمار اطلاعات (خیالات) ہر لمحہ اور ہر آن نشر ہوتی رہتی ہیں اور منبع سے شعوری اسکرین تک پہنچنے تک بہت زیادہ محدود ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ نشر ہونے والی اطلاعات کی آخری حدود بندی ہی دراصل شعور ہے۔

زیادہ اور وسیع اطلاعات حاصل کرنے کیلئے لاشعور کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ طبعی یا سائنسی علوم میں کوئی فارمولا یا ایجاد یا انکشاف ایک نئی اطلاع ہوتی ہے۔ سائنس داں یا موجد جب تک لاشعور میں داخل نہ ہو اسے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ وہ دنوں، مہینوں، سالوں کسی ایک نکتے پر غور کرتا ہے۔ غور و فکر اسے شعور کے پس پردہ لاشعور میں دھکیل دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں کوئی ایجاد مظہر بن جاتی ہے۔

اگر کسی بھی وقفے کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دوران ہماری توجہ چند لمحوں سے زیادہ کبھی ایک بات پر نہیں ٹھہرتی۔ خیالات کے ساتھ ساتھ ہماری دلچسپیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پریشانی کا خیال آتا ہے تو اس کے متعلق سوچنے لگتے ہیں خوشی کا خیال آتے ہی ذہن خوشی کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے۔ کسی واقعہ کا خیال آتا ہے تو ذہن اس واقعہ سے چپک کر رہ جاتا ہے۔ غرض مختلف خیالات کے ساتھ ہمارا نقطۂ فکر بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

تمام شعوری مصروفیات کا تجزیہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ذہن ہر وقت ماحول کے معاملات میں منہمک رہتا ہے اور شعوری زندگی کا پورا وقفہ اسی انہماک میں گزر جاتا ہے۔ گرد و پیش کے حالات یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور گزرتے رہتے ہیں۔ حالات کی گرفت ہمیں اس قابل نہیں چھوڑتی کہ ہم مادی دنیا سے آزاد ہو کر ماورائی اطلاعات کو قبول کر سکیں۔

روزمرہ کے کئی کاموں میں اضافی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے توجہ سوئی کے ناکے اور دھاگے پر مرکوز کی جاتی ہے اور اس وقت تک قائم رکھی جاتی ہے جب تک دھاگہ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ گاڑی چلاتے ہوئے ہم توجہ ایکسیلیٹر، بریک، گیئر اور راستے پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ توجہ بٹنے نہ پائے یا اگر کوئی دوسرا خیال آتا بھی ہے تو اس خیال کو آنے دیتے ہیں لیکن ہماری توجہ کا مرکز صحیح ڈرائیونگ ہی رہتا ہے۔ یہی صورت مراقبہ میں ہوتی ہے مراقبہ میں آدمی ایک خیال کے علاوہ دوسرے تمام خیالات سے وقتی طور پر لاتعلق ہو جاتا ہے۔

نظریہ رنگ و نور کے سابق مضامین میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ اطلاع انسانی ذہن میں داخل ہو کر لہر بن جاتی ہے۔ اور یہ لہر ذہن میں دوسرے موجود خیالات میں تلاطم پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی یا مسجد کے حوض یا تالاب میں اگر پانی کی سطح پر کنکر یا پتھر پھینک دیا جائے تو ردعمل میں تالاب یا حوض کے پانی کے اندر دائرہ نما لہریں بن جاتی ہیں۔ اسی طرح دماغی حوض میں کوئی اطلاع لہر بن کر داخل ہوتی ہے تو خیالات بے شمار چھوٹی بڑی لہروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہمارا دماغ ایک جھیل کی مانند ہے جس میں لہریں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں۔ جب کوئی شخص جھیل کی ساکت سطح کو دیکھتا ہے تو اسے پانی کے اندر کا منظر نظر آ جاتا ہے لیکن پانی کے اندر لہریں بن رہی ہوں تو عکس نظر نہیں آتا تصویر لہروں کی وجہ سے گڈمڈ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذہن کی سطح پر خیالات کی لہریں تلاطم برپا رکھتی ہیں اور انسان کی توجہ ان لہروں میں الجھی رہتی ہے۔ خیالات کی یہ لہریں آدمی کیلئے پردے کا کام کرتی ہیں۔ تلاطم کی وجہ

سے شعور اندر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اندرونی عکس نظر نہیں آتا ذہن کی اسکرین پر جو عکس پڑتے ہیں وہ تاثر کے اعتبار سے گہرے اور ہلکے ہوتے ہیں۔ گہرے عکس کو شعور دیکھ اور سمجھ لیتا ہے لیکن وہ عکس جو مدھم ہوتے ہیں شعور ان کا تفصیلی احاطہ نہیں کر سکتا، حد یہ ہے کہ بہت مدھم عکس ناقابلِ توجہ ہو کر فراموش ہو جاتے ہیں۔ جب تک ذہنی مرکزیت خیالات کی لہروں میں رہتی ہے، ذہن کے اندر جھانکنا ممکن نہیں ہوتا لیکن جب توجہ سطح پر پیدا ہونے والے خیالات سے ہٹ جاتی ہے تو نظر اندر کی طرف کام کرنے لگتی ہے۔ وہ عکس نظر آنے لگتے ہیں جو عام طور پر نظر نہیں آتے یا بے حد مدھم ہوتے ہیں۔ مناظر اور تصویروں کی اس فلم کو باطنی واردات یا ماورائی اطلاعات کہا جاتا ہے۔ مراقبہ کی مشق میں وہ تمام ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جن سے ذہن خارجی تحریکات سے منقطع ہو کر ایک نقطے میں جذب ہو جائے۔ جب ماحول کی اطلاعات کا سلسلہ مغلوب ہو جاتا ہے تو آدمی ان صلاحیتوں کے ذریعے دیکھتا، سنتا، چھوتا، چلتا، پھرتا اور سارے کام کرتا ہے جو ماورائی صلاحیتیں کہلاتی ہیں۔ یہی وہ صلاحیتیں ہیں جن میں زمان و مکان (ٹائم اینڈ اسپیس) کی موجودہ گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔

ماہنامہ
روحانی ڈائجسٹ

دنیا میں ہر جگہ پڑھا جاتا ہے
ارض روحانی ڈائجسٹ پاکستان

دنیا کے ہر کونے میں پڑھا جاتا ہے

اپنا محبوب ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ تحفے کے طور پر اپنے دوستوں
اور عزیزوں کے نام جاری کروائیے خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی رہتے ہوں، وہ سال
میں بارہ ۱۲ دفعہ آپ کے شکرگذار ہوں گے۔

وطن میں اور وطن سے دور رہنے والوں کے لئے روحانی ڈائجسٹ
سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں۔ اپنا ڈرافٹ روحانی ڈائجسٹ کے نام
بنوائیے اور ہمیں ارسال کر دیجئے ــــ سال بھر روحانی ڈائجسٹ آپ کو
باقاعدگی سے ملتا رہے گا۔

اکاؤنٹ نمبر ۲۲
حبیب بینک لمیٹڈ

زرِ تعاون بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

	سالانہ	
۱۔ پاکستان (رجسٹرڈ ڈاک سے)	۱۸۰/۰۰	روپے
۲۔ سعودی عرب، شام، ترکی، الجزائر، کویت، عراق، اردن، مصر، انڈونیشیا، سری لنکا، نیپال، ایران	۲۵۰/۰۰	روپے
۳۔ ابوظہبی، دوبئی، بحرین، شارجہ، دوحہ قطر، مسقط، برما، یمن	۲۵۰/۰۰	روپے
۴۔ مالدیپ، لکادیپ، بھارت، بنگلہ دیش	۲۲۵/۰۰	روپے
۵۔ ہالینڈ، تھائی لینڈ، چین، نائیجیریا، ملائیشیا، جاپان	۳۰۰/۰۰	روپے
۶۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ، کینیڈا	۳۵۰/۰۰	روپے

اندرون ملک زرِ تعاون کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھی بھیجی جا سکتی ہے

ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ ۷/۱/D-۱ پوسٹ بکس ۲۲۱۳ ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

قسط نمبر ۳

حاجی شفیق احمد

عرس کی حقیقت

چادر پوشی

اکثر مزارات اولیاء پر چادر پوشی ہوتی ہے۔ روضہ نبوی اور ہر دو صحابہؓ کے مزارات پر غلاف ہے۔ نیز تمام بلاد اسلامیہ میں سلف صالحین کے مزارات پر اس کا رواج عام ہے۔ ہندوستان و پاکستان میں تو صرف چادر پوشی ہوتی ہے جبکہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں مقابر اولیاء پر عمامے رکھنے کا بھی رواج ہے۔

مقابر والیاء پر چادر پوشی کو غلاف کعبہ سے اخذ کیا گیا ہے جسطرح دوسری عبادت گاہوں پر خانہ کعبہ کو فضیلت دی گئی ہے اسی طرح قبور اولیاء کو عام قبروں پر فضیلت حاصل ہے۔ جسطرح اظہار فضیلت اور تفوق و برتری اور امتیاز پیدا کرنے کیلئے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھا دیا گیا ہے۔ اسی طرح مقابر عام پر مزارات اولیاء کے تفوق و امتیاز کیلئے چادر پوشی کی جاتی ہے۔ تاکہ اولیاء کے ان مزارات کی تعظیم کی جائے ان کی بے حرمتی نہ کی جائے اور زائرین ان کی زیارت سے مستفیض ہو سکیں۔

کعبۂ اطہر کو اپنے پروردگار سے صرف بیتی کی نسبت شرف حاصل ہے جبکہ انسان مظہر اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ ہے یا کعبہ مظہر صفات ہے۔ مگر عبدِ مومن مظہرِ ذات ہے۔ قرآن مجید بھی صفت کلام کا مظہر ہے اس لحاظ سے حقیقت مومن حقیقت کعبہ اور در حقیقت قرآن سے فائق ہے۔

لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد فرمان بلکہ خود الٰہی ہے کہ قسم مکہ اس لئے نہ کھائی گئی کہ اس میں خانہ کعبہ ہے بلکہ اس لئے کھائی گئی کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ حقیقت عبد حقیقتِ کعبہ سے بڑھ کر ہے۔

بہر حال ہر دور میں فقہائے امت نے مقابر اولیاء پر چادر پوشی کو جائز رکھا ہے اور ان دلائل و تاویلات کو رد کیا ہے جو ناقدین پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۳۹ پر ہے۔

"بعض فقہاء نے پردے عمامے اور کپڑے صالحین اور اولیاء کی قبروں پر ڈالنے کو مکروہ رکھا۔ فتاویٰ حجتہ میں ہے کہ پردے قبروں پر مکروہ ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس وقت جبکہ عوام کی نظر میں تعظیم مقصود ہو تاکہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں اور غافل زائر سے طلب ادب و اخلاص منظور ہو تو جائز ہے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔"

علامہ محمد ابن عابدین شامی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں لکھتے ہیں:

"لیکن ہم اس وقت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اس سے مقصود عوام کی نگاہ میں مزارات اولیاء کی تعظیم پیدا کرنا ہو تاکہ جس مزار پر کپڑے اور عمامے رکھے دیکھیں مزار ولی جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں اور تاکہ

زیارت کرنے والے غافلوں کے دلوں میں خشوع و ادب آنے کہ مزارات اولیاء کے حضور حاضری میں ان کے دل ادب کیلئے نرم نہیں ہوتے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ مزارات کے پاس اولیائے کرام کی روحیں حاضر ہوتی ہیں تو اس نیت سے چادر ڈالنا امر جائز ہے، جس سے ممانعت نہ چاہیے۔ اس لئے کہ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو...

تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۲۸۴ میں شیخ عبدالغنی نابلسی کی کتاب کشف النور عن اصحاب القبور سے اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جو بدعتِ حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کا نام بھی سنت ہے۔ لہٰذا علماء، اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر چادریں، عمامے یا دوسرے کپڑے رکھنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا مقصد لوگوں کی نگاہوں میں ان کی تعظیم پیدا کرنا ہو تاکہ وہ قبر والے کے بے حرمتی نہ کریں..."

خلاصہ یہ ہے کہ چادر پوشی مزارات کی غایت تعظیم ہے اور مومنوں اور ان کے مقابر اولیاء بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ جن کی حرمت و تعظیم مسلمانوں پر واجب ہے۔ فی زمانہ چونکہ اخفا کا دور ہے اس لئے عوام کی نگاہ سے وہ کرامات او جھل ہو گئی ہیں جو ازمنہ سابقہ میں بالعموم ظاہر تھیں۔ چنانچہ متعدد بار ایسے واقعات ہر دور میں پیش آتے رہے ہیں کہ جب عدم تعظیم اور بے حرمتی سرزد ہونے پر لوگوں کی سرزنش کی گئی تا آنکہ لوگوں کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی اور وہ ڈرتے تھے کہ کسی قبر ولی کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان قبور کا امتیاز قائم کرنے کو چادر پوشی کا طریقہ عام ہوا۔

نامشروع امور

بہر حال ان امور کے علاوہ اگر کچھ نامشروع امور عرس میں ہوتے ہیں تو وہ بالاتفاق جہاں ائمہ و فقہاء کے نزدیک غیر مشروع و ناجائز ہیں وہاں صوفیاء و اولیائے امت کے نزدیک بھی ہیں کیونکہ کوئی بھی نصوص قطعیہ سے بالاتر نہیں ہے اور صوفیاء کا تو مسلک ہی یہ ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
(سعدیؒ)

حدود شریعت کا تحفظ صوفیائے کرام و فقہائے امت دونوں کا یکساں فرض ہے۔ اس لئے ایسے امور کی اصلاح ہونی چاہیے اور ضرور ہونی چاہیے۔

لیکن جس درجے کی برائی ہو اسی درجے کی تنقیص ہونی چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصلاح کا طریقہ خلق اور موعظت بالحکمتہ ہے، تشدد و تکفیر نہیں۔ امور کو محض بحیثیت ظاہری پر قیاس کر کے اس پر فتویٰ دینا آسان تو ہے لیکن نہ تو یہ مرض کا علاج ہے اور نہ ہی شرائط شرع کے مطابق ہے۔ تاوقتیکہ ان کے کرنے والوں سے ان کی نیت نہ معلوم کر لی جائے۔ اور اس عمل کی نسبت ثقات و شرائط شریعت کی پوری تحقیق حاصل نہ کر لی جائے۔

عرس دورِ نبویؐ میں

جیسا کہ معلوم و معروف ہے کہ عرس کی غائب استفاضہ ہے۔ اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب رحمت نعمتوں کے بانٹنے والے روحوں کو پاک کرنے والے اور منبع العلم والحکم ہیں اسلئے آپ کو کسی کے کسی عرس کے انعقاد کی ضرورت تھی۔ اور جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے تو ظاہر و باہر ہے کہ وہ سب کے سب اسی نور نبوت سے براہ راست مستفید اور واصلین رسولؐ تھے۔ نیز اس قدر فیوض و برکات اشراقِ نورانی اور قطبیت ظاہری اور باطنی انہیں حاصل تھی کہ آنحضرت نے ان کے بارے میں بلا استثناء ارشاد فرمادیا تھا کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کہ میرے صحابہ

مثل ستاروں کے ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی اقتداء کر لو گے۔ ہدایت پا جاؤ گے۔ اس لیے حقیقت یہی ہے کہ انہیں کبھی کبھی اس کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ جب چاہتے تھے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے تھے اور مستفیض ہوتے تھے چنانچہ اس ضمن میں لاتعداد واقعات استفاضہ و فیض باطنی کتب احادیث وغیرہ میں موجود ہیں۔ اس لیے انہیں نہ تو کبھی اس قسم کی محافل کے انعقاد کی ضرورت پیش آئی اور نہ ہی انہیں کبھی یہ گمان گذرہ کہ حصول فیوض و استعداد روح طیبہ کے موضوع پر کسی زمانے میں بعض گروہ ایسا فساد کھڑا کریں گے۔ جیسا کہ آج کیا جارہا ہے۔

اموات المسلمین میں شہدائے اکرام کی برتری پر متعدد آیات نازل ہو چکی تھیں اور ان کی حیات کا شعور مسلمانوں میں بیدار ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کے مقابر کو دور نبوی میں اہمیت دی گئی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدثؒ نے در منثور اور تفسیر میں اس حدیث کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

انہ کان یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول فیقول

سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ هکذا یفعلون کہ آپ ہر سال یوم شہادت پر قبور شہداء پر تشریف لے جاتے اور فرماتے ... سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور مابعد یہی معمول خلفائے راشدین کا رہا ہے۔

بہر حال دور نبوی یا دور صحابہ سے عرس کی سند طلب کرنا محض فتنہ انگیزی اور جہالت و نادانی ہے۔ عرس کی ضرورت اسی وقت محسوس ہوئی جب دور نبوی سے زمانہ دور ہوتا گیا۔ اور طالبان حق کو متقدین اور اپنے پیش روں سے استفاضے کی ضرورت بغایت پیش آئی۔

عرس بدعت نہیں ہے

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ علوم صرف و نحو اور تفسیر و فقہ وغیرہ بدعت ہیں تو عرس کو بدعت تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن بدعت نہ وہ ہیں نہ یہ۔ اصالتہً نہ سہی بداہتہ دونوں کا وجود زمانہ نبوت کی سے چلا آتا ہے۔ ہم پچھلے صفحات میں مشہور حنفی فقیہ شیخ عبدالغنی نابلسی کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ۔ جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کا نام بھی سنت ہے۔ اور مراسم و غایات عرس پر بھی لکھ چکے ہیں ان میں سے ہر ایک کے مقاصد شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں اور ان کے حصول میں ممد ہیں۔ اس لیے عرس بھی سنت ہے۔ بدعت نہیں۔ منکرین کی عادت ہے کہ جب لفظ بدعت کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ "کہ یہ چیز نئی ہے خلاف شریعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے۔ اور جب اپنے لیے کسی چیز کو مباح ٹھہرانا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس لیے محض لفظ بدعت کا استعمال ایک الزام کے مترادف ہے جو ہر نئی چیز پر عاید نہیں ہوتا۔ منکرین کی اس "چال" کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ بدعت کا اطلاق صرف ان امور پر ہوتا ہے کہ جب کسی نئی بات کو داخل دین کر لیا جائے اور اسے جزو دین بنالیا جائے۔ یا پھر بدعت وہ امور ہیں جو رافع سنت ہوں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ میں ہے کہ ماابتدع قوم بدعت الارفع اللہ بسنت جبکہ عرس سے کوئی سنت ترک نہیں ہوتی بلکہ طالبانِ حق کو بیشمار فوائد اور فیوض عرائس کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور عالمِ اسلام کا ایک بڑا طبقہ ان سے استفادہ کا قائل ہے۔

بدعت پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں۔

"بدعت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ہے کسی ایسی چیز کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا جس کی حضورؐ سے ترغیب

دی ہو اور اس بہر دو رو تاکید ذکر آئی ہو جیسے تراویح بدعت حسنہ ہے۔ دوسرے جائز عادتوں کی پابندی کرنا جس کی سلف نے پابندی نہ کی ہو یہ بدعت ہیں یعنی معمولی ہے اور تیسرے کسی مسنون چیز کا ترک کرنا یا شرعی حکم میں تحریف کرنا سو یہ بدعتِ ضالہ ہے۔

مراسم عرس ایسا ذریعہ وا علی ہیں جن سے مقاصدِ شریعت اور فیضانِ نبویہ کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے وہ بدعت حسنہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب العلم میں ہے کہ: من سن فی الاسلام سنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عرس بے شمار خوبیوں اور مصالح کا مجموعہ ہے۔

تنکیرِ عرس

ناقدینِ عرس بھی کس بات کا سہارا لیتے ہیں کہ بعض جگہ عرس میں بعض غیر شرعی یا ناجائز امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اول تو شاذ ہی ایسا ہوتا ہے اور پھر ان کا تعلق جہلا سے ہے۔ نیز انہیں کوئی جائز و مشروع قرار نہیں دیتا۔ لیکن یہ وجہِ انکار ہی درست نہیں ہے کیونکہ محض ان کے اختلاط سے کسی سنت کو ناجائز قرار دینا درست نہیں۔ موضوع و ضعیف روایات کے سبب کتب احادیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا قبل فتح مکہ اگرچہ خانہ کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے اور صفا اور مروہ پر بھی بت تھے لیکن نہ صرف کعبہ برخ نماز ادا کی گئی بلکہ سعی بھی کی گئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض جگہ کے غیر مشروع افعال کا سہارا لے کر عرس کی ناجوازی کو ثابت کرنا غلط اور مہمل ہے۔

کبھی اس حدیث نبوی کو سند بنا کر عرس سے انکار کیا جاتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ ظاہر ہے حضور کا منشا یہی ہے کہ اسے لہو لعب کی جگہ نہ بناؤ یا یہ کہ عید کی طرح سال بعد نہ آیا کرو بلکہ مخلصانہ باادب اور اکثر آیا کرو۔ چنانچہ دوسری احادیث میں آپؐ نے روضہ مبارک کی زیارت کا حکم دیا ہے اور اسے وجوبِ شفاعت کا ذریعہ بتایا ہے۔ مقابر کو جو حرمت حاصل ہے۔ نیز آپ اور آپؐ تابعین کے مزارات مقدسہ جو فیوض لامتناہی ہیں۔ ان سے برکات حاصل کرنے اور زیارات کرنے کے لیے آنے والوں کے لیے کشادہ جگہ کی ضرورت ہوتی ہیں۔ اور موسمی حالات سایہ و سائبان کا بھی تقاضہ کرتے ہیں۔ اس لیے بعض ضروری تعمیرات اس ضمن میں ذائرین کے لئے مفید ہیں۔ پہلے نہ اچھے اور بلند مکان بنانے کی اجازت تھی نہ قبوں کی۔ جب مکان اچھے بننے لگے تو حضرت عثمان غنیؓ نے بھی مسجد نبوی کو بڑی شان سے تعمیر و آراستہ فرمایا کہ غیرت کا تقاضہ یہی تھا۔ پھر اس لحاظ سے روضہ مبارک کی تعمیر کی گئی۔ یہی حال دوسری تعمیرات کا ہوا اور رفتہ رفتہ لوگوں کے اجتماعات سے دوسری ضروریات اور اشغال پیدا ہوتے گئے۔ چنانچہ عرس کی موجودہ ہیئت کذائیہ صورت پذیر ہوئی۔

بہرحال عرس کے جواز پر جہاں بعض فقہاء نے اعتراض کئے ہیں وہاں اکابر فقہاء نے بدلائل ان کے جواز کو ثابت بھی کیا ہے۔ چنانچہ ہر زمانے میں تمام بلاد اسلامیہ میں علماء و فقہاء امت کی ایک کثیر تعداد کا معمول رہا ہے کہ وہ محافل عرس میں بنفس نفیس شریک ہوتے رہے ہیں اور آج بھی انکا یہی معمول ہے۔ جس طرح علماء کرام اپنے اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ اور ان کے اجتماعی انتظامات کرتے ہیں۔ اسی پر عرس کے اجتماعات کو بھی محمول کرنا چاہیے کہ یہ اہل طریقت اور مشائخ عظام کی کانفرنسیں ہیں۔ جہاں وہ علم تصوف۔ علم احوال قلب اور علوم و تحقیقات روحانی کی روشنی میں اپنے معمولات سرانجام دیتے ہیں۔ اس لیئے ان پر معترضین و منکرین کا آئے دن بے جا تشدد و بدعت الزامی اور فتواے تکفیر اب ان کے نزدیک

بھی انکھیں اصوات کے مترادف ہے اور انہوں نے جان لیا ہے کہ نا صلح ممکن است ممکن اختیار ہمت

عرس کی تاریخی حیثیت

مشائخ عظام کا مسلک شروع ہی سے رشد و ہدایت رہا ہے اور وہ ہمہ تن احوال قلب کی اشاعت و تحقیق میں مشغول رہے ہیں۔ اس لئے انہوں کبھی اپنی تاریخ کو مرتب کرنے اور تصنیف و تالیف کیطرف زیادہ توجہ روا نہیں رکھی تعلیمات تصوف پر اگرچہ کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس بارے میں کوئی تحقیق بالاستاد نہ ہو سکی کہ عرس باقاعدہ آغاز کس دور سے ہوا ہے بعض نے تحقیق تاریخی ہے تو اسے دور نبوی سے ثابت کرنے کوشش کی ہے بعض نے اس کا آغاز تیسری صدی ہجری سے بتایا ہے اور بعض نے اس کی ابتدا جنید بغدادی کے زمانے سے بتائی ہے لیکن درست یہی ہے کہ اس بارے میں کوئی تحقیق موجود نہیں ہے اور مختلف اقوال بے سند ہیں۔

اگرچہ اکثر کتب تصوف میں عرس کا عنوان قائم نہیں کیا گیا ہے لیکن ضروری ہے کہ مواقع عرس پر تمام ممالک اسلامی میں سلاسل طریقت تمام مشائخ کا تواتر سے عمل رہا ہے جیسا کہ آج تک قائم ہے۔

ایصال ثواب تو امت مسلمہ کا متفقہ مسئلہ ہے اور یہ نصوص سے ثابت ہے۔ البتہ اختلاف اس طریقہ مروجہ کے بارے میں ہے جو دور نبوی میں رائج تھا۔ اس وقت ایصال ثواب کے لئے صرف نیت و قصد کو ہی کافی سمجھا جاتا تھا یا کبھی زبان سے کہہ دیا جاتا تھا کہ فلاں کے ثواب کے لئے ہے صورت مروجہ کی حیثیت شرعی کے بارے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کلیات امدادیہ میں لکھتے ہیں:۔

• سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت پر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کیلئے زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اسی طرح اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اسکا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ ساتھ اگر کچھ کلام الہیٰ بھی پڑھ لیا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جانے کا جمع بین العبادتین ہے۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ پڑھی جانے لگیں کسی نے خیال کیا کہ دعا کیلئے رفع یدین سنت ہے ہاتھ اٹھانے لگے کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جائے اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی۔

بہرحال ایصال و ثواب کے دونوں طریقے مروج ہیں۔ صدقہ و خیرات وغیرہ بغیر فاتحہ صرف بقصد ثواب محتاجین کو دیا جاتا ہے اور ہرگز یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ بغیر ہیئت کذائیہ اختیار کئے ایصال ثواب نہیں ہوتا اس لئے فاتحہ مروجہ پر اعتراض کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جہاں تک فاتحہ کا تعلق ہے تو اس کی اصل یہ ہے کہ چونکہ ہیئت کذائیہ میں بوجہ تفضیل و اظہار ثواب سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جاتی ہے اسلئے اسی مناسبت سے عمل کو لفظ فاتحہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لنگر و طعام

جو کھانا اموات عامۃ المسلمین کے ایصال و ثواب کی غرض سے پکایا جاتا ہے وہ بلاشبہ مساکین و محتاجین کا

حق ہے اور انہی میں تقسیم ہونا چاہیے لیکن اکثر یہ معمول ہے کہ صرف نام و نمود کیلئے پکا کر غیر مستحقین اور امراء و اقرباء کو کھلایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس عمل سے موتی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور بعض کے نزدیک غیر مستحق کو ایسا کھانا کھلانا ان کے قلب کو سیاہ کر دیتا ہے اس لئے اغنیاء کو نہ چاہیے کہ وہ اس فعل کی حوصلہ افزائی کریں البتہ میتوں کے اقرباء کے ساتھ کھانے میں اگر اس نیت سے مشارکت کر لی جائے کہ اس سے ان کا غم بٹے گا اور وہ اس مشارکت کی وجہ سے بھوکے نہیں رہیں گے تو چنداں مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ رواداری ہے۔

البتہ انبیاء اور اولیاء کی نیاز کیلئے جو کھانا پکایا جاتا ہے اس کھانے سے قلوب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور اس کا کھانا سب کیلئے درست ہے چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے۔

"اگر فاتحہ بنام بزرگ دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن وازاں جائز است۔"

چنانچہ بمعہ قصہ عرائس لنگر سے فقراء اور اغنیاء سب مستفید ہوتے ہیں اسے باعث برکت سمجھتے ہیں تبرکاً اسے اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں اور احباب و اقرباء میں تقسیم کرتے ہیں۔ عرائس میں لنگر گویا محفل عرس کا ولیمہ ہوتا ہے جو اس تقریب کا ایک اہم جزو ہے جیسا کہ تقاریب عقد میں ولیمہ مسنون ہوتا ہے۔

روشنئ مقابر

حدیقہ ندیہ میں امام عبدالغنی نابلسی حنفیؒ نے اس موضوع پر شرعی حیثیت سے اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"قبور پر شمعیں جلانے کی ممانعت صرف اس حالت میں ہے کہ نفع سے بالکل خالی ہو ورنہ اگر موضع قبور میں مسجد ہو یا قبر راہگزر پر ہے یا وہاں کوئی بیٹھا ہے یا کسی عالم کا ولی یا محقق کا مزار ہے اس کی روح مبارک کہ اس کی خاک بدن پر اسی طرح ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر اس کی تعظیم کیلئے شمع روشن کریں تاکہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے۔ اس سے برکت حاصل کریں اور اس کے پاس اللہ عزو جل سے دعا مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ جائز ہے جس سے اصلاً ممانعت نہیں اور ہر کام کا مدار نیتوں پر ہے۔

آستانہ بوسی

اس موضوع پر جو لے دے ہوتی ہے اس کی حقیقت کا اندازہ علماء و فقہاء کے درج ذیل عمل سے ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن عساکرؒ محدث امام سمرقانی سے روایت کرتے ہیں کہ

"میرے دادا امام عمر بن الصفار جب اپنے استاد کے روضہ مبارک پر جاتے تو ادب کی وجہ سے اندر نہ جاتے بلکہ اس کی چوکھٹ کو چوما کرتے۔۔"

امام عبدالوہاب شعرانی لطائف المنن میں فرماتے ہیں۔

"میں اکثر شیخ کی چوکھٹ یا ان کی عبادت گاہ کے دروازے کو چوما کرتا ہوں۔"

علامہ ابن خلکان اور علامہ نبہانی وغیرہ ہم سب نے اس کے جواز پر مستقل فتاویٰ دئیے ہیں۔ چنانچہ مشہور فقیہ حنفی عبدالغنی فرماتے ہیں۔

"اولیاء کے تابوت اور چوکھٹ کو بوسہ دینے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی برکات حاصل کرنے کیلئے انکی چوکھٹ کو چومنے میں کوئی قباحت و کراہت ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ رملی کا بھی فتویٰ ہے

ارواح طیبہ قدسیہ سے حصول فیض

تمام محققین علمائے اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اولیائے کرام کی ارواح طیبہ بعد وصال کے جب علائق جسمانی سے علیحدہ ہو جاتی ہیں تو ان کا ورک اور قوت اور بڑھ جاتی ہے اور ظاہری امراض کے دور ہو جانے پر وہ پہلے سے زیادہ فیوض ہو جاتی ہیں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

"جب انسان مر جاتا ہے تو جملہ مادی علائق منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے حقیقی مرکزوں کی طرف لوٹ جاتا ہے اور فرشتوں سے ملحق ہو کر ان ہی جیسا ہو جاتا ہے اسکو فرشتوں ہی کی طرح الہام ہونے لگتا ہے اور وہ انہی جیسے کاموں میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اکثر اعلائے کلمۃ اور جماعت الہیہ کی امداد کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔۔"

علامہ ابن تیمیہ اقتضائے صراط مستقیم میں لکھتے ہیں۔

"فرمایا شرک اور بدعت میں یہ چیز شامل نہیں جو روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول کریم کی قبر سے سلام کا جواب سنا اور باقی اولیاء کی قبروں سے بھی سنا اور یہ کہ سعید بن المسیبؒ نے ایام حرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر سے تین روز آواز اذان سنی اسی قسم کی تمام واقعات حق ہیں مگر میری بحث ان واقعات سے نہیں اور حقیت یہ ہے کہ ان سے بڑے بڑے واقعات بھی ہوتے ہیں جیسے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے پاس آیا اور عام رمادہ کی قحط سالی کی شکایت کی اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس کو حکم دے رہے ہیں کہ عمرؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ نماز استسقاء پڑھائیں یہ واقعات ہرگز شرک و بدعت کے باب سے نہیں اس قسم کے کثیر واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ آپؐ کی امت کے بزرگان دین سے بھی ثابت ہیں۔۔"

شیخ شہاب امام رملی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

بے شک انبیاء اور مرسلین اور علمائے صالحین سے ان کے وصال کے بعد مدد چاہنا اور فریاد کرنا جائز ہے اور بعد انتقال بھی مدد کرتے ہیں۔

مولانا جامیؒ نفحات الانس میں لکھتے ہیں

"مولانا جلال الدین رومی نے وقت وصال فرمایا میری موت سے غمناک نہ ہونا تم کسی حال میں ہو اگر مجھے یاد کرو گے تو ہر حال میں میں تمہاری مدد کروں گا۔۔"

الطبقات الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی اور بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ سیدی احمد زروق فرماتے تھے کہ میں اپنے مریدین کی پریشانی دور کرنے والا ہوں۔ جب زمانہ ان پر تعدی کرے اور انہیں تکلیف پہنچے تو وہ مجھے پکاریں "یا زروق"۔ تبھی میں فوراً موجود ہوں گا اور ان کی مدد کروں گا۔

در ثمین میں شاہ ولی اللہ محدث اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے روایت کرتے ہیں۔۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک جنگل میں ایک قاری کے ساتھ قرآن کریم کا ورد کرتے تھے کہ ایک دن پانچ آدمی عربی لباس میں ملبوس ہمارے پاس آن کھڑے ہوئے اور ہمارا ورد سنتے رہے آخر میں ایک جو سب کے سردار معلوم ہوتے تھے فرمانے لگے جزاک اللہ بہت اچھا قرآن پاک پڑھتے ہو خدا تمہارے قرآن پڑھنے میں برکت دے۔ اور چلے گئے تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک اور عربی تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے قاری نبی کریم کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ ہم حیران ہوئے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا ابو ہریرہؓ۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں جنگل میں ہمیں قاریوں کا قرآن سننے جانا ہے میں ذرا بچھڑ گیا تھا آپ تشریف لے آئے کیا مجھ سے پہلے کچھ عربی یہاں نہیں آئے ہم نے کہا آئے تھے اور وہ پانچ تھے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تشریف لے گئے ہیں وہ فرمانے لگے بس وہی تھے۔ ایک خود رسول اللہؐ اور باقی چاروں خلفائے راشدین تھے۔

حضرت جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔

"مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو مصیبت کے وقت کہتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یا علی، یا شیخ عبدالقادر مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں میں نے جواب دیا ہاں اولیاء اللہ سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا شریعت میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم، صاحب عناد اور وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔۔

درالمختار۔ جلد اول صفحہ ۳۹ پر ہے۔

"حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام اعظم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعتیں پڑھ کر حضرت امام اعظم کی قبر کے پاس دعا کرتا ہوں تو مراد جلد حاصل ہو جاتی ہے۔۔

تفسیر فتح العزیز صفحہ ۱۰ پر ہے۔

"مقبولان بارگاہ الٰہی سے مدد طلب کرنا انہیں بارگاہ خداوندی میں حصول مراد کیلئے ذریعہ بنانا فی الحقیقت غیر خدا سے مدد لینا نہیں بلکہ حضرت حق تعالیٰ سے ہی مدد لینا ہے۔۔

درالمختار۔ جلد ثالث صفحہ ۳۳۲ میں ہے۔

"جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اسے واپس دلا دے تو اسے چاہیے کہ ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب آنحضرتؐ کو ہدیہ کر کے سید احمد بن علوان کو پہنچائے اور کہے یا سیدی احمد یا ابن علوان میری گم شدہ چیز آپ نے واپس دلا دی تو خیر ورنہ میں آپ کا نام دفتر اولیاء سے کٹوا دوں گا۔۔ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی گمشدہ چیز واپس دلا دیتا ہے۔۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔

یہ نفوس فاضلہ کی صفات ہیں کہ وہ بدن سے جدا ہوتے ہیں اور عالم ملکوت کی طرف نکلتے ہیں اور اس میں منادی کر کے حظائر قدس تک فائز ہو کر اپنے شرف و قوت سے مدبرات میں سے ہوتے جاتے ہیں۔۔

تفسیر روح البیان صفحہ ۵۰۲ پر ہے۔

"نفوس فاضلہ علائق بدنیہ سے مفارقت کے بعد بحار صفات میں شناوری کر کے مقام فنا فی الوحدہ میں سابق ہوتے ہیں پھر کثرت کی طرف رجوع کر کے امر دعوت الی الحق و ہدایت اور مقام تفصیل میں امر نظام کی تدبیر کرتے ہیں۔"

علامہ ابن قیم کتاب الروح صفحہ ۱۶۶ پر فرماتے ہیں۔

"بدن سے مفارقت کے بعد روح کی بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے بلکہ کام بھی۔ مختلف الحال لوگوں سے اس قسم کے مشاہدے بہ تواترات ثابت ہیں کہ مرنے کے بعد روحوں نے وہ کام کئے جو مقید بدن کی حالت میں کر ہی نہیں سکتی تھیں مثلاً لشکروں کو پسپا کرنا وغیرہ، پھر آگے چل کر لکھا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خواب میں دیکھے گئے جنکی ارواح قدسیہ نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو پسپا کر دیا۔ حصن حصین میں متفق حدیث ہے کہ اگرچہ وہاں کوئی موجود نہ ہو لیکن بوقت ضرورت یوں کہے کہ یا عباد اللہ اعینونی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

اس کا اطلاق جمہور محدثین کے نزدیک ان بندگان خدا پر بھی ہوتا ہے جو اس دنیا سے نقل فرما چکے ہیں۔ ان سے استعانت اور استمداد جائز درست ہے اور بقول امام جزریؒ کہ وہ مجرب مراد ا۔ بارہا اس کا تجربہ و مشاہدہ جو محققین و سالکین کو ہوتا ہے اس دلیل پر بالا اتفاق خود اول ہے۔

مرقاتہ شرح مشکوٰۃ میں ہے: لا فرق لھم فی الحالین ولذا قیل اولیاء اللہ لا یموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار۔ یعنی اولیاء کی دونوں حالت حیات و ممات میں اصلاً فرق نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لیجاتے ہیں۔

حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی نے فرمایا ہے۔

"اولیاء کرام کی کرامتیں بعد انتقال کے بھی باقی رہتی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ

دھرم ہے ہم نے ایک رسالہ خاص اسی کے ثبوت میں لکھا ہے۔ فتاویٰ سیدی جمال مکی میں امام شہاب الدین رملی سے منقول ہے۔

"انبیاء و رسل اور اولیاء و صالحین بعد رحلت بھی فریاد رسی فرماتے ہیں۔ اور ان سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا امر مشروع ہے۔ جسکا انکار نہ کرے گا مگر دشمن انصاف اور وہ بے شک اولیائے کرام کی برکات سے محروم ہے۔۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں۔

تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جا کر شرائط معروضہ کے ساتھ دعا کی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔۔

امام سبکی شفاء السقام فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔۔

مفتیان مکۂ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے متفقہ فتویٰ پر دستخط حضرت مولانا محمد بن حسین یمنی حنفی مفتی مکہ وغیرہ ہم میں ہے۔

"قواعد اسلام اس تائید کرتے ہیں کہ قبور ابرار کی زیارت اور ارواح اولیاء سے استعانت نفع دیتی ہے۔۔

حرف آخر

عرس کی تقریب اور اس کے جملہ مراسم کا تعلق تمام تر علم احوال قلب۔ علم تصوف اور اہل طریقت سے ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے جملہ اعمال و افکار کو میزان شریعت پر تولنا ضروری ہے۔ لیکن طریقت جو علم شریعت کی اصل اور مغز ہے اور اہل طریقت جن کا باطنی ملاء اعلیٰ اور عالم حقائق سے اس طرح قائم ہے کہ وہ مجالس ارواح میں حاضر ہوتے ہیں اور اہل حضوری میں بمصداق قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، ان کے امور و احوال پر بلا سند شریعت اور بالخصوص قطعیہ اعتراض کرنے کا حق اس وقت تک کسی کو نہیں ہے جب تک کہ ناقد خود ان احوال و مقامات اور حقائق پر کامل دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان امور کو جو نصوص سے حرام و ممنوع ہیں انہیں جائز (و مشروع) کر دیا گیا ہے بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ علمائے کرام کو اجتہاد کا جو حق امور غیر منصوصہ کے بارے میں دیا گیا ہے۔ وہ اسے اہل طریقت کے بارے میں بالخصوص بہت محتاط ہو کر استعمال کیا کریں کیونکہ وہ اس راستے کے مرد میدان نہیں ہیں۔ اور جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا اس کو اس فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا۔

سچ یہ ہے کہ علماء نے علم دین کے حصول میں کوتاہی کی ہے اور صرف قیل و قال کی حد تک اپنے علم کو محدود رکھا ہے۔ ورنہ شریعت اور طریقت دو الگ الگ راستے نہ ہوتے۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے کہا ہے کہ۔

"صوفیائے کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے۔ کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کی شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب، تکبر، حسد، حب دنیا، حب جاہ، عبادات میں سستی، شہوات، نفسانی، ریا اور سمعہ وغیرہ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے۔ جیسے توبہ از معاصی اور رضا بالقضاء، شکر نعمت، اور صبر علی البلاء وغیرہ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کیلئے اعضاء و جوارح کے معاصی سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز و روزہ اور زکوٰۃ سے اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جسمیں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے۔ اور اسی خلوص کا دوسرا نام تصوف ہے

ٹیلی پیتھی سیکھئے

ہر انسان کا دماغ قدرت کا بنایا ہوا ایک کمپیوٹر ہے اس کمپیوٹر میں دو کھرب سے زیادہ آلات ہیں جب ہم اپنے اندر اس کمپیوٹر کو چلانا سیکھ لیتے ہیں تو ہماری آنکھ خلا کے اُس پار دیکھنے لگتی ہے۔ ہم دُور دراز فاصلوں پر اپنے عزیزوں اور اپنے پیاروں کو پیغام پہنچا سکتے ہیں اور اُن کے پیغامات سُن سکتے ہیں۔ عظیم روحانی سائنسداں قلندر بابا اولیاءؒ کے شاگردِ رشید خواجہ شمس الدین عظیمی نے روحانی سائنسی برقی اور مقناطیسی ELECTROMAGNETIC تجربات اور فارمولوں پر یہ کتاب مرتب کی ہے یہ کتاب تھیوری اور پریکٹیکل کے کئی شعبوں پر محیط ہے پڑھئے اور ٹیلی پیتھی سیکھئے۔

قیمت /۲۵ روپے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸
پوسٹ بکس ۲۲۱۳

تذکرہ غوثیہ

تذکرۂ غوثیہ مشہور روحانی ہستی حضرت غوث علیشاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ایک عجیب و غریب کتاب ہے سلسلۂ قادریہ کے اس بزرگ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں کا ماحول مکمل طور پر روحانی اقدار اور اللہ تعالیٰ سے قربت اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے لبریز تھا۔ بچپن کی تعلیم و تربیت کے بعد آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ سیر و سیاحت میں صرف کیا اور مشہور و معروف تارک الدنیا اور گمنام اہل تصوف سے ملاقاتیں کیں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں، جوگیوں، سنیاسیوں اور اس نوعیت کے دوسرے افراد سے ملتے رہے آپ باتوں باتوں میں بڑے بڑے اسرار و رموز بیان کر جاتے تھے۔ آپ کے ایک عقیدت مند حضرت سید گل حسن قادری وقتاً فوقتاً آپ کے ارشادات قلمبند کرتے جاتے تھے "تذکرۂ غوثیہ" مرتب کئے گئے آپ کے اقوال پر مشتمل کتاب ہے۔

ہم قارئین روحانی ڈائجسٹ کے اعلیٰ روحانی ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے تذکرۂ غوثیہ قسط وار شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم ذیرہ دون کو گئے وہاں ایک ہندو فقیر کی خبر سن کر پہاڑ پر پہنچے ان کی ملاقات سے طبیعت بہت خوش ہوئی جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا چار پانچ روز رہنے کا اتفاق ہوا ایک روز تنہائی میں ہم گئے اس وقت بابا جی رام گیتا لکھ رہے تھے ہم نے کہا نمو نارائن بولے اجی نمو نارائن پر لاحول بھیجو السلام علیکم کہو یہ کلام سن کر ہم چونکے فرمانے لگے میں سید ہوں اور میرا نام محمد حسین ہے پہلے تو شاہ عبدالعزیز صاحب سے تحصیل علم کی پھر دیدار اور

شاستر کا شوق دامنگیر ہوا بنارس جا کر یہ بھی پڑھا خاندان قادریہ میں مرید ہوں اب جوگ لے کر یہاں آ رہا میں یادِ خدا میں مشغول ہوں ہم نے دریافت کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی فقیری میں آپ نے کیا فرق دیکھا کہ فقیری کی بات تو دونوں طرف یکساں ہے صرف الفاظ و اصطلاحات جدا جدا ہیں۔

ہندواں | را | اصطلاحِ | ہند | مدح
سندھیا | نرا | اصطلاح | سند | مدح
ن من بر آن گل عارضِ غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم ڈیڑھ دو دن کے پہاڑ کی سیر کرتے ہوئے سرینگر میں پہونچے ایک پہاڑ پر بابا جی رہتے تھے ملاقات ہوئی بڑے خلق و مدارات سے پیش آئے دیکھتے ہی بولے کہ ایسی صورت تو بعد مدت دیکھنے میں آتی ہے ہم کو ایک جدا مکان دیا چار پائی منگائی ہرچند ہم نے انکار کیا کہ آپ زمین پر سوتے ہیں ہم بھی اسی طرح سے بسرام کریں گے ہرگز نہ مانا اور اصرار کیا کہ نہیں تم کو چار پائی ضرور چاہیے چند روز میں بے تکلفی ہو گئی ایک دن ان کے کسی چیلہ کو پدم ناگ نے جو ہاتھ بھر کا اور نہایت زہریلا ہوتا ہے کاٹ لیا دوسرے چیلہ نے سانپ کو پتھر کے کونڈے سے ڈھانک دیا اور خود آکر گرو جی کو خبر کر دی فرمایا کہ جلدی بھبوت لاؤ (یعنی اکسیر اعظم) اتنے میں ایسا زہر چڑھا کہ چیلہ کا منہ بند ہو گیا اور گردن کا منکا ڈھل گیا کہا کہ جس طرح ہو سکے اس کے حلق سے بھبوت اتار دو خیر بڑی مشکل سے ایک خشخاش کے برابر راکھ سینک سے اس کو کھلا دی حلق سے اس کا اترنا تھا کہ چیلہ جھرجھری لے کر سیدھا ہو گیا چیلوں کو حکم دیا کہ اب اس کو ٹہلاؤ تھوڑی دیر میں اس نے بھوک کی فریاد کی تو دو سیر گھی اس کو پلوا دیا اور پھر ٹہلانا شروع کیا اور جب خواہش ہوئی گھی پلا دیا کچھ دیر بعد خون کا دست آیا پھر گھی پلا کر ٹہلایا تو پیپ لہو کا دست آیا اس کے بعد غذائی آیا اور بھلا چنگا ہو گیا اب گرو جی نے کہا کہ اس سانپ کو لاؤ چیلے پکڑ لائے ایک سینک سے اس کے منہ میں بھی وہی بھبوت ڈال دی اسی دم اینٹھ کر رہ گیا اور ذرا دیر میں پانی پانی ہو کر بہ گیا اور وہ خاک پانی پر تیرنے لگی بابا جی نے کہا کہ دیکھئے اس کا زہر تو اس کیلئے اکسیر ہے مگر انسان کے لئے قاتل ہے اور انسان کی اکسیر اس کے حق میں زہر ہلاہل ہے۔

کیمیائے زہر مار آن شئی
بر خلاف کیمیائے متقی

اور یہ حوصلہ اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو دیا ہے کہ اکسیر کو ہضم کرتا ہے ورنہ اور حیوانات کے حق میں تو اکسیر زہر کا حکم رکھتی ہے۔

آن یکے را مے شد در حق تو دم
آن یکے را شہد در حق تو سم

اس کے بعد بابا جی نے کہا کہ آؤ تم کو ایک اور تماشا دکھلائیں ایک کڑھاؤ دودھ کی بھری ہوئی منگائی اور اس میں سرکہ اور نمک ڈال کر دودھ کو پھاڑ دیا مجھ سے بولے کہ بھلا اب کوئی شے اس کو درست کر سکتی ہے میں نے کہا نہیں پھر وہی خاک چاول بھر اس میں ڈال کی لکڑی سے ہلانا شروع کیا فوراً دودھ اصلی حالت پر آگیا پھر کتنا ہی سرکہ اور نمک اس پر ڈالا کچھ اثر نہ ہوا جیسا تھا ویسا ہی رہا بابا جی نے چیلوں کو حکم دیا کہ گڑھا کھود کر اس دودھ کو دبا دو ہم نے کہا صاحب ان چیلوں کو آپ کیوں نہیں پلا دیتے فرمایا کہ یہ پئیں گے تو شہوتی ہو جائیں گے پھر ہم سے براہ عنایت فرمایا کہ اگر تم کھاؤ تو ہم کھلا دیں سات پشت تک اس کی تاثیر رہے گی میں نے کہا بہت اچھا مگر اس کا اتار بھی بتلا دیجئے ورنہ پانچ سیر مرغن کھانا ہر روز کہاں سے لاویں گے فرمانے لگے میاں خدا مالک ہے ہم نے کہا سبحان اللہ دوا کھلانے کے تو آپ مالک ہیں اور کھانا کھلانے کیلئے خدا مالک میں ایسی دوا سے باز آیا یہ سن کر چپ ہو رہے ان بابا جی کی عمر چار سو برس کی تھی ستر برس میں کایا پلٹا کرتے تھے اس طرح کہ چھ مہینے تک ایک کوٹھڑی میں بیٹھ کر جہاں ہوا کا گزر نہ ہو ایک دوا کھاتے تھے پہلا جسم پھٹ کر اس کے اندر سے بارہ برس کی عمر کا ایک جسم نکل آتا تھا جن دنوں میں ہم گئے تھے وہ دوا تیار ہو رہی تھی بابا جی اکسیر کے کھلانے میں بڑے استاد تھے چند روز کے بعد میر اعظم علی صاحب قبلہ ہمیں تلاش کرتے کرتے وہاں جا پہنچے ان کو دیکھ کر بابا جی نے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں میں نے جواب دیا کہ ہمارے پتا ہیں سن کر بولے کہ صورت و شباہت سے تو یہ بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی تب میں نے کہا کہ ہمارے مرشد اور گرو ہیں کہا کہ ہاں اس

کا مضائقہ نہیں وقت رخصت بابا جی نے میر صاحب قبلہ کو ستر روپیہ اور ایک بیل اکسیر کے دئیے وہاں سے بابری کو چلے راہ میں میر صاحب نے فرمایا کہ اکسیر کے بیل کو پھینک دو ہم نے عرض کیا کہ آپ عیال دار ہیں بال بچوں کے کام آئے گی فرمایا کہ نہیں اس کو دیکھ کر خراب ہو جائیں گے تب ہم نے وہ بیل پھینک دئیے۔

اکسیر پر ہوس آنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

ایک روز ارشاد ہوا کہ بابری میں ہم کو ایک برہمن نے یہ منتر بتلایا تھا نہایت پُر تاثیر ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی خدا کے ساتھ ایسا دھیان لگاؤ کہ سلطان دل کی خواہش اور حواس خمسہ جو اس کے خادم ہیں دھوپ کی طرح جل جائیں خدا کی عبادت تحمل و قناعت سے صبر کا سائبان لگا کے عبادت کنندہ بغیر امید و خوف کے عبادت کرے بلکہ محو ہو جاوے دل خوشبو دار پھول کی طرح کھل جاوے تاکہ سچ کہتا ہے پوچھنے والا اودھو۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم بابری میں تھے تو مولانا روم کی مثنوی کا شوق پیدا ہوا سنا کہ مولوی قلندر صاحب جلال آبادی خوب جانتے ہیں۔ ان کی خدمت میں جا کر کتاب شروع کی جب دوسرے دفتر میں یہ شعر آیا

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

ہم نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو قال ہے قال کچھ حال کی حقیقت و ماہیت فرمائیے بولے کہ بھائی یہ تو ہم بھی نہیں جانتے بس اسی روز سے ہم نے کتاب بالائے طاق رکھ دی مولوی صاحب ایک تعویذ چند بار ہر روز لکھا کرتے تھے میں نے اس کی تاثیر پوچھی فرمایا کہ اس میں حب و بغض و دست غیب و فتوحات و تسخیر خلائق ہے چنانچہ ایک تعویذ لکھا اور فرمایا کہ یہ دست غیب کی نیت سے لکھتا ہوں مجھ کو دیا اور کہا کہ اس کو جانماز کے تلے رکھ دو پھر کچھ پڑھا اور فرمایا صبح جانماز اٹھا کر دیکھو تو پانچ روپیہ رکھے تھے غرض انہوں نے ہر قسم کی تاثیر کا تجربہ دکھلایا فی الحقیقت نہایت مجرب تعویذ تھا فرمایا کہ تم کو بھی اس کی اجازت ہے اسی ترکیب سے کر لینا چار عناصر اس کے چار چلے ہوتے ہیں مولوی قلندر صاحب سے ہم رخصت ہو کر پیران کلیر کے عرس میں پہونچے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک زمانہ میں حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمتہ اللہ علیہ کے مزار متبرک کی زیارت کو ہم گئے پیران کلیر میں رہنے کا اتفاق ہوا جب عرس شروع ہوا تو اطراف و جوانب سے حضرت صوفیہ کا ورود ہونے لگا خوش اعتقادوں کے ہجوم اور آہنگ سرور کی دھوم ارباب شوق کی مستی و اصحاب ذوق کی بالا دستی سے ہنگامہ بزم گرم ہوا میں بھی عین وجد و حالت کی گرماگرمی میں اس مجلس کے اندر پہنچا دیکھا کہ تین شخص رنگین لباس بادۂ شوق سے سرمست ہیں اور صاغر وار بر خاموش مطربان خوش آہنگ کسی سوختہ دل کا یہ شعر گاتے ہیں۔

یہ شکایت ہے ہمیں اس ساقی گلفام سے
دور ساغر میں ہمیں محروم رکھا جام سے

ان میں سے ایک فریاد خواں کا ہاتھ میں نے پکڑ لیا اور پوچھا کہ آپ نے اس شعر سے کیا کیفیت اخذ کی اور تحقیق معانی سے کیا اثر آپ کے دل پر مرتب ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جو گوہر اشک پروتے ہیں سو اللہ کو روتے ہیں میں نے کہا کہ حضرت کیا آپ کے دل مردہ کی طرح **حی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم** بھی دام اجل میں گرفتار ہو گیا جس کے ماتم میں آپ نوحہ گری کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوا تو مقام تہنیت ہے نہ جائے تعزیت کیونکہ اس نے تمہارے بزرگوں کو مارا اور تمہاری فکر میں ہے۔

ہلا ہوا کر کمھیں کھایو بہت بھن
سی تو چھونی جی

یہ بات سن کر چپ چاپ ایک گوشہ مجلس میں جا

بیٹھے نہیں معلوم کس کبیدہ خاطری سے گردن جھکائی خدا سے ہی لگا بیٹھے پھر میں نے دوسرے نالہ کش سے وہی سوال کیا جو پہلے سے کیا تھا وہ بولے حضرت کیسی غزل اور کہاں کا شعر نہ ہم سمجھتے ہیں نہ اس کو سنتے ہیں۔ یہاں تو آلاپ اور لَے بھلی معلوم ہوتی ہے ڈھولک کی تھاپ پر سر دھنتے ہیں میں نے کہا کہ بہت درست۔

کسانے کہ ایزد پرستی کنند
بر آواز دولاب مستی کنند

پھر تیسرے صاحب ذوق سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ حضرت شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا شب معراج کو مدارج و مقامات طے کرتے ہوئے پردہ وحدت تک پہونچے تو آواز آئی **السلام علیک ایھا النبی و رحمتہ اللہ برکاتہ** پس اس ساغر کو حضرت رسالت پناہ نے دو بخش فرمایا ایک حصہ تو خود نوش کیا اور دوسرا حصہ بندگان صالح کو عنایت کیا یعنی فرمایا کہ **السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین** حسرت یہ ہے کہ بندگان صالح کو تو ان کی صالحیت کافی تھی وہاں ہم جیسے تشنہ بیان بادیہ معصیت کو یاد کیوں نہیں فرمایا۔ ع

کہ مستحق کرامت گناہگاران اند

میں نے عرض کیا کہ حضرت خیر الورا نے تو گناہگاروں کو صالحین سے بھی پہلے دور ساغر میں کمال شفقت کے ساتھ شریک فرمایا ہے چنانچہ علینا میں ضمیر جمع اس پر شاہد ہے صالحین کو بعد عطف جدا یاد کیا اور عاصیوں کو اپنے ساتھ رکھا بھلا اس سے زیادہ اور کیا عنایت ہو سکتی ہے یہ بات سن کر ان کا جوش و خروش دھیما ہو گیا اور خاموش ہو کر ایک جانب بیٹھ گئے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک روز قلندر صاحب کے چلّہ میں ہم جا کر ٹھہرے جو جوبڑہ کے قریب ہے شاہ امیر الدین صاحب بھی وہاں تشریف لائے فرمانے لگے کہ میاں جنگل میں رہ کر تم کھاؤ گے کیا ہم نے کہا کہ صاحب جو خدا کھلائے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص آیا اور چاول گھی بورہ وغیرہ لایا ہم نے اس سے کہا کہ بھائی اگر قلندر صاحب کی نذر لایا ہے تو پانی پت یا کرنال کو لے جا اور اگر زندہ قلندر کے واسطے لایا ہے تو ہمارے سامنے رکھ اس نے کہا کہ صاحب میں تو آپ کے واسطے لایا ہوں خیر اس کا پلاؤ پکایا گیا پھر تو ہمیشہ یہی کیفیت رہی چھ مہینے تک ہم وہاں ٹھہرے ہر روز کچھ نہ کچھ آتا رہا اور باجو کیمیاگر جو ہمارا دوست تھا وہ بھی اکثر وہاں آیا کرتا اور اس کا دستور تھا کہ جب آتا تو مٹھائی وغیرہ ضرور لاتا ایک روز ہم نے باجو سے سوال کیا کہ یہ فن تم کو کسطرح حاصل ہوا اس نے جواب دیا کہ میری آٹھ یا نو برس کی عمر تھی کہ والدین کا انتقال ہو گیا جو نقد و جنس تھا وہ ہمارے چچا نے سنگوایا میں ان کی گائے بھینس چراتا اور روٹی کھاتا۔ چچی مجھ کو بہت مارتی اور تنگ کرتی تاکہ میں نکل جاؤں اور میرا مال و اسباب بے کھٹکے ان کے پاس رہے چنانچہ ایک دن مجھ کو بڑی بے دردی سے مارا میں بھینس لے کر جنگل کو چلا اور راہ میں بیٹھ کر رونے لگا اتنے میں ایک گرو اور دو چیلے ان کے میری طرف آئے مجھ کو روتا دیکھ کر ٹھٹکے اور حال پوچھا میں نے اپنا تمام قصہ بیان کیا فرمایا کہ ہمارے ساتھ چل سب گائے بھینس چھوڑ ان کے ہمراہ ہو لیا چند روز کے بعد گرو جی کی الفت و محبت کے سبب سے وہ چیلے بھی میرے دشمن جانی ہو گئے ایک دن گرو جی تو باہر گئے تھے چیلوں نے اکیلا پاکر مجھ کو خوب پیٹا میں رو رہا تھا کہ گرو جی آن پہنچے پوچھا اب کیوں روتا ہے میں نے عرض کیا کہ صاحب وہاں تو چچی دشمن تھی یہاں آپ کے دونوں چیلے میری جان کے لاگو ہو گئے مجھ کو رخصت فرمایئے کہیں اور ہی زندگی کے دن کاٹوں گا یہ بات سن کر گرو جی نے کہا کہ خیر اب اونہی کا درخت لگاویں گے سورہ والضحیٰ سے مجھ کو قرآن پڑھانا شروع کیا جب یہ سورتیں حفظ ہو گئیں تو نماز کے ارکان و احکام سکھلائے نماز

بھی بخوبی یاد ہو گئی تو ایک رات فرمایا کہ آج دو رکعت اس ترکیب سے پڑھ کر سو رہنا میں نے ایسا ہی کیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ کو تمام قسم کی ترکیبیں چاندی بنانے کی تعلیم کیں علی الصبح یہ خواب گرو جی سے عرض کیا فرمایا کہ اچھا ان ترکیبوں کی آزمائش کر شام تک سب ترکیبوں کا امتحان کرتا رہا جو کچھ ہوا پوری اتری میرے دل کو یقین ہو گیا دوسری شب پھر ان کے فرمانے کے موافق وہی دوگانہ پڑھ کر سویا تو حضرت خضرؑ نے سونا بنانے کی ترکیبیں ارشاد فرمائیں دن میں ان کی بھی آزمائش کی تو سب درست تیسری رات پھر وہی عمل کیا تو جواہرات کی صنعت تعلیم فرمائی چوتھے روز گرو جی نے مجھ کو رخصت کر دیا اور وہ چیلے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے میں چلا تو آیا لیکن تین دن تک یہ حال رہا کہ نہ کھانا کھانے کو جی چاہے نہ نیند آوے پھر گرو کے پاس گیا اور کیفیت عرض کی فرمایا کہ جا تو کھلانے کا تو کیا مگر خود کھایا کر اس دن سے میں خوب کھانے پینے لگا پھر ہم نے باجو سے پوچھا کہ بھلا تم نے کسی کو یہ ترکیب سکھلائی۔ کہا کہ ہاں ایک شخص کو تو میں نے زبردستی سکھلائی اور ایک نے زبردستی مجھ سے سیکھ لی جس کو میں نے سکھلائی تھی اس کا حال یوں ہے کہ ہم دو شخص کیمیاگر ہم سفر تھے ایک گاؤں میں پہنچے وہاں کا چودھری نہایت نیک بخت و مخیّر آدمی تھا چوپال میں ہم دونوں جا اترے وہ آیا اور ایک چھوٹی سی لڑکی اس کے ساتھ تھی جس کے کانوں میں سونے کے بالے تھے ہمارا حال پوچھا اور کہا کہ جب تک جی چاہے آپ ٹھہریں کھانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا اتفاقاً اس روز گھر میں کچھ نہ تھا اس مرد کریم نے چھوٹی لڑکی کا بالا اتار کر گروی رکھا اور ہم کو تین دن تک طرح طرح کا کھانا کھلایا چوتھے روز ہم رخصت ہونے اور ایک بیل اکسیری اس کے حوالہ کی اور اپنے روبرو اس کی تاثیر دکھلادی اس نے بیل تو پھینک دی اور لاٹھی لے کر ہمارے پیچھے دوڑا کہ میں نے تمہاری خدمت اللہ واسطے کی تھی نہ اس طمع کیلئے غرض ہم نے بمشکل تمام اس سے پیچھا چھوڑایا جب دور نکل گئے تو ہم دونوں کو یہ خیال آیا کہ دیکھو یہ شخص دنیادار ہو کر اس طرح تواضع سے پیش آیا بڑے شرم کی بات ہے کہ ایسے آدمی کو کیمیا سکھلا کر نہ جاویں ہم پھر واپس آئے اور اسی چوپال میں قیام کیا چودھری نے کہا کہ کیوں کیا پھر مار کھانے کا ارادہ ہے ہم نے کہا کہ صاحب اب کوئی بات ایسی نہ ہوگی صرف تین روز ہم اور ٹھہرنا چاہتے ہیں بولا بسرو چشم تمہاری خدمت کروں گا لیکن حرف طمع زبان پر لاؤ گے تو جان سے مار ڈالوں گا میں نے کہا کہ بھائی طمع کی بات جانے دو ایک نماز تم کو بتلائیں تو پڑھو گے یا نہیں کہا کہ ہاں اس کا مضائقہ نہیں میں نے وہی دوگانہ خضری بتلایا اور کہا کہ اس کو تین روز تک پڑھنا یہ کہہ کر ہم تو چل دیئے سال بھر کے بعد جو ہم واپس آئے تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ چودھری دیوانہ ہو گیا اور گاؤں در گاؤں بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ بہت جستجو کے بعد ملا تو ہم کو دیکھتے ہی لٹھ لے کر دوڑا اور کہا کہ خدا تم کو غارت کرے تم نے مجھ کو خراب کر دیا گھر بار مال بچے سب چھٹ گئے روٹی ٹکڑے کا بھی ٹھکانا نہ رہا یہ کہہ کر رونے لگا اور کہا کہ خدا دشمن کو بھی اس مصیبت میں نہ ڈالے نہ دنیا رہی نہ دین رہا تمام جہاں اپنی جان کا دشمن معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا شخص جس نے زبردستی سیکھا اس کی کیفیت یہ ہے کہ ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں میں ہم مقیم تھے وہاں ایک جولاہے نے ہماری بڑی خدمت کی یہاں تک کہ اپنا تمام مال و اسباب بیچ کر ہم کو کھلا دیا جب وہ بالکل قلاش ہو گیا تو اس نے ایک روز کیا کام کیا کہ قد آدم گڑھا گھر کے اندر کھودا اور اس پر ایک اور بوریا پر سفید چادر بچھا دی اور اپنی بیوی کو سمجھا دیا کہ خالی دیگچیوں میں چمچا ہلاتے رہنا تاکہ معلوم ہو کہ کھانا کئی قسم کا پکتا ہے پھر ہم کو بلا کر لے گیا کہ چلئے آپ کی دعوت ہے ہم کو تو چاٹ لگی ہوئی تھی جھپٹ چلے

گنے پہلے تو ہم اور وہ ایک چارپائی پر بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور وہ اپنی بیوی کو تاکید کرتا رہا کہ جلدی پلاؤ زردہ تیار کر لاؤ وہاں کیا خاک دھرا تھا یوں ہی جھوٹ موٹ دیکھی کمر تا دیتی تھی اسی انتظار میں آدھی رات ہو گئی اس وقت کہا کہ آؤ کھانا تیار ہے ہم خوشی خوشی اٹھے اور سفید چادر پر قدم رکھا کہ اب تر نوالے کھائیں گے اس پر بیٹھنا تھا کہ دھم سے گڑھے کے اندر ا میں تو گرا اور وہ دونوں میاں بیوی لٹھ لے کر میرے سر پر آ چڑھے اور دھڑا دھڑ مارنے لگے اور بولے کہ آج اسی گڑھے میں تم کو مار کر دبا دیں گے ناچار اس کو ایک نسخہ چاندی کا بتلانا پڑا اس نے دو چار دفعہ اسی دم آزما لیا تب بمشکل میری جان بچی اور اس نے رہائی دی پھر پاؤں میں گر پڑا اور قصور معاف کرایا اس دن سے میں نے توبہ کی کہ پھر کسی کی دعوت نہ کھاؤں گا۔

بدوزد طمع دیدہ ہوشمند
درآرد طمع مرغ و ماہی بہ بند

ایک روز باجو نے ہم سے دریافت کیا کہ میاں صاحب سینکڑوں آدمی میرے پیچھے پھرتے ہیں اور کیمیا کے طالب ہیں ہر ایک کا یہی سوال ہے کہ کوئی نسخہ بتلا دو مگر باجو جو بے تکلفی اور محبت و ملاقات کے آپ نے کبھی اس امر کی خواہش نہ کی اس کا کیا سبب ہے ہم نے کہا کہ تو بتلاؤ کہ جو لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا ان کو تم نے بتلا دیا۔ کہا کہ نہیں ہم نے کہا پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ تم سے خواہش کریں اور اس ملاقات میں بھی خلل ڈالیں رہا فائدہ کیمیا کا سو ہم کو یوں ہی حاصل ہے کہ تم روز مرہ ملائی اور مٹھائی وغیرہ لے آتے ہو اور ہم کھا لیتے ہیں اس سے زیادہ مزا کیمیا کا ہم کو درکار نہیں ایک روز باجو نے بیان کیا کہ میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ایک پیر جی کی خدمت میں گیا کہ حضرت مجھے مرید کر لیجئے انہوں نے غریب و شکستہ حال دیکھ کر مجھ کو دھتکار دیا اس وقت پیر جی ہوس کی دھت میں مصروف تھے اور پھونک پھانک کر رہے تھے میں نے ان کی ادویات لے کر اور کچھ اپنے پارہ سے ملا کر جھٹ پٹ چاندی بنا کر دکھلا دی پھر تو پیر جی لٹو ہو گئے بڑی خاطر مدارات کی اور کہا کہ تجھ کو ہم دل و جان سے مرید کریں گے بشرطیکہ کیمیا سکھلا دے میں نے کہا کہ بہت اچھا تین من گوہ بندروں کا جمع کروائیے پیر جی نے مریدوں کو حکم دیا کہ چند روز میں گوہ جمع ہو گیا میں نے کہا کہ اس کو کمروں میں بند کر کے آگ دے دیجئے تا کہ اس کا تیل نکل آوے ترکیب بتا کر میں تو چل دیا اور پیر جی نے گوہ کو آگ دی مارے بدبو کے تمام بستی کے لوگ چلا اٹھے اور پیر جی کے گھر پر ایک شور و غل مچا دیا کہ خدا کیلئے پیر جی کیوں تمام بستی کا دم ناک میں کیا ہے کیا بلا آپ نے جلائی ہے غرض پیر جی نہایت خفیف ہوئے۔ ★

سیاح: — "آپ کے ملک میں اچھے ڈاکٹر بھی ہوں گے؟"

مقامی آدمی: — جی ہاں، بہت ہیں اور دنیا کے سب ڈاکٹروں سے بہتر ہیں۔

سیاح: وہ کس طرح؟

مقامی آدمی: — ایک مرتبہ میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر ..... کو بلایا۔ ان کی دوا استعمال کی، تو تکلیف بڑھ گئی۔ گھر والوں نے دوسرے ڈاکٹر...... کو بلا بھیجا۔ ان کی دوا سے تکلیف میں شدید اضافہ ہو گیا اور میں سمجھا کہ اب میرا زندہ بچنا مشکل ہے، چنانچہ شہر کے نامور ڈاکٹر ...... کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا، لیکن وہ باہر گئے ہوئے تھے اس لئے نہ آ سکے۔ اور اب تم دیکھ لو، میں بالکل تندرست ہوں

حسن بن صباح

ایلچی کو حاضر کیا جائے۔" حسن بن صباح کے چہرے کی زہر خند مسکراہٹ اور آنکھوں کی شیطانی چمک نے اہل دربار کو یہ یقین دلا دیا کہ ایلچی کی آمد یقیناً غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ فدائی فوراً واپس پلٹا اور ذرا ہی دیر بعد اس کے پیچھے نظام الملک طوسی کا خصوصی ایلچی دربار میں داخل ہوا۔ کہو ایلچی کیسے آنا ہوا "نظام الملک طوسی اور سلطان ملک شاہ کا پیغام لے کر۔" ایلچی نے پیشہ ورانہ انداز میں تسلیم بجا لا کر بڑی کمال پر رقم کیا گیا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں سلطان کی جانب سے حسن بن صباح کی بڑھتی ہوئی یورش اور فدائیوں کی ریشہ دوانیوں پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے سلطنت کے امور میں دخل اندازی نہ کرنے اور اطاعت پر مجبور ہونے کی بابت وضاحت درج تھی ساتھ ہی نتائج کی صورت میں جنگ کے ممکنہ خطرات سے ڈرایا گیا تھا پیغام ختم ہوتے ہی ایلچی نے سوالیہ نظروں سے حسن بن صباح کی جانب دیکھا جیسے مسکرا رہا

ہوا چہرہ اب کسی اور ہی شیطانی فعل کا پیش خیمہ بنا ہوا تھا اپنے سلطان ملک شاہ اور نظام الملک طوسی سے کہنا حسن بن صباح سے ٹکر لینے کا مطلب ہے شیروں سے ٹکر لینا اور شیر کبھی مد مقابل سے ڈر کر دم دبا کر بھاگتا نہیں ہے وہ یا تو مر جاتا ہے یا مار دیتا ہے حسن بن صباح کے گرد ایسے ہی فدائیوں کا حصار ہے جو مار دیتے ہیں۔ جو مر جاتے ہیں اور امر ہو جاتے ہیں موت ہمارے نزدیک کھیل ہے ایلچی ہم اپنے اس دعوے کی عملی شکل تمھارے سامنے پیش کرتے ہیں جا کر اپنے سلطان کے سامنے من و عن بیان کر دینا یہ کہہ کر حسن بن صباح دربار میں موجود فدائیوں کی اس جماعت کی جانب بڑھا جو قطار کی صورت میں پتھر کی بے جان مورتیوں کیطرح بے حس و حرکت کھڑے تھے کیا تم سب اپنے آقا کی اطاعت کیلئے تیار ہو؟ اس نے ڈرامائی انداز میں دریافت کیا سب کے سر جھکے اور سب نے یک زبان ہو کر ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے کہا ہم اپنے آقا کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنا خوش نصیبی تصور کرتے ہیں۔۔۔ تو پھر سنو! سامنے والی قطار کیلئے ہمارا حکم ہے کہ وہ اپنی کمر سے بندھے خنجروں سے اپنے اپنے پیٹ چاک کر کے جنت کے حقدار بن جائیں ایلچی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب سامنے والی قطار یک بہ یک اپنی صف سے علیحدہ نکلی حسن کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور زور دار نعرے کے ساتھ سب کے خنجر پیٹوں کو چاک کرتے ہوئے لہو کے فوارے اچھال گئے۔ حسن بن صباح کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی اس کی آنکھوں کے گرد ایک رنگ اُبھر آئی تھی اور مٹھیاں بھنچیں ہوئی تھیں دوسری صف سامنے والے قلعے کے برج پر چھلانگ لگا دے اور آقا کے دل کو اپنی اطاعت سے خوش کر دے۔۔۔ اہل دربار اسطرح یہ تماشا دیکھ رہے تھے گویا یہ کوئی غیر معمولی بات نہ ہو مگر سلطان ملک شاہ کے ایلچی کا رنگ فق اور حلق خشک ہو رہا تھا بربریت کے اس کھلے مظاہرے نے اسے حواس باختہ کیا ہوا تھا دوسری صف بھی حسن بن صباح کے سامنے سجدہ ریز ہوئی اور دوسرے ہی لمحے سب کی لاشیں پاش پاش ہو کر سامنے پتھریلے فرش پہ پڑی ہوئی تھیں تیسری صف اپنے آپ کو محل کے کنوئیں میں گرا کر شہید کر لے۔

حسن بن صباح کا تیسرا حکم بھی بجالایا گیا ایلچی ذرا دیر تک یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور پھر اچانک وہ تیورا کر گرا اور بیہوش ہو گیا حسن بن صباح کے فلک شگاف قہقہے دربار کے در و دیوار سے ٹکرا کر گونجتے رہے وہ ہنس ہنس کر بحال ہو گیا تب اس کے حکم پر ایلچی کو ہوش میں لایا گیا چلتے ہوئے حسن نے اس سے کہا اپنے آقا سے کہنا اپنے جانثاروں سے جنگ کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ واپسی پر اس نے سلطان ملک شاہ کو سارا واقعہ کہہ سنایا اور انتہائی مایوسی کے عالم میں ملک شاہ اور نظام الملک طوسی نے جنگ کی تیاریاں تقریباً دو سال تک کیلئے موقوف کر دیں مگر ان دونوں کی پریشانیاں روز بہ روز بڑھتی گئیں کیونکہ ملک میں بہ روز فدائی کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا کر دیتے تھے جسکی وجہ سے امن و امان کو سخت خطرہ لاحق تھا۔ عوام پریشان تھی اور امور سلطنت بری طرح متاثر ہو رہے تھے اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مترادف ہر نئی پابندی یا حکمت عملی پر فدائی جو باطنی بھی کہلاتے تھے پہلے سے بھی زیادہ بڑی بغاوت کر دیتے اسی اثناء میں نظام الملک طوسی کو خبر ملی کہ ساوہ کی عید گاہ میں عید کی نماز پڑھنے کی پاداش میں فدائیوں نے اٹھارہ آدمیوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالا اور ساتھ ہی انہوں نے ساوہ کے ایک موذن کو اپنے شیطانی مذہب کی دعوت دی اور اسکے برملا انکار پر اسے بھی سفاکی سے قتل کر ڈالا نظام الملک طوسی کیلئے یہ دونوں خبریں انتہائی غم و غصہ کا باعث بنیں کوتوال شہر کو طلب کر کے اس کو فوری طور پر قاتلوں کو گرفتار کر کے دربار میں پیش ہونے کا حکم دیا اور ناکامی کی صورت میں کوتوال شہر کی گردن اڑان دینے کا حکم جاری کیا اس شدید غصے اور سختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوتوال نے اپنی جان پر کھیل کر ایک بڑھئی کو گرفتار کر لیا جو کہ در

حقیقت فدائی تھا اور جسکا نام "طاہر" تھا جرم ثابت ہوتے ہی نظام الملک طوسی نے بھرے دربار میں اپنی تلوار سے اسکا سر تن سے جدا کر دیا اس واقعے کے چند ہی روز بعد وزیر اعظم طوسی کو اطلاع ملی کہ فدائیوں نے قہستان کے پاس ایک بہت بڑے قلعے پر قبضہ کر کے کرمان سے قہستان کی جانب جانے والے ایک قافلے کو لوٹ لیا اور اہل قافلہ کو انتہائی بربریت کے ساتھ تہ تیغ کر ڈالا صرف ایک شخص بمشکل تمام اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو سکا جس نے دربار میں نظام الملک طوسی کے سامنے اپنی فریاد پیش کی اور چشم دید واقعات سنائے اب پانی سر سے گزر چکا تھا سو چپ رہنا نظام الملک کی مردانگی اور بہادری کے منافی تھا لہذا اس نے فوری طور پر ایک لشکر جرار کی تیاری کا حکم دیا۔

* * * * *

یہ سن ۴۸۵ ہے رمضان المبارک کا مہینہ ہے حسن بن صباح کی سرکوبی کیلئے جانے والا لشکر افطار کیلئے نہاوند کے مقام پر ٹھہرا ہے افطار سے فراغت پاتے ہی مغرب کی نماز کیلئے صفیں کھڑی ہو گئیں اور با جماعت نماز کی ادائیگی ہوئی نظام الملک طوسی جیسے ہی نماز سے فارغ ہوا فقہا اور علماء کی جماعت نے اسے گھیر لیا اور حدیث و فقہ کے موضوع پر خواجہ نظام الملک کی گفتگو سے مستفید ہونے لگے اچانک خواجہ نظام الملک نے "نہاوند" کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ کیا آپ اصحاب اس بات سے واقف ہیں کہ یہ مقام نہاوند سن ۲۰۲ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا اور پھر اس نے نہایت فخر سے ان صحابہ اکرام کی شہادت کے واقعات سنائے جنہوں نے معرکہ نہاوند میں جام شہادت نوش جاں کیا تھا دیر تک محفل گرم رہی حتی کہ تراویح کا وقت آ گیا نظام الملک کی امامت میں نماز تراویح ادا کی گئی ابھی نماز سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ ایک دیلمی نوجوان دہائی دیتا اس جگہ آ پہنچا جہاں نظام طوسی علماء و فقہا سے اجازت طلب کر کے اپنے گھوڑے کی سمت بڑھ رہا تھا اس فریادی نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں اور ایک عریضہ نظام الملک طوسی کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ایسے دلدوز انداز میں رو رو کر دادرسی کی درخواست کی کہ سب کے دل شق ہو گئے خود نظام الملک طوسی گھوڑے کی رکاب پر پیر رکھتے رکھتے رک گیا اور ہمدردی سے اس مظلوم شخص کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے عریضہ پڑھنے لگا وہ شخص آگے بڑھا اور تمام اصحاب کے سامنے یکلخت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ چھری نظام الملک کے کلیجے کے پار اتار دی ایک دلدوز چیخ کے ساتھ نظام الملک طوسی فرش پر گر پڑا فریادی جو در حقیقت فدائی تھا تیزی کے ساتھ ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا مگر نظام الملک کے غلاموں نے دیکھ لیا تھا وہ لپک کر اسے پکڑ لائے لشکر میں کھلبلی مچ گئی سب ہی اس اچانک حادثے اور نظام الملک پر قاتلانہ حملے کی وجہ سے سراسیمہ تھے نظام الملک نے تمام تر ہمت مجتمع کر کے چیخ کر کہا "اس شخص کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا اسے گرفتار کر کے اس سے حسن بن صباح کے متعلق جاننے کی کوشش کرو دیکھو خبردار اسے نہ چھوڑنا مگر اس شخص نے چالاکی سے فرار ہونے کی کوشش کی تو خدام نے تیزی اور انتہائی غم و غصے کی حالت میں اسکی گردن تن سے جدا کر دی اور اسی لمحے وزیر اعظم خواجہ حسن نظام الملک نے اپنی جان بجان آفریں کے سپرد کر دی۔

* * * * *

نظام الملک کے واقعہ شہادت سے قبل ایک کثیر تعداد افوج قلعہ الموت پر بھیجی جا چکی تھی لہذا وہ حسب سابق مقررہ وقت پر اپنے مقام پر پہنچ گئی اور وزیر اعظم کے حکم کے مطابق قلعے کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو شدید نقصان پہنچایا معرکہ شدید ترین تھا مگر امیر ارسلان (سپہ سالار) کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی حتی کہ قلعے کے اندر حسن بن صباح کے صرف ستر

آدمی رہ گئے اور قریب تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے کہ حسن بن صباح کے دیرینہ ساتھی بو علی نے قذدین سے فدائیوں کی ایک کمک روانہ کر دی انہوں نے امیر ارسلان کی فوجوں پر اس وقت شب خون مارا جب انکی فتح اور فدائیوں کی شرمناک شکست یقینی تھی اور قریب ترین تھی اس اچانک حملے نے نظام الملک طوسی کی فوجوں کو ہراساں کر دیا تازہ دم فدائیوں کے سامنے کئی مہینے تک جنگ کرتے رہنے والی یہ فوج زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکتی تھی ملک سلطان شاہ کو اپنی فوجوں کی ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے ایک اور سپہ سالار قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ فوری طور پر روانہ کیا قلعے کے باہر ایک مرتبہ پھر جنگ نے زور پکڑا پسپا ہوتی ہوئی فوج کیلئے یہ تازہ کمک امداد غیبی سے کم نہ تھی گھمسان کا رن پڑا قلعے کے اندر صورتحال یہ پیدا ہو چلی تھی کہ صباح کے مریدین باہر نکل بھاگنے کی صورت تلاش کرتے تھے صباح نے مریدوں کی بدحواسی بھانپ لی اور فوراً ناٹک رچاتے ہوئے کہا کہ ابھی ابھی مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوئی ہے کہ کوئی شخص قلعے سے باہر جانے کا قصد نہ کرے مریدوں کے گرتے ہوئے حوصلے وحی الٰہی کے نام پر ایک مرتبہ پھر بلند ہو گئے اور وہ از سر نو مدافعت کرنے لگے اسی اثناء میں یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان ملک شاہ نے بھی اچانک اس دار فانی سے کوچ کر لیا فوجوں کا ایسی خبر سن کر لڑتے رہنا ممکن نہ تھا لہٰذا وہ واپس ہوئیں بعد میں تحقیق نے ثابت کیا کہ سلطان کی شہادت ایک فدائی کے زہر دینے کے باعث عمل میں آئی۔

*****

حسن بن صباح کی اس فتح نے اسے پہلے سے کہیں زیادہ بے باک کر ڈالا تھا سلطان ملک شاہ کی شہادت کی خبر اسکے لئے نہایت اہم نوید تھی جسکا اس نے شاندار جشن منایا اور قلعہ ملاذ خان پر قبضہ کر لیا یہ قلعہ فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا اور ایک طویل عرصے تک ڈاکوؤں کا مسکن رہنے کے بعد سلطان ملک شاہ کے احاطہ تصرف میں آیا تھا اور سلطان نے ایک رئیس "میرانز" کی کسی وفاداری پر خوش ہو کر اسے بطور جاگیر مرحمت کیا تھا میرانز نے اسکی حفاظت و دیکھ بھال کیلئے ایک افسر کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا تھا صباح کے باطنی فرقے نے اس کے ارد گرد خوشامد اور چاپلوسی کے جال بچھانے شروع کر دئے تاکہ حاکم کسی طور پر یہ قلعہ انکے ہاتھ فروخت کرنے پر رضامندی ظاہر کر دے مگر جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے حاکم کے سامنے اپنے باطنی فرقے کی خوبیاں بیان کرنی شروع کر دیں حاکم ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا جب کسی طور بات نہ بنی تو صباح نے کہلوایا کہ ٹھیک ہے میں اپنے فرقے کے چند علماء کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ تمہیں باطنی فرقے سے متعلق تمہاری غلط فہمیاں دور کر سکیں حاکم نے علماء کی جماعت کو قلعے کے اندر آنے کی اجازت دے دی علماء کی جماعت (جو درحقیقت وہی جنگجو فدائی تھے) جیسے ہی اندر داخل ہوئی اپنے اپنے لبادوں سے خنجر نکالے اور قلعہ کے کلید برداروں کو تہ تیغ کر کے سب چابیاں چھین لیں اور حاکم کو گرفتار کر کے قلعے پر فوری طور پر قبضہ کر لیا اس قلعے پر با آسانی قبضے نے حسن بن صباح کی مسرتوں کو دو چند کر دیا اب وہ قہستان کے دو مشہور قلعوں کے درپے ہوا کہ قدرت نے خود ہی اسکی کامیابی کیلئے اسباب و واقعات پیدا کر دیئے قصہ دراصل یوں تھا کہ حاکم قہستان ایک فاسق اور زانی شخص تھا اس نے علاقے کے ایک رئیس جسکا نام "منور" تھا کے گھر سے اسکی حسین و جمیل کنواری ہمشیرہ کو بالجبر اٹھایا اور اپنے قلعے میں قید کر لیا منور کیلئے اس قلعے کے اندر جا کر اپنی ہمشیرہ کی حصول تقریباً ناممکن بات تھی لہٰذا اس نے حسن بن صباح سے مدد مانگی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسکے سفاک جنگجو فدائی چند گھنٹوں میں اسکے اندر بھڑکی ہوئی آتش انتقام کو ٹھنڈا کر سکتے ہیں لہٰذا ایسا ہی ہوا فدائیوں کی فوج نے قلعے پر چڑھائی کر دی اور پھر ------ بقیہ

بھی باطنی فرقے کے تصرف میں آگیا۔ اب رہ گیا قلعہ خالنجان جسکا سردار ایک ترک تھا فدائیوں کی جماعت نے حسن بن صباح کو اس قلعے کے بارے میں جو کچھ معلومات فراہم کیں اور جو اندرونی نقشے مہیا کئے انکی روشنی میں اس ترک سردار تک پہنچنا نہایت مشکل کام تھا اب حسن بن صباح کے شیطانی ذہن نے ایک طویل المیعاد منصوبہ ترتیب دیا اور دو ہونہار فدائیوں کو شاہی امور کی خصوصی تربیت دینا شروع کی اور نہایت شستہ زبان، مستعدی، چابکدستی اور دیگر اہم فنون و خصائل سے لیس کر کے ترک سردار کی خدمت میں بہ غرض نوکری روانہ کیا ان دونوں نے اپنے آپ کو فدائی کے بجائے دو تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان ثابت کیا اور ملازمت کیلئے نہایت خوبصورتی اور چاپلوسی سے درخواست پیش کی ترک سردار اس مکر و فریب کے جال کو پہچان نہ سکا اور ان دونوں نوجوانوں کی اعلیٰ صلاحیتوں سے متاثر ہوتے ہوئے انہیں اپنے قلعے کے اندرونی نظم و نسق اور انتظامات میں شامل کر لیا رفتہ رفتہ ان دونوں نے اپنا اثر و رسوخ اس حد تک بڑھا لیا کہ حاکم کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئے اور قلعے کی کنجیاں تک اپنے قبضے میں لے لیں اور فوری طور پر حسن بن صباح کو اطلاع دی حسن نے اپنے استاد زادہ احمد بن عطاش کے پاس پیغام بھیجا کہ جا کر قلعے پر قبضہ کر لو احمد لشکر لے کر رات کی تاریکی میں قلعے کے دروازے پر پہنچا تو اسے اپنی آمد کے انتظار میں کھلا اور دونوں فدائیوں کو ہتھیاروں سے مسلح پایا حملہ بھرپور تھا حاکم اس اچانک ناگہانی کیلئے تیار نہ تھا، بھاگ کھڑا ہوا احمد بن عطاش اور دونوں نوجوانوں نے نہایت بے دردی اور سفاکی سے تمام قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر دیا اور قلعے پر اپنا جھنڈا لہرا کر فتح کا اعلان کر دیا۔ فتح کا یہ اعلان اہل اصفہان کیلئے موت کا پیغام ثابت ہوا کیونکہ اب باطنی فرقے کے گرگے اہل اصفہان سے اپنی قوت کے بل پر خراج وصول کرنے لگے اور جو اس غنڈہ گردی کے خلاف احتجاج کرنے کی کوشش کرتا اسے بیدردی سے قتل کر دیتے اصفہان کے گلی کوچوں میں اب خوف اور بربریت کی حکومت تھی فدائیوں کے ہاتھوں جس تیزی کے ساتھ مسلمان اس دور میں شہید ہوئے اسلامی تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی اور اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ باطنی فرقے میں غیر مذاہب کے پیروؤں کو بلا کسی عذر کے بھی قتل کر ڈالنا عین کار ثواب تھا لہٰذا اس مقصد کے حصول کیلئے باطنی فرقے کے پیروکار یعنی فدائی مکانوں کی اوٹ میں چھپے رہتے اور جب، جسے موقع ملتا آتے جاتے راہ گیروں کو چھرا گھونپ کر قتل کر ڈالتے۔ سن ۴۸۹ھ میں ابو مسلم رازی کو جو "رے" کے حاکم تھے تہ تیغ کر ڈالا اسکے علاوہ اسی سال امیر اثر ملک شاہی امیر کمش اور امیر سیاہ پوش نے باطنیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ سن ۴۹۰ھ میں طغرل بک کے ندیم امیر یوسف اور سلطان ملک شاہ کے غلام امیر ارغش سلطان برکیارق کے وزیر عبدالرحمان سیمری طغرل بک کے ندیم برمق سلطان برکیارق کے ایک دوسرے وزیر ابوالفتح دہستانی امیر سرزمین ملک شاہی اور ہادی علی گیلانی کو باطنیوں نے بیدردی سے قتل کر ڈالا سن ۴۹۱ھ میں متفرقہ، والی دہستان سکندر صوفی قروینی اور ابوالمظفر جمیعہ فاضل اصفہانی باطنی ستم آرائی کا نشانہ بنے۔ سن ۴۹۲ھ ابن صباح کے پیروؤں نے اتابک مودود، حاکم دیار بکر، ابو جعفر شاطبی رازی، ابو جبید مستوفی، ابو القاسم کرنی، ابوالفرج قراتگین کو شہید کیا۔ سن ۴۹۳ھ میں قاضی کرمان، امیر بلکابک سرمز اصفہان اور قاضی عبداللہ اصفہانی کو دار الآخرت روانہ کیا قاتلوں کا سراغ اسلئے نہ مل سکا کہ ان فدائیوں کے قتل کا طریقہ کار بڑا انوکھا اور بڑا ہی دہشتناک تھا کہ وہ معززین کو قتل کرتے ہی اس چھرے کو خود اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لیتے اور امراء و وزراء تک پہنچنے کے لئے بھیس بدل کر انکی ملازمت اختیار کرتے اور

پھر موقع ملتے ہی کام تمام کر ڈالتے عالم اسلام کو باطنی فرقے نے شدید زک پہنچائی اور تمام اکابرین و علماء کو اس فرقے نے تہ تیغ کر دیا۔۔۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں کہ کتنے اس بدترین دور میں گمنام و شہید ہوئے۔

سلطان ملک شاہ کے فرزند اکبر سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے علماء اور عامتہ برایا کی شکایت پر سن ۴۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا مگر اسی حکم کو سنتے ہی حسن بن صباح نے بھی ایک حکم جاری کر دیا کہ ایک باطنی کے عوض دس مسلمان قتل کر دو چنانچہ سارے ملک میں قتل و غارت گری کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا باطنی فرقے کے لوگ یا شیخ الجبل، پکارتے گلیوں میں دندناتے پھرتے تھے اصفہان میں ایک اور وبا یہ چلی کہ مسلمان بڑی تعداد میں غائب ہونے لگے لوگ گھروں سے نکلتے تو واپسی کی کوئی امید نہ ہوتی راہ چلتے لوگ آنا فانا کچھ اسطرح غائب ہوتے کہ لگتا جیسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا آخر کار اہل اصفہان نے اس مہم پر کمر باندھی اور گمشدہ افراد کی تلاش شروع کی اور اس مشکوک بڑھیا کا بغور جائزہ اور مشاہدہ لینا شروع کیا کیونکہ اس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ کبھی اپنی جگہ سے ہلتی نہیں ہے دن رات اسی جگہ ایک بوریا بچھائے پڑی رہتی ہے مسلمانوں نے گھسیٹ کر بڑھیا کو الگ کیا اور بوریا اٹھا کر دیکھا تو اندر ایک تہہ خانے کا دروازہ نظر آیا تہہ خانے کو کھولا گیا تو وہ مسلمانوں کی نعشوں سے پٹا پڑا تھا لوگوں نے اشتعال میں آکر اس بڑھیا کو موقع پر ہی ہلاک کر دیا اور اس گھر کو آگ لگا دی اسی طرح ایک اور مشکوک گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے صحن میں ایک کنواں مسلمانوں کی لاشوں سے بھرا ہوا ملا جو کہ سب کی سب گمشدہ مسلمانوں کی تھیں تفتیش پر پتہ چلا کہ یہ باطنی محلہ ہے جسکے صدر دروازے پر ایک بظاہر اندھا فقیر بیٹھا رہتا ہے اور وہ ہر آنے جانے والے مسلمان راہ گیر سے کہتا ہے کہ ذرا مجھ نابینا کی لاٹھی پکڑ کر اندر کوچے تک چھوڑ آؤ جونہی وہ کوچے کے اندر جاتا باطنی بھیڑیے اس پر حملہ آور ہو جاتے اور لاش اس کنویں میں پھینک دیتے۔

*****

یہ سن ۵۰۰ھ کا زمانہ ہے خواجہ نظام الملک طوسی کی شہادت کو پندرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اب تخت پر سلطان ملک شاہ سلجوقی رونق افروز ہے اور مرحوم وزیر اعظم خواجہ نظام الملک طوسی کے فرزند اکبر فخر الملک ابو المظفر علی سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر ہے۔

عاشورہ کا اداس اور الم ناک دن تھا گرمی اور دھوپ کی شدت نے موسم میں سختی اور قلوب میں شہدائے کربلا کی یاد تازہ کر دی تھی ابھی دن زیادہ چڑھا بھی نہیں تھا کہ تپش میں اضافہ ہونے لگا فخر الملک روزے کی حالت میں جانے نماز پر تسبیح و ذکر میں مصروف تھے کہ چند دیرینہ دوست آپہنچے اور باتوں ہی باتوں میں فخر الملک نے اپنے رات کے خواب کا تذکرہ چھیڑ دیا دوست ہمہ تن گوش تھے فخر الملک کی رعب دار آواز گونج رہی تھی۔ رات میں نے حضرت حسین بن علیؓ کو خواب میں دیکھا، آپ مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ جلدی آؤ فخر الملک، تاکہ ہمارے پاس پہنچ کر ہی روزہ افطار کرو اور قضائے کردگار سے چارہ نہیں جو کچھ اس ذات برتر نے مقرر کیا ہے لا محالہ اسکا ظہور ہو گا خدا آپ کو سلامت رکھے حاضرین نے بے اختیار کہا کیونکہ خواب کی تعبیر جس سمت اشارہ کر رہی تھی اس سے سب ہی واقف تھے ۔۔۔۔ بالآخر ایک جہاندیدہ بزرگ نے کہا "آپ مصلحت وقت کا خاطر دن اور رات کا سارا وقت اسی حجرے میں گزار دیں اور باہر قدم نہ رکھیں خواجہ فخر الملک برابر نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف تھا اور بہت سا مال صدقات اور خیرات کی مد میں خرچ کیا عصر کے وقت خواجہ فخر الملک کے کانوں میں ایک دردناک آواز سنائی دی، "بس مسلمان ختم ہو گئے

ہائے ہائے کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریاد رسی کرے فخر الملک کا دل بھر آیا باہر نکل کر اسے آواز دی اور اپنے قریب بٹھا لیا۔ کون ہو بھائی اور کس ابتلاء کا شکار ہو ہمیں بھی بتاؤ دیکھو شاید کہ ہم سے کچھ بن پڑے اس شخص نے آنسو پونچھے اور ایک تحریری عرضداشت نکال کر فخر الملک کے ہاتھ میں دے دی اور جیسے ہی فخر الملک مطالعے میں مصروف ہوا اس نمائشی و جعلی داد خواہ نے جو دراصل ایک سفاک فدائی تھا چھرا فخر الملک کے پیٹ میں گھونپ دیا اور فرار ہو گیا۔

باطنیہ فرقے کی دھما چوکڑی اور شر انگیزی کو مد نظر رکھتے ہوئے سلطان محمد نے سن ۵۰۰ھ میں قلعہ شاہ ور پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا نفس نفیس یورش کی اس قلعہ اور پہاڑ کا مکمل دور چھ کوس کا تھا ابن صباح نے اس جگہ کو بہت مضبوط کر رکھا تھا سلطان محمد نے امرائے لشکر کو باری باری جنگ پر متعین کیا اور ایک طویل مدت تک نہایت عزم اور احتیاط کے ساتھ حملے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ باطنی جنگ کی طوالت اور شدت محاصرہ سے گھبرا گئے اور امان کے خواستگار ہوئے درخواست یہ کی کہ انہیں قلعہ خالنجان مرحمت ہو اور قلعہ مذکور سے نکل کر قلعہ خالنجان میں منتقل ہونے کیلئے انہوں نے ایک مہینے کی مہلت طلب کی سلطان محمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور باطنی لوگ مال و اسباب کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئے ابھی مقررہ مدت پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ چند باطنیوں نے سلطان محمد کے ایک فوجی افسر پر حملہ کر دیا۔ شومئی قسمت کہ فوجی افسر بچ نکلا سلطان محمد کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے محاصرہ از سر نو شروع کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ سختی سے کام لیا اب باطنی اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور معافی کی درخواست کی سلطان محمد نے ایک مرتبہ پھر فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے انکی درخواست کو منظور کر لیا اور تمام باطنیوں کے منتقل ہوتے ہی قلعے کو فوری طور پر مسمار کرنے کا حکم دیا جسے شاہی فوج نے نہایت مستعدی سے پورا کیا حسن بن صباح کے استاد کا بیٹا احمد بن عطاش قلعے کے ایک برج کے پیچھے اپنے ساتھیوں جنکی تعداد تاریخی کتابوں میں ۸۰ کے قریب بتائی جاتی ہے چھپ گیا اور فرار ہونے کی کوشش کی مگر سلطان محمد کے سپاہیوں نے اس جگہ پہنچ کر سب کو قتل کر ڈالا اور احمد بن عطاش کو پکڑ کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا سلطان نے حکم دیا کہ اسے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرا کے ہلاک کر دیا جائے لہذا سلطان کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا گیا اس کے ساتھ اسکا بیٹا بھی تھا دونوں کے سر تن سے جدا کر کے دار الخلافہ بغداد بھیجے گئے احمد کی بیوی نے شوہر اور بیٹے کے انجام کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک بلند مقام سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی سلطان محمد کا ایک وزیر سعید الملک جو درپردہ باطنی تھا اور احمد بن عطاش کا معاون و مددگار تھا وہ سلطان کے خلاف قتل کی سازش میں ملوث پایا گیا جسے پھانسی کی سزا ہوئی سعید الملک کی ہلاکت کے بعد سلطان نے قلمدان وزارت خواجہ نظام الملک مرحوم کے خلف ابو نصر احمد کے سپرد کر دیا۔ سن ۵۰۳ میں ابو نصر احمد بذات خود فوج لے کر قلعہ الموت پر یلغار کیلئے آگے بڑھا لیکن بوجہ شدت سرما واپس آنے پر مجبور ہوا آٹھ سال کے بعد

سن ۵۱۱ھ میں قلعہ الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی اس مہم کے قائد امیر نوشتگین شیرگیر تھا۔ اس نے برابر ایک سال تک محاصرہ جاری رکھا جب رسد تھوڑی رہ گئی اور اہل قلعہ کی بدحالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی تو ابن صباح نے عورتوں اور بچوں کو درخواست امان کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجا سلطان نے اس درخواست کو رد کیا اور قریب تھا کہ حسن بن صباح خود اپنی شکست تسلیم کر لے یا قلعے کی کنجیاں سلطان کے حوالے کرے سلطان محمد قضائے الٰہی سے آغوش لحد میں جا سویا برابر ایک سال تک محاصرہ کرنے والی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور انتہائی مایوسی و پستی کے

ساتھ واپس لوٹ گئی حسن بن صباح کا شر ایک مرتبہ پھر رنگ لایا اور قلعہ بدستور اسکے قبضے میں رہا مگر اس کے بعد وہ بھی زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکا اور ۲۸ ربیع الآخر سن ۵۱۸ ھ کو واصل جہنم ہوا اس وقت اسکی عمر ۹۰ سال تھی اور وہ پینتیس برس تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا ابن صباح نے اپنے دور حکومت میں تقریباً سو قلعوں پر قبضہ کیا تھا جن میں سے نہایت عظیم الشان قلعوں کی تعداد گیارہ تھی جنکے نام ہیں الموت ، گردکوہ ، لامسر ، شاہ در ، پردسکوہ ، خالنجان ، استون آوند ، آردھن النّاظر ، طنبور

قارئین کرام! گزشتہ چودہ صدیوں کے چند مشہور جعلی خداؤں ، خانہ ساز نبیوں ، خود ساختہ مسیحوں ، جھوٹے مہدویت کے دعوے داروں ، دجالوں اور کاذبوں کی سوانح حیات اور ان کی شر انگیزیوں پر مشتمل روحانی ڈائجسٹ کا یہ سلسلہ جسے قارئین نے پسندیدگی کے شرف سے نوازا ۔ اب تک آپ کی خدمت میں سجاح بنت حارث ، اسود عنسی ، بابک خرمی ، حکیم مقنع خراسانی وغیرہ کی سوانح حیات پیش کر چکا ہے ۔ حسن بن صباح کی شر انگیزیوں کی یہ روئیداد جو آپ نے چار قسطوں میں ملاحظہ فرمائی اب اختتام کو پہنچ چکی ہے ۔ قارئین اکرام ان تمام کہانیوں میں جن کا تانا بانا تاریخی واقعات پر مشتمل ہے ۔ ایک قدر مشترک یہ ہے کہ سب ہی نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے شر سے شدید ترین نقصانات پہنچائے اور اس آفاقی مذہب کو خاکم بدہن نیست و نابود کرنے کی مذموم کوشش کی مگر ان تمام کوششوں کے باوجود مذہب اسلام اپنے عروج کی جانب بڑھتا ہی گیا کیونکہ اس کی حفاظت وغیرہ کا وعدہ خود خدا تعالیٰ نے کیا ہے ۔ اگلے ماہ یقیناً آپ کسی اور شیطان کی شیطانیت کی روئیداد ملاحظہ فرمائیں گے ۔

محفل مراقبہ

احمد جمال عظیمی

جمعہ کے روز خواجہ شمس الدین عظیمی کی صدارت میں محفل مراقبہ منعقد ہوتی ہے ۔ پہلے درود شریف اور اس کے بعد آیت کریمہ کا ختم ہوتا ہے ۔ مراقبہ کے بعد لوگوں کے مسائل و معاملات الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات کے لئے بواسطہ رحمت اللعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کی جاتی ہے جو خواتین و حضرات دعا میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ علیحدہ کاغذ پر نام اور مقصد صاف صاف لکھ کر بھیجیں ۔ جن خوش نصیبوں کے حق میں رب العزت نے ہم گنہگاروں کی دعا کو شرف قبول بخشا ہے ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ بطور شکرانہ اپنے گھروں میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کریں اور شیرینی تقسیم کریں ۔ صاحب استطاعت حضرات غربا و مساکین کو کھانا کھلائیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنے رحم و کرم کا نزول فرمائیں آمین ۔ محفل مراقبہ میں جن خواتین و حضرات کے لئے دعا کی گئی ان کے نام یہ ہیں

عبدالحمید ، عبدالرشید خان ، محمد سعید ، حمد خان ، شاہد و نعیم ، عمر تنصیر ، شبانہ بشیر ، آصف بشیر جہانداد خان خداداد خان ، عابدہ جان ، حضرا مائی ، مقصود احمد ، رحمت بیگم ، زکیہ خالد محمد بلال ، زدرس میاں ، انور عبدالشکور محمد سعید محمد صادق ، سلمیٰ بیگم ، کلثوم حبیب ، سید علی اکبر کاظمی ، رابعہ ناصر ، شاہین کوثر کوثر یونس ، ہما فیض ، فوزیہ فیاض ، سکینہ ملک فریدہ خانم ، سلطان فاطمہ ، صفیہ بیگم ، صوبیہ ، رضیہ خاتون ، کلثوم امین ، عائشہ یوسف ، حمیدہ غنی ، حلیمہ امین ، آفتاب منیر رخسانہ ، آفتاب شریف ، رضیہ بیگم ، نفیرن ، ملکہ جہاں ، شاہین ظہیر ، شبانہ شوکت ، رعنا ، شافعہ ، قدسیہ ، امتیاز بیگ ساجد اظہر ، رابعہ جمیل ، شریف یونس ، سیدہ نوشیہ پروین ، صدف محبوب ، بشریٰ قادر ، عزالہ نسرین ، رفعت یاسمین سعدیہ جمیل ، شبنم خاتون ، صفدر علی ، فرحانہ نعیم ، بلال نعیم ، حمیرا نعیم ، صائقہ نعیم ، محمد عابد ، فرحت آرا ، افسر جہان نقش بی بی ، سید مظفر امام ، سید ابوظفر امام ، بلقیس بانو ، فوزیہ فیاض ، محمد سلیم ، رخسار ، ثمینہ ، عارفہ ، شہلا ، وحید رفعت ، نیاز ، اقبال عزیز ، شمشاد بیگم ، عباسی بیگم ، ادریس بیگ مغل ، محمد عمران خان ، رئیس فاطمہ ، غلام محمد ، محمد رفیق محمد جمال خان ، ظلی خانم ، ندیم احمد ، عرفان الحق ، غلام فرید ، فیروزہ نبی احمد ، فرخندہ ، رفیعہ ، علاؤ الدین احمد ، محمد انور صدیقی ، محمد عظیم بٹ ، محفوظ بیگم ، احمد رضا ، مظہر حسین ، مقبول احسن ، عمران ، مصباح الحسن فرقان ، فیروزی خانم واحد علی خان ، سیدہ نوشیہ پروین ، محمد آفتاب ، غلام سرور ، اختری سلطانہ ، وسیم اختر ، بابر رحمٰن ، رخسانہ صدیقی ، نرگس اقبال ، محمد سلطان ، انجی زبانو ، فرحت جہاں ، شبنم ، نسرین ، سلیم حاجی طیب ، عبدالحمید ، کنیز فاطمہ رخسانہ اختر ، یاسمین اختر ، ناصرہ اختر ، نگہت امتیاز ، عبدالغفور ، عفت ، روبینہ ، محمد حماد خان ، ماہ پروین عائشہ بی بی ، حفیظہ بانو ، محمد عبدالغنی ، زاہدہ رشید ، عبدالرشید ، آفتاب شریف ، مسرت افزا روحی ۔

۔غلام سرور۔ محمد اشفاق۔ زبیر۔ ارشاد بیگم۔ یاسمین۔ یاسین۔ محمد شریف۔ ناہید کوثر۔ کشور۔
مسعود کامل۔ شائستہ۔ نسیم۔ چوہدری مختار بیگم۔ پرویز ممتاز۔ سہیل ممتاز۔ جمشید مختار۔ صبوحی مختار۔ امیر رؤف
سہیل رؤف۔ فدا حسین۔ طیبہ فاطمہ۔ مہناز فاطمہ۔ بشریٰ خانم۔ اللہ رکھی۔ کوکب اقبال۔ شاہین اقبال۔ راشد
عابدہ۔ زاہدہ۔ محمد افضل۔ محمد طارق۔ شاہد بشیر۔ میاں عبدالرزاق۔ ممتاز بیگم۔ سہیل اقبال۔ کاظم حسین۔
قاری عبدالرزاق۔ سلیم خان۔ فضل الرحمٰن خان۔ ریاض احمد مدنی۔ خدیجہ بیگم۔ خالد۔ محمد عاصم۔ محمد صفدر۔
نسیم۔ اسد۔ فرح۔ دیبا۔ عبدالمنان۔ آفتاب احمد۔ عذرا۔ انور برق۔ فاطمہ منیم۔ منیم خان۔ محمد نقی خان۔ سعیدہ بیگم
انعام الرحمٰن۔ پروین نثار۔ رقیہ پرویز۔ پرویز مسعود۔ نثار حسین۔ محمد احسان۔ فاروق حیدر۔ رؤف حیدر۔
حیات بدر۔ راحت بدر۔ رفعت ناز۔ شعیب حیدر۔ شبیر حسین۔ ذکاء الدین۔ محمد نواز۔ اصغر علی۔ محمد رشید۔ شاہین
شمیم کوثر۔ احسان الحق۔ شہزاد خالد۔ شبانہ یاسمین۔ محمد اشرف۔ غلام حبیب۔ شائلہ رشید۔ ثمینہ پرویز
ہارون۔ سراج۔ نظام الدین۔ پروین نثار۔ ڈاکٹر منصور۔ ناہید امین۔ محمد اکبر۔ ارشد علی۔ مریم۔ حاجی عبدالقیوم
منیر احمد۔ طفیل احمد۔ نسرین اختر۔ میاں مشتاق احمد۔ محمد امین صابر۔ بابر۔ نواز۔ شبیر احمد۔ محمد رشید بیگ
یاسمین۔ محمد اسلم شاہد۔ بشریٰ اسلم۔ مہوش اسلم۔ شہناز شفیع۔ خورشید بیگم۔ محمد فیاض۔ خادم حسین۔ عاشق علی
حاجی علم الدین۔ خواجہ اختر۔ محمد رضا شاد۔ عائشہ ضیاء۔ محمد ناصر۔ عمر وائیں۔ ماریہ وائیں۔ ناصر وائیں۔ لیلیٰ انعام
نگہت۔ محمد فاضل شاہ۔ اصغر علی۔ سلیم احمد۔ علیم مہدی۔ عامر مہدی۔ ہمایوں۔ محمد طارق۔ سلیم اختر۔ آغا۔ نذیر احمد
مطلوب حسین۔ محمد اکمل۔ محمد خلیل۔ چوہدری محمد شہباز۔ غلام محمد بھٹی۔ احمد محمود۔ میاں علاؤ الدین۔
صائمہ الٰہی: جبار افضل۔ محمد یٰسین عظیمی۔ حافظ نذیر احمد۔ محمد ریاض۔ شفقت۔ عرفان اللہ۔ ساجد محمود۔ صفیہ بیگم
سلطان محمود۔ عالمگیر بھٹی۔ محمد مصدق امین۔ عبیدالرحمٰن۔ طاہرہ پروین۔ ذوالفقار کھوکھر۔ صائمہ سلیم۔ فوزیہ ادریس
نصرت۔ جاوید۔ ساجدہ۔ میاں شاہد پرویز۔ میاں محمد قاسم۔ رحمت علی۔ رضیہ بی بی۔ جہانگیر بھٹی۔ حمید الرحمٰن۔
بشریٰ اختر۔ عامر محمود قریشی۔ محمود حسین قریشی۔ ڈاکٹر الطاف الرحمٰن قریشی۔ انور بی بی۔ شاہد حنیف۔ ڈاکٹر عارف منیر
شفقت نذیر۔ ناصرہ پروین۔ مسرت۔ فوزیہ۔ حمیدہ خانم۔ فدا حسین۔ بشیراں بی بی۔ محمد اقبال قاضی۔ محمد اشفاق
زاہدہ خالد۔ طاہرہ وسیم۔ سلطان حسین۔ عمر خان۔ فیروزہ سلطان۔ عذرا پروین۔ محمد بشیر۔ حکیم سعید احمد۔ عبدالحی
عبدالحمید۔ سراج الدین۔ محمد اعجاز۔ دانش اعجاز۔ ذیشان اعجاز۔ نصرت پروین۔ عباسی بیگم۔ یاور عباس۔ صدیقہ سلیم
عبدالرزاق۔ فرحت حسین۔ سید منصور علی۔ نبیلہ گلزار۔ فیروز محمد قریشی۔ نسیم جہاں۔ ارسلان۔ صغریٰ شکیل۔ فرزانہ قمر
رحیمہ خاتون۔ نذیر بیگم۔ حوا بائی۔ امینہ۔ غلام عائشہ۔ شاہین فاطمہ۔ شگفتہ فاطمہ۔ بشریٰ سلطان۔ سمیعہ۔ منہاج الدین
عمران۔ سید مبارک علی۔ محمد شاہد۔ شرجیل احمد خان۔ شکیل احمد خان۔ جوزافین۔ رضوانہ افضل۔ مہر عالم۔ رفعت سردار
ضیاء اللہ۔ تبسم خاتون۔ عابدہ بیگم۔ ولی داد۔ غلام محمد۔ جان محمد۔ اختر محمد۔ علاؤ الدین احمد۔ جمیلہ بیگم۔ محمد فرید خان۔
محمد اقبال۔ رفیقہ اعجاز۔ نفیسہ بانو۔ کوثر مشتاق۔ تزئین فاطمہ۔ مطیع الزماں صدیقی۔ عبدالقادر۔ سائرہ۔ عبیداللہ۔ زہرہ
زبیر ملک شاہ۔ عبدالقادر۔ نور جہاں۔ نسیم اختر۔ رضیہ بیگم۔ نسرین بیگم۔ سلیم موسیٰ۔ فردوس بیگم۔ خالد رحمٰن۔ محمد شفیق خان
محمد انیس خان۔ سیدہ رخشندہ بہار۔ سید منظور علی۔ مقبول موچی۔ محمد رفیق۔ وقار حسین۔ فاروق حسین۔ آصف حسین۔ کوکب صدیقی

۔ساجدہ۔ محمد اقلیم۔ شبنم فریں۔ ندیم احمد خان۔ سید شمیم رضا۔ محمد اعجاز۔ ذوالفقار علی عظمیٰ امین۔ زیبا۔ شہناز انجم
عزالہ انجم۔ حمیرا احمد۔ شمیم بیگم۔ نجم الدین۔ آفاق حسین۔ حاجی اسماعیل۔ نقی احمد۔ عمران حسواری۔ محی الدین۔ رضیہ سلطان
غلام غوث۔ محمد عامر طاہر۔ عنبر۔ مقبول احمد۔ فرزانہ مقبول۔ عزیز الرحمان۔ افروز کوثر۔ خالدہ پروین۔ سید محمد افتخار۔
افتخار رخشک۔ عبدالوسیع۔ محمد سعید خان۔ رحمان فاطمہ۔ زبیر احمد۔ محمد انور۔ صدیق۔ منیر بیگ۔ عرفان احمد خان۔
سید زبیر احمد ہاشمی۔ شازیہ آفتاب۔ رفیقن خاتون۔ محمد اسماعیل۔ یاسمین بیگم۔ ثمر جہاں۔ آصف۔ عامر۔ انتظار
فرزانہ۔ وحید احمد۔ شاہد اجمیری۔ صفیہ خاتون۔ محمد علیم الدین۔ امجد فاروق۔ احمد سعید نقوی۔ افتخار احمد۔
آفتاب احمد۔ وقار۔ فرخندہ محمود۔ شکیلہ خاتون۔ اصفیہ خاتون۔ کشور عبدالاحد۔ توفیق احمد۔ تنویر احمد۔ اعتماد
شہناز اویس۔ نسرین عطا۔ فرزانہ عماد۔ رضوانہ بیگم۔ زاہد محمود۔ رفیع۔ توفیق۔ اظہر علی۔ مظفر علی خان۔ شاکر ناز
طاہرہ بیگم۔ قریشہ خاتون۔ فراز احمد۔ رشیدہ مشتاق۔ عبدالحمید یمین۔ شمع حمید۔ عبدالجلیل۔ صادق علی۔ رضا حمید
صبا حمید۔ رضوانہ بیگم۔ فہمیدہ۔ آفاق احمد۔ نشینہ۔ زاہد حسین۔ فریدہ ایوب۔ وحیدہ اقبال۔ سائرہ۔ قمر جہاں
عشرت علی یار خان۔ حبیب اللہ۔ اقبال حسن۔ علی حسن خان۔ عیسیٰ پردیسی۔ رخسانہ شاہین۔ مہر تبسم وارثی
معصومہ رضوانہ۔ محمد ظفر احمد واثقی۔ خاقان میر خلیل۔ محمد خالد کیانی۔ محمد عارف۔ محمد طاہر۔ محمد خالد۔ محمد یٰسین
کشور سلطانہ۔ افشاں عارف۔ محمد شہزاد عارف۔ محمد شاہد۔ محمد فہد۔ محمد سعید۔ فیروزہ۔ نبی احمد۔ محمد اسمٰعیل۔ بشیر احمد
کلثوم بائی۔ محمد عباس۔ رانا مجید۔ ظفر احمد۔ سلیم۔ عصمت رابعہ۔ مظہری بیگم۔ زوبیہ۔ محمد یونس۔ محمد حنیف۔ رضیہ
زبیدہ مظفر۔ حلیمہ بیگم۔ نجمہ نور۔ مظفر۔ عائشہ۔ غلام قدیر۔ سعید۔ محمد فرید تاجی۔ اللہ بخش۔ محمد سلیم۔ جنید۔ نگہت
اعظم فاروق۔ واحد۔ عبدالستار۔ فریدہ۔ سیدہ عتیق فاطمہ۔ محمد ناصر کلیم۔ نوید عابدی۔ عظمیٰ نثار۔ محمد رحمت اللہ خان
رفیق احمد۔ رؤف احمد۔ صفیہ بی بی۔ عبدالحفیظ۔ رضیہ احمد۔ ریشماں احمد۔ اسمار احمد۔ محمد احمد۔ رفیعہ احمد۔
محمد نقی۔ روبینہ نقی۔ قرۃ العین۔ نشاط نقی۔ ہما نقی۔ احسن نقی۔ ندیم فاطمہ۔ جمیلہ۔ دانش۔ جاوید۔ ہمین احمد۔
الماس ہمین۔ محمد اصغر۔ طارق صدیقی۔ شمیم آرا۔ حمیدہ بیگم۔ فریدہ۔ شاہین۔ الماس۔ نسرین عطار۔ صائمہ۔ محمود خان
حمیدہ عزیز۔ زاہدہ حسین۔ شفیقہ بیگم۔ تنویر احمد خان۔ نائلہ۔ مبشر کمال۔ خورشید اختر۔ آمنہ صدیقی۔ اعجاز قریشی
سید خورشید احمد ہاشمی۔ دختری بیگم۔ نسیم اختر۔ نفیسہ۔ طاہرہ بنت مسعود۔ نجمہ فاروقی۔ شمس النساء۔ قریشم
خاتون۔ جمال احمد۔ صفیہ بیگم۔ عارفہ پروین۔ نورینہ۔ تحریم بابر۔ تبسم گلزار۔ فرزانہ انعام۔ صائمہ ناصر۔ سلیم
ارم صدیقی۔ شہنیلا انعام۔ عمران کیفی۔ اسماء قمر۔ شاہد۔ مرزا آفتاب عالم۔ احسن سعید۔ افضل جہاں۔ عزالہ رشید
کاشف عتیق۔ فیضان عتیق۔ خدیجہ عثمان۔ انوپہ۔ رضیہ بانو۔ خورشید احمد ہاشمی۔ شمائل نظامی۔ عزالہ پروین
ثمینہ نسرین۔ نجمہ نظامی۔ عبدالغفور۔ رضیہ خاتون۔ آصف یار خان۔ سیف یار خان۔ طارق یار خان۔ کاشف یار خان
طیب یار خان۔ عائشہ خاتون۔ حلیمہ امین۔ حمیدہ غنی۔ سلمان الٰہی۔ صغریٰ عباس۔ عائشہ عباس۔ سنبر عباس۔
عزیزہ عباس۔ شاہدہ عباس۔ غلام عباس۔ نجمہ عباس۔ اقبال عباس۔ خجستہ عباس۔ محمد امین۔ غیاث الدین۔ حمیدہ غنی
شگفتہ تسنیم۔ نوشابہ پروین۔ فرزانہ بانو۔ یاسمین منظور۔ نصرت پروین۔ ادریس احمد جعفری۔ مومنہ خاتون۔

رحمت النساء ۔ ظاہر شاہ ۔ بشریٰ انوار ۔ عنبرین معطر ۔ زبیدہ ہارون ۔ ثمینہ ۔ محمد اشرف ۔ عبدالواحد ۔ نفیسہ ۔ اعجاز احمد ۔
درخشاں اعجاز ۔ یاسمین عبدالغنی ۔ افضالہ ۔ غزالہ ۔ صفیہ سلطانہ ۔ سرفراز حسین ۔ رضا حسین ۔ نوید عارف ۔ عظمیٰ ۔ فوزیہ
ایاز الرحمٰن ۔ محمد شریف ۔ رفعت پروین ۔ اعظم فاروق ۔ ذیشان علی خان ۔ غزالہ نسرین ۔ محمد علی ۔ محمد اسلم ۔ شکیل اشرف
وسیم صدیقی ۔ نزہت پروین ۔ طلعت یاسمین ۔ ریشماں فرح ۔ محمد حلیم ۔ سید لیاقت حسین ۔ نبیلہ ۔ حمیدہ بانو ۔ سائرہ
نرگس درّانی ۔ عبدالرشید خان ۔ نصرت قدیر ۔ شیخ سیف اللہ ۔ نقش بی بی ۔ سید محمد علی عمران ۔ نفیس عالم ۔ محمد نواب
ولایتاً ۔ نگہت سلطانہ ۔ مہ جبین ۔ وقاص ۔ نائلہ رحمٰن ۔ رعنا رحمٰن ۔ نسیم اختر ۔ سہیل ۔ محسن ۔ تاج الدین ۔ عبدالرحمٰن
خالدہ تاج ۔ رفعت پروین ۔ فرحت پروین ۔ عارفہ خان ۔ اقبال بیگم ۔ منور حسین ۔ سدرہ ۔ ثمینہ ۔ شاہینہ ۔ عتیقہ ۔
ناجیہ عبدالرحمٰن ۔ عبدالحفیظ ۔ زاہدہ پروین ۔ فوزیہ خانم صوری ۔ لیاقت علی ۔ زرتاب ۔ فہیم الحق ۔ محمد اکرم ۔ شجاع الدین
قاضی عبدالخالق ۔ قاضی عبدالمالک ۔ ریاض یاسر ۔ شیخ سراج الدین ۔ انوار الحسن ۔ والدہ علی اصغر ۔ سیدہ کوثر ۔
محمد اشرف ۔ محمد رفیق ۔ امام الدین ۔ سید سہیل اختر زیدی ۔ عقیل جمال ۔ سید طیب علی ۔ سلمیٰ ۔ جاوید ۔ محمد عثمان غنی صدیقی
نزہت یاسمین ۔ نازنین ۔ محمد الیاس ۔ محمد اعجاز ۔ زبیدہ بیگم ۔ صالحین یوسف ۔ عابد حسین ۔ شیریں قریشی ۔ عتیق ۔ اکبری بیگم
نشاط فاطمہ ۔ منعب ۔ خدیجہ ۔ محمد نعیم ۔ راشد محمود ۔ عبدالحمید کاشمیری ۔ شجاع الدین ۔ فیصل ۔ علیم الدین ۔ ریاض علی خان
عظمیٰ خانم ۔ سید اکرام علی ۔ پروین اکرام ۔ سید عادل علی ۔ اقبال احمد ۔ اکبر علی خان ۔ الماس ۔ عیسب خان نیازی ۔
محمد اسلم خان نیازی ۔ محمد یوسف شکوری ۔ زرفری ۔ شفیقہ بیگم ۔ رضیہ وحید ۔ زیبا بشیر ۔ عرفان احمد خان ۔ ظہیر احمد
نازلی بیگم ۔ رشیدہ ناز ۔ ہاجرہ نور ۔ رضوانہ بیگم ۔ مسز زاہد حسین صدیقی ۔ خورشید فاطمہ ۔ محمودہ خاتون ۔ راحیلہ
حبیب اللہ ۔ زیبا ۔ نسرین عطار ۔ خدیجہ بیگم ۔ زاہدہ خاتون ۔ محمد ضمیر الدین ۔ نعیم الدین ۔ ناظمہ عابد ۔ توفیق احمد
تنویر احمد شکیل ۔ سائرہ پروین ۔ فرزانہ موسیٰ ۔ نعمان احمد ریاض ۔ صدیقہ بیگم ۔ سہیل احمد شیخ ۔ عبدالرحمان
سید محمد افتخار ۔ شکیل احمد ۔ شمیم احمد خان ۔ ولی داد ۔ سائرہ خانم ۔ مونا رفیق ۔ شمیم بیگم ۔ احمد سعید نقوی ۔ قیصر جہاں
حاجی محمد سعید خان ۔ کامران باسط ۔ کامران اظہار ۔ جاوید عصمت ۔ خاقان میر علی حسن خان ۔ محمد عادل ۔ نسیم اختر
شمع ۔ زرقا ۔ عشرت بانو ۔ نعیم ۔ ثمینہ ۔ خالد محمود ۔ الماس مبین ۔ سیدہ ندیم فاطمہ ۔ شازیہ ۔ عبدالقدیر ۔ جمیلہ
سید ظہیر احمد کاظمی ۔ عائشہ ۔ ثمورنہ ۔ ہما ۔ زبیدہ خاتون ۔ دانش ۔ مشیل احمد ۔ رفیق رضوی ۔ یاسمین سلیم ۔ خیران
نفیسہ ۔ حاجرہ ۔ بشریٰ ۔ الطاف ۔ شاہدہ ۔ خالد احمد سعید ۔ الماس ۔ اختر النساء ۔ شائستہ بیگم ۔ مقبول احمد
کامران ۔ عابد خان ۔ محمد اقبال ۔ ریحانہ اقبال ۔ روبی ۔ برکت محمود علی اور بیگم ۔ ضمیر محمود علی ۔ رضیہ محمود علی ۔
شمیم بانو ۔ فرزانہ مقبول ۔ فاطمہ سلطانہ ۔ زاہدہ ۔ روبینہ طارق ۔ شاہدہ نعیم ۔ بلقیس فاطمہ ۔ حجن سردار بیگم
زیب ۔ ساجدہ ۔ زاہد اقبال ۔ سعیدہ بیگم ۔ یاسمین شگفتہ ۔ اختر جہاں ۔ خالد جاوید ۔ سخی سخاوت علی ۔
جاوید اقبال ۔ عصمت ۔ گلشاد لغاری ۔ فیصل لغاری ۔ لیلیٰ سعودی ۔ اختر علی ۔ معشوق علی ۔ بہاؤ الدین ۔ محمد امیر مستوئی ۔
افضل حسین شاہ ۔ رقیہ ۔ حسن خان ۔ سیما ۔ محمود شاہ ۔ عفت محمود ۔ محمد اکبر ۔ صابر ۔ محمد اسلم ۔ شمس الدین ۔ فقیر احمد
ناصر خان ۔ رضیہ ۔ ابو جبار ۔ محمود شاہ ۔ خانم ۔ عابدہ پروین ۔ رحمت انصار ۔ غلام عباس ۔ محمد خان ۔ فیض احمد ۔
جاوید ۔ محمد شاہ (مرحوم) / والدہ غلام شاہ ۔ غلام شاہ ۔ زرین شاہ ۔ قادر شاہ ۔ بابر شاہ ۔ ظاہر شاہ ۔ توحید شاہ

خواتین

کا روحانی ڈائجسٹ

نگراں ۔۔۔ حمیرا وقار

یہ ایک بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اترنے والے قرآن نے تاریخ آدم کی مظلوم ترین عورتوں میں ایک عورت پر حضرت مریم کو وہی تقدس عطا کیا جو حضرت ابراہیم، حضرت یونس، حضرت یوسف اور حضرت ہودؑ کو دیا اور جس طرح ان کے تذکروں سے مزین سورتیں ان کے نام سے منسوب ہوئیں اسی طرح جس سورۃ میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے اس کا نام سورۂ مریمؑ ہے قرآن حکیم کے نزدیک عورت کا مقام مرد سے کمتر ہوتا اور اس کی بزرگی اور عظمت مرد کے برابر نہ ہوتی تو قرآن کریم کی یہ سورۃ حضرت مریم کے بجائے حضرت عیسیٰؑ کے نام سے منسوب کی جاتی ۔

تاریخ عالم میں عورت کے تقدس کو یہ کہہ کر پامال کیا جاتا رہا کہ عورت کمزور ہے، ناقص العقل ہے اور عقل و شعور میں جو مرتبہ مرد کو حاصل ہے، عورت اس تقدس سے محروم ہے حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نے عورت کے معاملے میں انتہائی تنگ دلی سے کام لیا ہے۔ جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کاغذ اور قلم پر مردوں کی اجارہ داری قائم رہی ہے ۔

ہماری کوشش ہے کہ خواتین کے ساتھ صدیوں پرانی اس ناانصافی کو ختم کر کے خواتین کے ان صفحات میں عظیم مسلم خواتین کے علمی اور عملی کارنامے غزوات میں ان کی بے مثال قربانیوں اور حکمت عملی کے واقعات، مختلف ممالک کی ترقی میں خواتین کا کردار، اللہ کی دوست اولیاء اللہ خواتین کے حالات، ان کی روحانی واردات وکیفیات وغیرہ پر مضامین شائع کئے جائیں ۔

ہماری خواہش یہ بھی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کی صلاحیتوں کو متعارف کرایا جائے سائنسی دور میں علوم سے آراستہ خواتین کی ذمہ داری تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں علوم اور روحانیت کے فروغ میں روحانیت کی جہد مسلسل، بچوں کی صحیح نگہداشت اور تربیت ۔

اس کے علاوہ!

امہات المومنین، صحابیاتؓ ثانی ۔ دادی اور اپنی بزرگ خواتین سے متعلق مقالے۔ کہانیوں پر مشتمل مضامین شائع کریں۔

اگر آپ کسی تاریخ ساز خاتون کے بارے میں لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور لکھیں اور اپنی تحریر ہمیں روانہ کردیں روحانی ڈائجسٹ میں آپ کے لئے صفحات مختص ہیں ان صفحات پر فاضل مضمون نگار خواتین کی تحریریں نہایت آب وتاب کے ساتھ شائع کی جائیں گی ۔

سعیدہ خاتون عظیمی

روح کہانی

عظیم روحانی اسکالر جناب خواجہ شمس الدین عظیمی کی روحانی شاگرد سعیدہ خاتون عظیمی کی ایک بصیرت افروز تحریر۔ جس کے ہر ہر حرف سے تصوف کی خوشبو پھوٹتی ہے اور قارئین روحانی ڈائجسٹ کے دل ودماغ کو معطر کر دیتی ہے۔

اچھے بھلے بیٹھے ہوئے ذہن میں جانے کہاں سے خیال ابھرا۔ میں حاملہ ہوں۔ اس حماقت آمیز اطلاع پر نظر خود ہی مسکرا دی۔ عقل نے اپنی دانائی کا ثبوت دیا۔ جب روح تخلیقی قوتوں سے لبریز ہو جاتی ہے۔ تو حواس کے دائرے روح کی روشنیوں سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ تب ذہن میں حاملہ ہونے کا تصور ابھرتا ہے۔ یعنی بوجھ اٹھانے والی۔ عقل کی فلسفیانہ توجیہ پر لب مسکرا دئے۔ ذہن عقل کی دلیل پر آگے بڑھنے لگا۔ خیال کی روشنی ذہن سے ٹکرا رہی ہے۔ تب ہی ذہن نے اپنے اسکرین پر ڈسپلے ہونے والی تصویر میں معنی پہنانے ہیں۔ یوں لگا جیسے خیال کی روشنی ذہن کی اسکرین پر ٹھہر گئی ہے۔ فکر خیال کی گہرائی میں ڈوبنے لگی۔ نظر کے سامنے روح آگئی۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس قدوسیت کا نمونہ لگ رہی تھی۔ اتنے میں اسکی جانب دو تین آدمی بڑھتے ہوئے دکھائی دئیے۔ انہوں نے روح سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ہمارا تعلق شعبہ تکوین سے ہے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ آپ حاملہ ہیں۔ روح نے تعجب سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ میں حاملہ ہوں۔ کون ہے وہ جس نے مجھ پر یہ بوجھ رکھا۔ انہیں سے ایک شخص نے کہا۔ اسے روح وہ آپ کا رب ہے۔ ذات کی روشنیوں سے جب روح کے تمام لطائف رنگین ہو جاتے ہیں۔ اور نقطۂ ذات تجلی کی روشنیوں سے لبریز ہو جاتا ہے تو روح اپنے رب کی امانت کے بوجھ سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ امانت اسمائے الٰہیہ کے علوم ہیں۔ جن کے بوجھ کو زمین آسمان نے اٹھانے سے اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مگر اللہ کی امانت کو اللہ کے بندے نے قبول کر لیا۔ اور وہ نائب مقرر ہوا۔ پس آدم کی اولاد میں سے جو بندہ اللہ کی امانت کا بوجھ اٹھانے کی سکت رکھتا ہے۔ اس کی

روح اس امانت کی امین بن جاتی ہے۔ یہ امانت آدم کی روح کے ذریعے روح در روح منتقل ہو رہی ہے۔ روح امانت کے بوجھ کو محسوس کرتی ہے۔ اور ذہن اسے حاملہ کے لفظ سے معنی پہناتا ہے۔ یہ باتیں سن کر روح تھوڑی سے گھبرا گئی۔ اب میں کیا کروں۔

ان آدمیوں نے مہربان دوست کی طرح روح کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ آپ ذرا بھی نہ گھبرائیں بس جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر عمل کریں۔ آپ کو قطعی کوئی تکلیف انشاء اللہ نہیں ہوگی روح کا ذہن بالکل خالی تھا اسنے ان کی جانب دیکھا اور بولی۔ اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔

اس میں سے ایک شخص نے کہا۔ کیا آپ اس امانت کو دیکھ سکتی ہیں۔ جو آپ اٹھائے ہوئے ہیں۔ روح نے اپنے اندر نظر کی۔ پانی کی ایک بوند کے اندر رنگوں کے بے شمار دائرے اسکی نظر میں آ گئے۔ وہ شخص بولا آپ کیا دیکھ رہی ہیں۔ روح نے کہا۔ پانی کی بوند کے اندر گیارہ ہزار رنگوں کے دائرے ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ اب ہمارے ساتھ چلیں۔ یوں لگا جیسے وہ اشخاص اور روح پانی پر کھڑے ہیں۔ سب پانی پر چلنے لگے۔ چلتے ہوئے اس شخص نے کہا۔ یہ دریائے وحدانیت ہے۔ اب ہم آپ کو اس دریا کے اس کنارے پر لئے جاتے ہیں۔ جہاں سے دریا شروع ہو رہا ہے۔ دریا وحدانیت میں چلتے ہوئے روح وحدتِ فکر کے پانی میں بھیگ گئی۔ اس پانی سے اس کے اندر پانی کی بوند کے رنگ پھیلنے لگے۔ یوں لگتا تھا کہ رنگوں کے بوجھ سے بوند پھٹ جائے گی۔ اسکے قدم سست ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ اس بوند کو اپنے اندر سنبھالے ہوئے قدم بڑھانے لگی وہ شخص روح کی ہمت بڑھانے لگے۔ بس صرف چند ہی قدم ہیں۔ ہم آپ کو ایسی جگہ لئے جا رہے ہیں۔ جہاں آپ اس بوجھ کو اتار کر آرام کا سانس لے سکتی ہیں۔ اور وہ اسے بتاتے جاتے تھے۔ آپ کو کیا کیا کرنا ہوگا۔ وہ دریا کا چکر کاٹ کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں پہاڑ میں ایک غار بنی ہوئی تھی۔ یہ غار اندر سے بالکل اندھیری تھی۔ وہ لوگ اس غار کے پاس جا کر رک گئے۔ پانی پر چلتے ہوئے روح کے ذہن میں یہی خیال رہا۔ جو در حقیقت کلام الہی ہے۔ کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے عرش پانی پر تھا۔ اسکا ذہن ہر قدم پر یہی الفاظ دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ ذہن نے خود اسکی تشریح کر دی۔ عرش مجموعہ ہے کرسی، لوح محفوظ، بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا۔ پانی سے مراد ارادہ یا تصور ہے۔ پس عرش کا پانی پر ہونے سے مراد کرسی، لوح محفوظ، بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا تصور یا خاکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہونا مراد ہے۔ یعنی حکم کن سے پہلے عرش کے علوم اللہ تعالیٰ کے ارادے میں موجود تھے۔ اسکی نظر غیر ارادی طور پر اپنے اندر موجود اس امانت کی جانب اٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے اس امانت میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسرار و علوم موجود ہیں۔ اور وہ اور زیادہ احتیاط سے پانی پر چلنے لگی۔ بالآخر وہ اس غار کے پاس جا کر رک گئے۔ اس نے غار کے اندر جھانکا۔ گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر تعجب کی بات یہ لگی کہ غار سے نور کا دریا اپنے پورے زور و شور سے نکل رہا تھا۔

ان لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ اے روح۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وحدانیت کا دریا نکل رہا ہے آپ کو اس کھوہ کے اندر جانا ہوگا۔ یہ ایک سرنگ ہے۔ آپ اس میں داخل ہو جائیں۔ آپ کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ آپ کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ روح کے ذہن میں سوائے فرمانبرداری کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ سرنگ میں داخل ہونے کے بعد وہ کہاں جائے گی۔ بس اس کے ذہن میں تو صرف اتنی بات تھی کہ اس کا رب اس سے یہی چاہتا ہے۔ اس نے منہ ہی منہ میں اپنے رب کا نام لیا۔ اور اس اندھیری رات سے بھی زیادہ اندھیری سرنگ میں تنہا داخل ہو گئی۔ یوں لگا جیسے اس سرنگ میں کوئی تیل نما چکنی شے ہے۔ جس پر وہ

پھسلتی جا رہی ہے۔ اسکے ذہن نے بار بار قرآن کی یہ آیت دہرانی شروع کر دی۔ "اور کہا ہم نے آپ پر سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا جسنے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔" اس گھپ اندھیرے میں جہاں روح غیر اختیاری طور پر پھسلتی جا رہی تھی۔ کلام الہی کے الفاظ نے اسے سہارا دیا۔ اسکا یقین بڑھتا چلا گیا۔ بلاشبہ اللہ میرا دوست ہے۔ وہ میرا ہمدرد ہے۔ وہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔ چند ہی لمحوں میں سرنگ ختم ہو گئی۔ اس آخری لمحے میں ایک زبردست چکا چوند ہوئی۔ اس چکا چوند نے ایک لمحے کو اس کے تمام حواس سلب کر لئے۔ اسکا ذہن بھی رک گیا۔ اور جب اسے ہوش آیا۔ تو اسنے محسوس کیا وہ بہت اونچائی سے چھلانگ لگا رہی ہے۔ خوف کے مارے اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اس کے حواس نے محسوس کیا۔ جیسے اس کے اندر کی بوند پھٹ گئی ہے۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ اس بوند کے پھٹنے پر اسے اسکی قوت و طاقت کا اندازہ ہوا۔ اس نے دیکھا۔ اس دھماکے سے اس کے اندر سے نور کا جیسے آتش فشاں پھٹ نکلا ہو۔ بوند کے سارے رنگ باہر اپنی پوری قوت سے جا پڑے۔ اس نے دیکھا گیارہ ہزار سورج ہیں۔ یہ تمام سورج ایک گول دائرے میں ہیں۔ یہ سب سورج اس بوند کے اندر سے نکلنے والے رنگ و نور کے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے سکون ملا۔ اسکے ذہن میں آیا۔ یہی میری کائنات ہے۔ یہی میرے رب کی امانت ہے۔ جسکے بوجھ نے میری کمر توڑ رکھی تھی۔ اس کائنات کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ میں اللہ کی امانت کی امین ہوں۔ اب روح کی آنکھ نے دیکھا کہ یہ گیارہ ہزار سورج انتہائی لطیف ستاروں کے ساتھ اسکی ذات سے وابستہ ہیں۔ اس نے اپنی ذات کی جانب دیکھا۔ اور پھر اس کھوہ کی جانب دیکھا جہاں سے نکل کر وہ اس روشن فضا میں آ گئی تھی۔ اسنے سوچا میں نقطہ وحدانی ہوں۔ کائنات کا نقطہ۔ دریائے وحدانیت کی ایک بوند۔ اس بوند کے اندر کائنات کا علم وحدت فکر کی حیثیت سے موجود ہے۔ جب اس بوند کے اندر وحدت فکر میں ارادے کی حرکت پیدا ہوئی تو فکر کی روشنی نے ارادے یا اللہ تعالیٰ کے شیون کی حرکت پر اس بوند کے اندر اپنی حرکت منتقل کر لی۔ لا محدودیت کی ہر حرکت دائرے میں ہے۔ بوند کے اندر تفکر کی ہر حرکت ایک ایک رنگ کا دائرہ ہے۔ ہر دائرہ وحدت فکر کا دائرہ ہے۔ اور ہر دائرے میں کائنات کی ایک ایک نوع کا علم ہے۔ بوند کے اندر وحدتِ فکر کے یہی علوم اللہ کی امانت ہے۔ وحدت فکر وحدانیت کا تفکر ہے۔ جو وحدانیت کے دریا سے بوند کو منتقل ہوتا ہے۔ وحدانیت کا دریا ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ اصل ذات باری تعالیٰ اس دریا سے ماوراء ہے۔ دریائے وحدانیت میں اصل ذات باری تعالیٰ کا تفکر موجود ہے دریائے وحدانیت لا محدودیت ہے۔ لا محدودیت کا تفکر محدودیت کو فیض کرتا رہتا ہے۔ محدودیت دریائے وحدانیت کی ایک بوند یا تجلی ذات کے عالم کی ایک تجلی ہے۔ جب یہ بوند دریا کے تفکر کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ تو وحدتِ فکر کا رنگ اس تجلی یا بوند پر غالب آ جاتا ہے۔ ہر وحدت فکر کائنات کی کسی نہ کسی نوع کا فارمولا ہے۔ تجلی بذاتِ خود ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ تجلی کے رنگ اسمائے الٰہیہ کی صفات یا تجلیاں ہیں۔ اور نوع کا فارمولا اسمائے الٰہیہ کی متعین مقداریں ہیں۔ دریائے وحدانیت یا تجلی ذات کا عالم خلائے نور ہے۔ خلائے نور کو اللہ تعالیٰ کا ارادہ بغیر کسی اسباب و وسائل کے نور میں تبدیل کر دیتا ہے۔ خلائے نور کی نور میں تبدیلی صفت لدنی کہلاتی ہے۔ نور کے اندر کائنات کا فکر کام کر رہی ہے۔ یعنی لا محدودیت کا تفکر کائنات کے نقطے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ نقطہ نقطہ وحدانی کہلاتا ہے۔ اس نقطے میں اللہ تعالیٰ کے گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کی تجلیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کن سے یہ گیارہ ہزار تجلیات حرکت میں آ جاتی ہیں۔ اور ان سے کائنات کے نظام شمسی تخلیق ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم

گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کو ایک ایک سورج تسلیم کریں۔ تو گیارہ ہزار و سورج کی روشنی ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے۔ اور انکی روشنی سے یہ مرکز یا نقطہ روشن ہو جاتا ہے۔ یہی نقطہ کائنات کا نقطہ یا نقطۂ وحدانی ہے۔ نقطۂ وحدانی کا دماغ اللہ کا ارادہ ہے۔

اس ارادے کی یہ فکر اسمائے الٰہیہ کا شعور یا تفکر ہے۔ اسی تفکر کو وحدت فکر کہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس تفکر کا اظہار ہوتا ہے تو فکر اپنا اظہار اسم یا لفظ میں کرتی ہے۔

وحدت فکر کا ہر حرف نقطۂ وحدانی کے اندر ہونے والی ایک حرکت ہے۔ یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت ہے۔ جسکا اظہار امر ربی یعنی روح کے ذریعے ہوتا ہے۔ روح نقطۂ وحدانی یعنی تجلی ذات کا عکس ہے۔ یہ عکس نقطۂ وحدانی کے اندر موجود گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کے رنگوں سے رنگین ہے۔ روح کی ہر حرکت نقطۂ وحدانی کے ذہن سے ہوتی ہے۔ نقطۂ وحدانی کا دماغ اللہ کا ارادہ ہے۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ "اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔" گویا نقطۂ وحدانی کی ہر حرکت کائنات کی ایک نوع کی تخلیق ہے۔ یہ تخلیق روح یا امر ربی کے ذریعے ہوتی ہے۔ علم کا مظاہرہ تخلیق ہے۔ کائنات کا ہر مظاہرہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر اس کے کن کہنے سے ہو رہا ہے۔ یعنی لا محدودیت میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسمائے الٰہیہ کی ہستیوں کے ذریعے جب نقطۂ وحدانیت میں منتقل ہوتا ہے۔ تو نقطۂ وحدانی کے اندر ذات باری تعالیٰ کے ارادے کو اسمائے الٰہیہ کی ہستیاں حکم کن میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ حکم کن آواز ہے دوسرے لفظوں میں ذات باری تعالیٰ کی آواز کن اسمائے الٰہیہ کے ذریعے نقطۂ وحدانی میں داخل ہوتی ہے۔ آواز کی لہریں نقطۂ وحدانیت سے روح کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں۔ روح اللہ کے امر کو الفاظ، حروف اور آواز کی صورت میں موصول کرتی ہیں۔ امر کن کا ہر حرف اللہ تعالیٰ کے تفکر کا ایک مکمل علم ہے۔ یہ علم روح کے ذریعے کائنات میں وسیلے ہوتا ہے۔ اسی وسیلے کو تخلیق یا کائنات کہتے ہیں۔ وحدت فکر اپنے اظہار کیلئے مخصوص الفاظ اختیار کرتی ہے۔ یہ الفاظ فکر کی روشنی کا لباس ہیں۔ اس لباس میں فکر کی روشنی حرکت کرتی ہے۔ نقطۂ وحدانی کے ذریعے روحوں کو کائنات کا تفکر تقسیم ہوتا ہے۔ آدم کی روح کو کائناتی تخلیق کے فارمولوں کے علوم حاصل ہیں۔ یہی وہ امانت ہے جسکے پہاڑ، آسمان، اور زمین متحمل نہ ہو سکے۔ نقطۂ وحدانی کے یہ علوم جب آدم کی روح میں منتقل ہونے تو اسکی ذمہ داریوں کے بوجھ کی فکر کو روح نے لفظ حامل کے ذریعے اظہار کیا۔ ان علوم کی منتقلی ذات باری تعالیٰ سے براہ راست اسمائے الٰہیہ کی ہستیوں کو اسمائے الٰہیہ سے نقطۂ وحدانی سے روح کو منتقل ہو رہی ہے۔ نقطۂ وحدانی کی حقیقت روح اعظم یا روح محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ روحانی علوم کی منتقلی دراصل رسول پاک کے انوار کی منتقلی ہے۔ جو اللہ کے قانون کے مطابق سینہ در سینہ چلا آرہا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر یہ علوم براہ راست اسمائے الٰہیہ کے ذریعے منتقل ہونے عالم ناسوت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعور میں اسمائے الٰہیہ کا تفکر یعنی فرشتے کے ذریعے علم منتقل ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرشد اسمائے الٰہیہ ہیں۔ مراد اور مرید کا یہی قانون روحانیت کے علوم کی منتقلی میں کام کر رہا ہے۔ روح نے دیکھا گیارہ ہزار سورج دائرے کی صورت میں اس کے سامنے آگئے۔ ہر سورج کے ساتھ روح ایک باریک تار کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ ہر سورج میں اسمائے الٰہیہ کا عکس تھا۔ اس کے اندر وہ اپنے رب کیلئے محبت اور تشکر کی روشنی پیدا کی اور یہ روشنی ان تاروں سے ہر سورج میں منتقل ہونے لگی۔ روح کا ذہن حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جذب ہو گیا

افضل حسین علوی

ایک حقیقت ایک کہانی

دیہات والوں نے یہ منظر دیکھا تو اُن کے سر فرطِ عقیدت سے جھک گئے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان سروں کو اُس اقلیم عفت و عصمت کی شاہزادی کے حضور جھکنا ہی چاہیے تھا جو منظر ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں بہت عجیب تھا۔

مگر نہیں صاحب! بات یوں نہیں بنے گی، بہتر ہوگا کہ یہ واقعہ جس کی ہر کڑی اپنے اندر ایمان و ایقان کا ایک جہان لیے ہوئے ہے، پوری تفصیل سے سنایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ کوئی فرضی کہانی نہیں، بلکہ ایک سچا واقعہ ہے۔

جس بستی سے اس واقعے کا تعلق ہے اس کے باشندے نشے کے اس قدر عادی ہیں کہ معمولی منشیات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ بالعموم مارفیا کے ٹیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اور ستم یہ کہ اس لت کا شکار صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی ہیں اور یہ بھی اس نشے کا ٹیکہ اپنے ہاتھ سے لگا لیتے ہیں۔

ہماری ان گناہگار آنکھوں نے نشہ کرنے کا یہ انوکھا اور نرالا ڈھنگ دو دفعہ دیکھا، ایک بار ریل گاڑی کے کمپارٹمنٹ میں اور دوسری دفعہ اپنے مہربان دوست چودھری اقبال ایڈووکیٹ کے دفتر میں۔ ہم لوگ شاید چائے کی چسکی بھی اتنی بے نیازی سے نہیں لیتے جتنی لاپروائی کے ساتھ یہ لوگ مارفیا سے بھری ہوئی سرنج کی سوئی اپنے بازو میں گھونپ لیتے ہیں۔

قیام پاکستان سے کوئی دس بارہ سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت اس بستی کے لوگ نشے کے عادی نہیں ہوئے تھے۔

ایک دن موجودہ زمانے میں عورت کی بے حجابی اور عصمت و عفت کی ارزانی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اتفاق سے اس محفل میں باہومان کا ایک متمول زمیندار بھی موجود تھا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا:

"باؤجی! مجھے آپ لوگوں کی اس بات سے اتفاق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کو بگاڑنے میں اس کے ماحول کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہو، وہ بڑے سے بُرے ماحول میں بھی اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتی ہیں اور نہ صرف اپنی حفاظت کرتی ہیں بلکہ پارسائی کے ایسے چراغ روشن کر دیتی ہیں کہ قیامت تک ان کی روشنی باقی رہے گی۔" یہاں تک کہہ کر چودھری کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "ویسے یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو وہ خواتین ہیں جن کو مکمل معاشرتی تحفظ ملتا ہے مگر وہ پھر بھی غلط راہوں پر چل نکلتی ہیں

اور دوسری طرف وہ عورتیں ہیں جن کے چاروں طرف عصمتوں کے لٹیرے منڈلاتے رہتے ہیں مگر وہ چٹان کی طرح جادۂ مستقیم پر ڈٹی رہتی ہیں۔ میں آپ کو اس دوسرے گروہ کی ایک ایسی ہی پاکباز عورت کا حال سناتا ہوں۔ وہ ہمارے گاؤں باہومان کے ایک موچی کی بیٹی تھی اور کچھ یوں معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کے کسی عجیب مغالطے کے تحت کسی بادشاہ کے گھر جنم لینے کے بجائے موچی کے گھر پیدا ہو گئی تھی۔ میں کیا بتاؤں جی آپ کو کہ وہ کتنی حسین تھی۔ بس یوں سمجھ لیں چودھویں کا چاند تھا جو زمین پر اُتر آیا تھا۔

آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمارے دیہات میں بے چارے موچی، لوہار، بڑھئی اور جولاہوں کو "کمی" کہتے ہیں اور ان لوگوں کو بہت حقیر خیال کیا جاتا ہے۔ اب تو حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں اور ہر شخص اپنے انسانی شرف اور مرتبے سے آگاہ ہو گیا ہے۔ مگر جی ہمارے وقتوں کی بات نہ پوچھیں، بیچارے کام بھی کریں۔ ایسے کام جو رُک جائیں تو معاشرتی نظام میں ایک خوفناک تعطل پیدا ہو جائے اور اوپر سے زمینداروں کے رعب بھی سہیں۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ اس موچی کی کیا حیثیت ہو گی جو ویسے بھی مسکین طبع تھا اور مرے کو مارے شاہ مدار، والی ایک اور بات یہ کہ غریب کی بیوی سدا کی روگی تھی اس کی حالت ایسی تھی کہ باقاعدگی سے علاج کیا جاتا اور اچھی خوراک دی جاتی، لیکن ایسی بیماری میں بھی اسے چودھریوں کے گھروں کے کام کاج کرنے پڑتے تھے اور بچی بھی اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

خوبصورت تو وہ بچپن ہی سے تھی مگر جوان ہوئی تو اس کا حُسن قیامت ڈھانے لگا۔ یہاں میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ شہروں میں تو ایک سے ایک بڑھ کر حسین شخص دیکھنے میں آتا ہے، اس لیے کسی کے حُسن کا اتنا چرچا نہیں ہوتا مگر دیہات میں کسی کے چہرے پر معمول سے ذرا بھی زیادہ چمک ہو تو نمایاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس موچی زادی کے حُسن نے بھی اس کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا۔ وہ جس گھر میں اپنی ماں کے ساتھ کام کرنے جاتی نوجوانوں کی تیکھی نظریں اس کا تعاقب کرتیں۔ بعض من چلے تو ایک دو بول بھی اچھال دیتے، مگر خود اس کا یہ حال تھا کہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔ میں اپنے بارے میں بتاتا ہوں، اس وقت پچیس برس کا گھبرو جوان تھا، اور میری گندمی رنگت پر صحت مند خون کی سرخی چھب دکھاتی تھی۔ گاؤں کے میلوں ٹھیلوں میں جی بھر کر حصہ لیتا۔ کبڈی کے مقابلوں میں تو کوئی میرا ہم سر مقابل ہی نہ تھا اور اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے گاؤں کی اکثر لڑکیوں کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا تھا۔ لیکن وہ لڑکی تھی کہ میری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔ اپنی ماں کے ساتھ وہ ہمارے گھر بھی کام کرنے آتی تھی۔ میں آنے بہانے صحن میں ٹہلتا اور اسے کام کرتے دیکھتا رہتا۔ ایک دفعہ میں نے اسے تنہا پا کر ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے بات کرنی چاہی تو اس نے مجھے نہ بُرا کہا نہ بھلا، بس ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔ ایسی نگاہ جس میں میری بیباکی اور جرأت پر قدرے تعجب بھی تھا، قہر بھی تھا اور ایک عجیب قسم کی تنبیہ بھی۔ سچ کہتا ہوں اس کی اس نگاہ کے پڑتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سر سے پاؤں تک پسینہ آ گیا اور میں جو خود کو بڑا طاقتور سمجھتا تھا، کانپتے قدموں اور جھکی نظروں کے ساتھ راستے سے ہٹ گیا جب میرے اوسان قدرے بحال ہوئے تو وہ جا چکی تھی۔ بس اس دن کے بعد سے مجھے اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہاں تک بیان کرنے کے بعد چودھری اجرا ثم اور ان کے اسباب پر گفتگو کرنے لگا۔ قریشی صاحب نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا: "چودھری صاحب! اُس لڑکی کے بارے میں بتائیے کہ پھر اُسے کن مرحلوں سے گزرنا پڑا۔"

چودھری ٹھنڈا سانس لے کر بولا: "بابو جی! بوڑھے موچی کو اپنی بچی کے جوان اور بے پناہ حسین و جمیل ہونے کا احساس تھا اور یہ احساس اُسے اکثر بے چین رکھتا اس کی خواہش تھی کسی طرح بچی کے ہاتھ پیلے ہو جائیں، مگر موزوں بر نہ ملنا تھا نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر اس نے اپنی بیٹی کی شادی ایک ادھیڑ عمر کے بدشکل شخص کے ساتھ کر دی جو اس کا قریبی رشتے دار تھا اور ہمارے ہی گاؤں میں موچی کا کام کرتا تھا۔

بابو جی! اُس حُسن کی شہزادی کے دل پر اس رشتے سے کیا کیا قیامتیں نہ بیت گئی ہوں گی۔ دیکھنے والوں کے دل اس بچی کی قسمت پر رو رہے تھے۔ گاؤں کی عورتیں دانتوں تلے انگلیاں دبائے آپس میں باتیں کرتیں "آہ! اُس بے چاری کی تو قسمت ہی پھوٹ گئی اس کے نگوڑے باپ کو آخر سوجھی کیا جو اپنی حور سی بچی کو لنگور کے پلے باندھ دیا۔ اُسے آخر اتنی جلدی کیا پڑی تھی۔ ذرا صبر کرتا تو کوئی اچھا رشتہ ضرور مل جاتا۔"

"اب دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ نباہ ہوتا مشکل ہی نظر آتا ہے۔" غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ مگر ادھر جہاں براہ راست آگ لگی تھی ایک مکمل خاموشی تھی۔ وہی خاموشی جو سدا سے اُس کی ساتھی بنی ہوئی تھی۔ اس انمل اور بے جوڑ شادی پر کسی نے اس کے منہ سے اف تک نہ سُنی۔

اس کا شوہر اکیلا دم تھا، شادی کے بعد وہ اپنی سسرال کے گھر ہی اُٹھ آیا اور اپنے سسر کے ساتھ جوتیاں بنانے اور گانٹھنے لگا۔ ایام نے کئی لبادے اوڑھے اور بدلے، مگر اس عرصے میں اُس اللہ کی نیک بندی نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ذرا سا بھی یہ اشارہ ملتا کہ اس شادی پر اس کا دل زخمی ہے۔ بلکہ وہ تو اُلٹا اپنے شوہر کی خدمت کچھ اس طرح ٹوٹ کر کرتی جیسے اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ مل گیا ہو۔ لوگ حیران ہوتے۔ "رجی کو نجانے کیا ہو گیا ہے جو اس بدشکل شخص پر واری جاری ہے اور اس کی خدمت کرتے نہیں تھکتی۔"

"کون رجی؟" ہم نے پوچھا۔

"جی یہ اس کا نام تھا۔ اصل میں نام تو رابعہ تھا مگر پیار سے سب اسے رجی کہتے تھے۔" چودھری نے کہا: "میں نے اب تک عمداً اس کا نام نہیں لیا تھا شادی کے بعد وہ اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ کبھی کبھار چودھریوں کے گھر چھوٹے موٹے کام کرنے آ جاتی اور قابل غور بات یہ تھی کہ اس بے جوڑ شادی کے بعد بھی اس کے رکھ رکھاؤ میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ اس کا دوپٹہ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی چہرے پر سرک آیا تھا۔ وہ وفا اور حیا کی پتلی تھی۔ اللہ کی نیک اور سچی بندی معلوم ہوتا تھا اُسے خود اللہ نے ایمان کی روشنی دکھائی ہے اس نے وہی کیا جو اللہ اور رسولؐ ایک مسلمان عورت سے تقاضا کرتے ہیں۔ یعنی وہ باعصمت عورت شوہر کی خدمت کچھ اس طرح کرتی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے

گاؤں کے اکثر باشندے یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ اس بے جوڑ شادی کے بعد رجی کا مان ٹوٹ گیا ہو گا اور وہ اب انتقاماً غلط راہ پر چل نکلے گی۔ لیکن یہ اندازہ بالکل غلط نکلا۔ لوگوں نے دیکھا رجی اپنے شوہر کو دیوتا کا درجہ دے کر اس کی پرستش میں مشغول ہے۔

ادھر رجّی کے شوہر کا بھی یہ حال تھا کہ اُس کے بغیر کسی پہلو چین نہیں آتا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ کام کاج کرنے جاتی تو سراپا انتظار بنا بیٹھا رہتا اور جب تک وہ لوٹ نہ آتی اُسے قرار نہ آتا۔ وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا تھا اور ایسا سمجھنے کا یقیناً اُسے حق تھا کہ نیک اور پاکباز بیوی کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا گیا ہے۔ یہ تصویر کا ایک رُخ تھا۔ رجّی جو کچھ کر رہی تھی وہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی پاسداری تھی۔ لیکن اس داستان کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ اندر سے اس کا دل پاش پاش ہو چکا تھا اس بے جوڑ شادی کو وہ دل سے قبول کس طرح کر سکتی تھی۔ یہ تو گویا پھول اور آگ کا رشتہ تھا۔ چنانچہ اس اندرونی کرب کا یہ نتیجہ نکلا کہ شادی کے دو ڈھائی سال بعد ہی وہ گھلا اور مرجھا کر فنا کی گود میں جا سوئی۔

"تو کیا وہ مر گئی؟" قریشی صاحب نے سوال کیا۔

"ہاں جی وہ مر گئی۔ کسی بچے کو جنم دیئے بغیر مر گئی۔ اور اس بے چاری کو مر ہی جانا چاہیے تھا۔" چودھری نے کہا۔ ہم نے محسوس کیا کہ یہ بات کہتے ہوئے اس معمر زمیندار کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ یوں گویا ہوا جیسے خود کو سنبھال رہا ہو۔

"اسے ٹی بی ہو گئی تھی جی۔ اُسے جو غم لاحق ہوا تھا وہ اُس نے اپنے سینے میں کچھ اس طرح دفن کر لیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ مرض اسے دیمک کی طرح کھاتا رہا یہاں تک کہ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئی اور ایک دن بڑے آرام اور سکون سے اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ مگر باؤجی یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ رجّی کے چہرے پر آخر وقت تک وہی حُسن، تازگی اور نُورانی سا ہالہ رہا۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ رجّی مر گئی ہے۔"

"تو یہ راز کسی پر عیاں نہ ہوا کہ اس حسین لڑکی کو ماں باپ کے غلط فیصلے نے ہلاک کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جب وہ مر گئی تو گاؤں والوں کو احساس ہوا کہ یہ وفا کی دیوی حیا کی پتلی کس قربانگاہ کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔" یہاں تک کہہ کر بوڑھا زمیندار چپ ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور دو آنسو آہستہ سے اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ ہم بھی دکھ کے بوجھل احساس تلے دب کر رہ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اس کی بات ختم ہو گئی۔ مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا۔

"مگر جی اصل بات تو اب شروع ہو گی۔ اصل بات جس سے پتہ چلے گا کہ اللہ نیکوکاروں اور پاکبازوں کو کس طرح اپنی رحمتوں اور انعاموں سے نوازتا ہے۔ اور کس طرح ان کے دنیا و آخرت میں درجات بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا رجّی کا ادھیڑ عمر بدصورت شوہر اس کا دیوانہ تھا۔ وہ مری تو اس کو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ اس کی بیوی مر گئی ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ وہ واقعی مر گئی ہے تو باؤجی پھر اس نے کوئی بین سے بین کیے۔ وہ گھڑا گھڑا پچھاڑیں کھاتا اور بے ہوش ہو جاتا۔ ہوش میں آتا تو سر دیواروں سے ٹکراتا۔ ادھر رجّی کے جنازے پر سارا گاؤں امڈ آیا تھا۔ اس موقع پر جو خاص بات دیکھنے کی تھی اور جس نے سب کو حیران بھی کیا وہ یہ تھی کہ نہلا دھلا اور کفن پہنا کر آخری دیدار کے لیے جب رجّی کا منہ کھولا گیا تو عورتیں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اس کے ہونٹوں پر ایک دلنواز تبسم تھا۔ ایک ملکوتی سا تبسم، اور ایک ایسا نورانی ہالہ جس کی

کیفیت محسوس تو کی جا سکتی تھی مگر بیان نہیں کی جا سکتی اور سچی بات ہے یہ ہونا ہی چاہیے تھا کہ یہ باہو مان کی پاکیزہ سرشت بیٹی کا جنازہ تھا جس کے دامن کو بہتیروں نے چھونا چاہا مگر اس نے کسی کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دی۔

اس تبسم نے جہاں دیہات والوں کو رجّی کی عظمت اور پاکیزگی کا قائل کیا وہاں ایک مشکل بھی کھڑی کر دی۔ رجّی کا شوہر موج دین مُصر تھا کہ رجّی مری نہیں، بس اسے تو سکتہ سا ہو گیا ہے اور یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ اُسے دفنانے ہی نہیں دیتا تھا اور لاش سے لپٹ لپٹ جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے قابو کیا گیا اور رجّی کو عقیدت اور احترام سے دفنا دیا گیا۔ تدفین کے بعد موج دین کی حالت اور بھی غیر ہو گئی۔ وہ ایک طرح سے پاگل ہو گیا اور گاؤں بھر میں خاک بسر پھرتا اور فریاد کرتا رہتا۔

"لوگو! تم نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ تم میری بیوی کو زندہ دفن کر آئے ہو۔ خدا کے لیے اُسے قبر سے نکالو۔"

لوگ سمجھے کہ یہ وقتی غم کا نتیجہ ہے۔ آہستہ آہستہ وہ صدمے سے نجات پا لے گا۔ مگر کہاں جی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پاگل پن میں شدت آ گئی اور وہ ایک ایک کی منتیں کرتا رہتا

"میری بیوی کو قبر سے نکال دو یا مجھے نکالنے دو۔ وہ زندہ تھی اور زندہ ہے۔ [illegible] ظلم کیا ہے جو اُسے دفن کر آئے ہو۔"

غالباً رجّی اسے خواب میں نظر آتی تھی جس دن وہ خواب میں اسے نظر آ جاتی تو [illegible] پاگل پن شدید تر ہوتا اور وہ دُہائی دیتا پھرتا۔

"لوگو وہ زندہ ہے اور تمہیں بلا رہی ہے۔ تم اُسے قبر سے نکالو۔"

حضور ﷺ کی دُعا

یا الٰہی میری اُمت میں سے جس کو بھی کسی منصب کی خدمت کا موقع ملے اور وہ لوگوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرے تو تُو بھی اس کے ساتھ سختی کا معاملہ فرمانا۔ اور جو ان میں میری اُمت کے ساتھ نرمی کرے تو تُو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا۔

موج دین کے پاگل پن کو اسی طرح سال بھر گزر گیا تو گاؤں کے بعض بڑے زمینداروں کو اس پر ترس آنے لگا اور انھوں نے سوچا کہ اس کا پاگل پن دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے رجّی کی قبر کھول کر دکھائی جائے چنانچہ ایک دن موج دین کو لے کر قبرستان پہنچ گئے اور قبر کھولی گئی۔ باؤجی میں آپ کو کیا بتاؤں کہ جب قبر کھولی گئی تو ہم نے کیا منظر دیکھا۔ اس منظر کی کیفیت، میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ قبر میں بوسیدہ ہڈیوں کے بجائے رجّی کی صحیح سالم لاش رکھی تھی۔ مگر نہیں باؤجی اُسے لاش کہنا بھی زیادتی ہے۔ میں تو یوں کہوں گا کہ رجّی زندہ لیٹی ہوئی تھی بڑے آرام اور سکون سے، جیسے ابھی ذرا سستانے کے لیے لیٹی ہو۔ اس کے چہرے پر وہی تبسم تھا جو دفناتے وقت نظر آ رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ رجّی ابھی کھلکھلا کر ہنس دے گی۔

اُس کے کفن پر پڑے ہوئے پھول ابھی تو تازہ تھے جیسے ابھی ابھی کوئی انھیں وہاں رکھ گیا ہو۔ کفن کے اُجلے پن میں بھی تو کوئی فرق نہ آیا تھا۔

جب دیہات والوں نے یہ منظر دیکھا تو اُن سب کے سر اپنے گاؤں کی اس مریم صفت بیٹی کے حضور فرطِ عقیدت سے جھک گئے۔ موج دین سسکیاں لے لے کر بڑبڑا رہا تھا۔

"میری رجّی اگر زندہ نہیں تو مری بھی نہیں۔"

پاکستان کے مختلف شہروں کے مراقبہ ہال اور انچارج صاحبان

مرکزی مراقبہ ہال کراچی نزد کے ڈی اے آفس سیکٹر ۱۔ ڈی سرجانی ٹاؤن کراچی

محمد اکبر مراقبہ ہال حیدر آباد سرے گھاٹ نزد عرب ہوٹل ۔ موجی پاڑہ

سید رفاقت علی مراقبہ ہال نواب شاہ ۱۰۵ C - II لیاقت آباد

سائرہ خاتون عظیمی مراقبہ ہال سوہنی بازار قولاشاہ ۲۲۴ - B سوہنی بازار نواب شاہ

محمد ذوالفقار کھوکھر مراقبہ ہال فیصل آباد متصل جی ٹی ایس اڈہ پی ڈبلیو ڈی اسٹاف کالونی

میاں مشتاق احمد مراقبہ ہال لاہور ۱۵۸/اے مین بازار مزنگ ۔ لاہور

قاضی مقصود احمد مراقبہ ہال راولپنڈی قاضی مارکیٹ ۔ مریڑ حسن

منیر احمد مراقبہ ہال اوکاڑہ مین روڈ چمڑہ منڈی نزد سٹیلج برلا ہائی اسکول

پروفیسر محمد طاہر مراقبہ ہال چنیوٹ محلہ فتح آباد

حاجی جلیل عظیمی انچارج مراقبہ ہال گوجرانوالہ اسلام آباد روڈ بالمقابل PSO پٹرول پمپ نزد کھیالی بائی پاس گوجرانوالہ

ڈاکٹر طاہر شمیم مراقبہ ہال سیالکوٹ محلہ محمد پورہ شہباز کالونی نزد آغا خاں قبرستان

صوفی محمد یامین مراقبہ ہال دریا خاں عظیمی اسٹریٹ فاروق آباد

حاجی محمد ادریس مراقبہ ہال میرپور آزاد کشمیر کا کڑا ٹاؤن

انگراں مراقبہ ہال پھالیہ متصل پائلٹ گورنمنٹ سکنڈری اسکول ۔ قادر آباد روڈ پھالیہ

ڈاکٹر محمد ممتاز اختر مراقبہ ہال اٹک بالائی منزل سلیم جنرل سٹور نزد چوک اڈہ ٹرک ۔

راجہ محمد منیر عظیمی مراقبہ ہال جہلم بالمقابل لندن ہوٹل ۔ جادہ ۔

نیاز احمد مراقبہ ہال پشاور خیبر بازار نزد امان سینما قورٹ گرڈ اسٹیشن واپڈا کالونی

ملک احمد فاروق

ماں کے دودھ کی اہمیت

اپنے لخت جگر کو دودھ پلانے سے گریزاں وخوفزدہ مشرقی ماؤں کے لیے ایک مغربی ماں کے تاثرات پر مشتمل یہ مضمون اُن کی بہت سی الجھنوں کا حل ثابت ہوگا۔ خواتین کے لیے تحفۂ خاص۔

میں ایک ایسی ماں ہوں جس کی اپنی پرورش ماں کے دودھ کے بجائے فیڈر پر ہوئی لیکن میں نے اپنے بچوں کی پرورش کے معاملے میں دونوں تجربات کیئے ہیں۔ مجھ سے اس بارے میں بہت سے لوگ کئی سوالات پوچھتے ہیں لیکن ان سوالات کا جو میں جواب دیتی ہوں وہ خالصتاً جذباتی تجربات پر مشتمل ہوتا ہے۔ میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتی ہوں کے بچے کی جسمانی، روحانی اور جذباتی تربیت میں شیر مادر کا جو کردار ہے اس کا نعم البدل کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ ماں اور بچے کے درمیان ایک روحانی بندھن ہوتا ہے اور آپ اس بندھن کو مصنوعی طریقوں سے نہ جوڑ سکتے ہیں نہ توڑ سکتے ہیں۔

میرے ہاں پہلی ولادت ایک لڑکے کی ہوئی۔ وہ بہت صحت مند تھا میں اس کی پرورش عمدگی سے کرنا چاہتی تھی مگر میرے ذہن میں اس کا دودھ چھڑوانے کا کوئی خیال نہیں تھا مجھے معلوم نہیں تھا کہ دودھ کس عمر میں چھڑوایا جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی اولاد کو بوتل کے دودھ پر نہ پالنا چاہتی تھی۔ مگر اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے میرے پاس میرے ذہن میں کوئی واضح حکمت عملی نہیں تھی۔ نہ ہی کوئی میرا سابقہ تجربہ تھا۔ خود میری پرورش بھی بوتل کے دودھ پر ہی کی گئی تھی۔ چونکہ میری ساس نے بھی اپنے تمام بچوں کو بوتل کے دودھ پر ہی پروان چڑھایا تھا اسلئے جب میں نے ان سے کہا کہ میں اپنے بچے کو اپنا دودھ پلانا چاہتی ہوں تو انہوں نے فطری طور پر میری رہنمائی سے معذوری ظاہر کی اس طرح جن سے میں مشوروں کی امید رکھتی تھی وہ لاچار نکلے۔

میرا بیٹا بہت چست تھا اور وہ مجھ سے بہت کچھ چاہتا تھا ماں بننے کا میرا نیا تجربہ تھا۔ اسلئے میں بہت خوش تھی۔ میں اس کی نگہداشت کے سلسلے میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیتی تھی۔ جب ذرا ذرا سی دیر میں الٹیاں کرنے لگا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اسے کھانے کو صحیح نہیں مل رہا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی دنوں میں دودھ چھڑوا کر اسے ڈبے کے دودھ اور سیریلز وغیرہ کا عادی بنا دیا گیا۔

اس کے بعد میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی وہ بہت سیدھی سادی بچی تھی۔ اس کی دیکھ بھال میں مجھے زیادہ دماغ پاشی نہیں کرنا پڑی اول تو وہ روتی کم تھی اور اگر کبھی کبھار رو پڑتی تو بہت آسانی سے خاموش ہو جاتی تھی۔ مگر اس کی غذائی ضروریات بھی میری استعداد سے زیادہ تھیں چھ ماہ کے اندر اندر وہ دبلی ہو گئی اور پھر میرا دودھ چھڑوا کے اسے ڈبے کا دودھ دیا جانے لگا۔ اور وہ بوتل کے دودھ کی عادی ہو گئی

دو سال بعد میری سب سے چھوٹی بیٹی پیدا ہوئی سات ہفتے قبل تولد ہونے کی وجہ سے اس کا وزن 2.2 (اعشاریہ) کلوگرام تھا۔ ابتداء ہی سے اس کی نگہداشت میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑا۔ مجھے اس بات کا اب بھی پورا یقین تھا کہ اسے جس چیز کی

ضرورت پڑ سکتی ہے۔ وہ میں اسے دے سکتی ہوں۔ اور ماں کا دودھ ہی اس کی بنیادی ضرورت تھی۔ میں اس محاذ پر بھی ڈٹی ہوئی تھی۔ بہت جلد وہ میری عادی ہوگئی۔ اور پھر ہم ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہو گئے۔ یہ سلسلہ ساڑھے پانچ ماہ تک چلتا رہا۔ پھر میری مصروفیت بڑھ گئی۔ اس کے لئے یہ ممکن نہ رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر میرے پاس آسکے۔ لہٰذا اسے بوتل کے دودھ کی راہ پر گامزن ہونا پڑا۔

سال گزرتے گئے اور میری زندگی میں بہت سے تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ بچے بڑے ہو چکے تھے اور میں بھی اب ان کی ضروریات کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ میں نے ان بہت سی ماؤں کا مشاہدہ کیا تھا جو اپنے بچوں کو اپنے دودھ پر پروان چڑھاتی ہیں۔ میں اپنی ایک بہت اچھی سہیلی کی معرفت ایک تنظیم کی رکن بن گئی جو بچوں کی بہتر تربیت کے ضمن میں مصنوعی طریقوں سے غذائی امور کی انجام دہی کے خاتمے کیلئے کام کر رہی تھی۔ اس تنظیم کا نعرہ یہ تھا کہ بچے کی بہتر جسمانی روحانی اور جذباتی تربیت کیلئے ماں کا دودھ ناگزیر ہے اس سے ماں اور بچے کی محبت میں ناقابل یقین حد تک اضافہ ہوتا ہے۔ بہت سی عورتوں کے طریقہ تربیت کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ بچوں کو ماں کے دودھ کا دیا جانا محض ایک غذائی معاملہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر یہ ایک جذباتی معاملہ ہے۔ جب بچے اپنے غذائی معاملات میں ذرا آسان ہو جاتے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ پتہ چلتا ہے کہ شیر مادر کی اہمیت کیا ہے۔

اس ضمن میں عورتوں کی اپنی مرضی اور پسند کو بھی دخل ہے۔ بہت سی عورتیں ایک سال میں ہی دودھ چھڑوا دیتی ہیں۔ بعض عورتیں ڈھائی سال کی عمر تک بھی بچے کو اپنے دودھ پر پالتی رہتی ہیں کم عرصے میں ہی بچے کا قدرتی دودھ چھڑوانے والی ماؤں کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ اس طرح وہ اپنے بچے کو اپنے جذبوں سے نسبتاً آزاد کر کے دنیا سے قریب ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ لیکن جب کوئی بچہ اپنی ماں کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو ماں سے اس کی محبت پیدا ہوتی ہے ماں بچے کی غذائی ضروریات تو پوری کرتی ہی ہے مگر ان سے کہیں بڑھ کر اس کی جذباتی تربیت کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ ان دونوں کی تربیت بچے کی زندگی کے عدم تحفظات اور محرومیوں سے لڑنے کی پوری صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ ماں سے ملنے والا بھرپور پیار اس کی محرومیوں کو ختم کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کے دودھ پر پلنے والے بچے محرومیوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔

میری تیسری بیٹی نو سال کے وقفے سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کی پیدائش ہمارے پورے گھر کیلئے خوشی کا سامان لے کر آئی تھی۔ اس کا آنا دراصل میرے لئے ایک سنہری موقع تھا کہ میں اب تک بچوں کی پرورش کے حوالے سے حاصل کی جانے والی معلومات کو بروئے کار لا کر اپنی بچی کی پرورش کروں۔ میں نے اس کی غذائی ضروریات کیلئے بوتل کے دودھ کو کبھی در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ میں نے اسے اپنے دودھ پر پروان چڑھانا شروع کیا۔ ابتدا میں ذرا پریشانی ہوئی مگر میرا ارادہ اٹل تھا وہ جو کچھ بھی چاہتی تھی میں اسے مہیا کر سکتی تھی۔ راتیں آنکھوں میں کاٹ کر میں نے اس کی پرورش کی وہ اگرچہ ذرا سی پریشان رہتی تھی اور کبھی کبھی شور مچانے لگتی تھی مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ بڑی ہو رہی ہے۔ یہ بات میرے دل کو سکون بہم پہنچانے کیلئے کافی تھی۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی وہ جب تک ماؤں ہو گئی تب تک میں نے دودھ نہیں چھڑوایا تھا۔

اس کے بعد میرے ہاں ایک اور ولادت ہوئی اور تب مجھے پرورش کرنے کا ایک سنہری موقع ملا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ میری بیٹی خاصے طویل عرصہ تک اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کیلئے مجھ پر انحصار کرتی

رہتی تھی اور میں یہ سوچ کر پریشان تھی کہ اس نوزائیدہ بچے کی غذائی ضرورت کیونکر پوری ہوگی۔ مجھے بتایا گیا کہ اگر ایام امید کے دوران کوئی بچہ ماں کا دودھ پیتا رہے تو نوزائیدہ بچے کیلئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں جو اس دوران اپنی ماں کا دودھ پیتا رہا ہو۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی بیٹی کا دودھ چھڑوا دیا جائے۔ یہی بہتر راستہ تھا مگر پھر میرا ارادہ بدل گیا۔ طبی ماہرین اس بات کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں کہ دوران امید بچے کو دودھ پلایا جائے مگر میں نے ایک چیلنج سمجھ کر اپنی بیٹی کو اپنی پسند کا راستہ چننے کی آزادی دی اور وہ میرے اگلے بچے کی ولادت تک مجھ سے منسلک رہی۔

جب میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو میری بیٹی کی عمر 27 ماہ ہو چکی تھی اور وہ ابھی تک میرے دودھ ہی پر تھی۔ اس نے حسد کا مظاہرہ کئے بغیر اپنے بھائی کو قبول کر لیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ نوزائیدہ بچے کو کم دودھ ملے گا اور اس لئے میں اسے پہلے دودھ پلا دیتی تھی۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے دونوں مجھ سے مطمئن تھے میرے تمام تفکرات ختم ہو گئے۔

چار سال کی عمر کو پہنچنے تک میری بیٹی اپنا راستہ منتخب کر چکی تھی۔ وہ ہر چیز بڑے شوق سے کھا لیتی تھی۔ اس نے دودھ یکدم نہیں چھوڑا تھا یہ ایک مرحلہ وار عمل تھا۔ جب وہ دوسری چیزوں کو آسانی سے قبول کرنے کے قابل ہو گئی تب اس نے مجھ پر انحصار کرنا چھوڑا۔

عادات و اطوار اور نفسیات کے حوالے سے کی جانے والی تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر ماں اور بچے کے درمیان رشتہ کمزور بنیادوں پر ہو تو آگے چل کر بچے کیلئے اس بات کا امکان کم رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی ماں سے زیادہ پیار کر سکے گا جن بچوں نے بچپن میں ماں کا دودھ پیا ہو وہ بڑے ہو کر بہتر طور پر اپنی عزت نفس کو محسوس کر سکتے ہیں اور ان میں رشتوں کے تقدس کو سمجھنے کی تمیز بھی بہتر معیار کے ساتھ ہوتی ہے اور ہماری دنیا کو فی الحال ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے جو رشتوں اور تعلقات کو مضبوط بنانے کا کام کر سکیں۔

مجھے اس بات سے کوئی خوف نہیں آتا کہ ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے ہماری زمین تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دنیا بھر کے لوگوں کو آبادی پر کنٹرول اور تربیت کے ماحول کو تبدیل کرنے کیلئے اپنی ترجیحات کو تبدیل کرنا پڑ رہا ہے۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران انسان کے علم اور اس کی بنیاد پر فطری علوم نے فقید المثال ترقی کا اہتمام نہ کیا جائے۔ آج دنیا کو مادی ترقی سے زیادہ روحانی ترقی کی ضرورت ہے۔ انسان اگر اندر سے ٹوٹا پھوٹا ہو تو تن پر اجلا اور قیمتی لباس سجالینے سے بھلا کیا ہوتا ہے۔ بظاہر تو بچوں کی تربیت کے ضمن میں زیادہ توجہ نہیں دی جاتی کیونکہ یہ معاملہ کچھ ایسا خطرناک حد تک توجہ طلب دکھائی نہیں دیتا مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ غیر معمولی طور پر توجہ کا مستحق ہے ہم آج اگر بچوں کی جذباتی اور روحانی تربیت کا اہتمام نہیں کریں گے تو کل جب یہ اس دنیا کا نظم و نسق سنبھالیں گے تو بگاڑ کے موجب بنیں گے۔

میرے بچے میرے بہت اچھے ا تاد ثابت ہوئے ہیں انہوں نے جس طرح صبر و تحمل کے ساتھ میرے ساتھ اپنے تعلق کو استوار رکھا ہے اس کیلئے میں ان کی شکر گزار ہوں بچے ہمارا مستقبل ہیں۔ میں اس بات پر پورا یقین رکھتی ہوں میں اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کرتی ہوں کہ اب دنیا بھر کے والدین کو بچوں کی تربیت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے۔

کئی ماؤں کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر بچہ زیادہ دیر ماں کے دودھ پر رہے تو وہ خوراک کے حصول کے ساتھ ساتھ بہتر ذہنی نشو و نما کے ثمر سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔

جنّت کی سیر

خواجہ شمس الدّین عظیمی

راہِ سلوک کے مسافر خواتین و حضرات کی وہ کیفیات جو روحانی دنیا میں داخل ہوتے وقت پیش آتی ہیں، اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

کتاب "جنّت کی سیر" کے مطالعہ کے دوران قاری یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے جنّت کی سیر کرلی ہے اور جنّت کا سفر کرنا ایک تجرباتی عمل بن کر سامنے آجاتا ہے۔

قیمت /۲۰ روپے

اپنے قریبی بک اسٹال سے یا براہِ راست ہم سے طلب کریں۔

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸
پوسٹ بکس ۲۲۱۳

برمکانِ ما غریباں

بشریٰ رحمٰن اپنی روایتی سادگی، برجستگی اور مسکراہٹوں کے ساتھ
(بہنوں کے لیے اس ماہ کی خاص تحریر)

وہ جو کہتے ہیں نا!

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

تو ہم نے اس کو اس طرح سمجھا ہے کہ ہزاروں خواہشوں میں سے ایک ضرور ایسی خواہش ہی جاتی ہے جس پر انسان کا دم ہی نکل جاتا ہے۔ اب ہمیں کو لیجیے ذہن میں اپنے ذاتی مکان کی تمنا اس طرح بلبلا رہی ہے جیسے چولہے پر تازہ کڑاہی کو اُبال آرہا ہو۔

یہ خواہش بھی نہ جانے کب اور کیسے چپکے سے ذہن میں آبسی تھی۔ بالکل ایسے جیسے ایک دن سونے کے کمرے کی صاف ستھری چھت پر ایک چھپکلی نظر آجاتی ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کا وجود کب، کیسے اور کہاں سے پیدا ہوگیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ پیدائش کے بعد جو پہلا فقرہ کانوں کو بھلا لگا، وہ کچھ یوں تھا۔

"یہ تمہارا عارضی گھر ہے، اپنے گھر جاؤ گی تو جو جی میں آئے کرنا۔"

اپنا گھر — ہم حیران ہو کر اماں کے منہ کو تکنے لگے۔ ہم تو اسی گھر کو جس میں پیدا ہوئے، اپنا آبائی، موروثی، اوّل و آخر گھر سمجھے ہوئے تھے۔ یہ کس گھر کا حوالہ دیا جا رہا ہے

پھر ہوا یوں کہ لیل و نہار کے ادل بدل کے ساتھ ہی یہ فقرہ بھی نئے معنی پہن کر سنا جانے لگا۔ مثلاً

"لڑکی کے جوہر تو اس کے اصلی گھر میں جاکر کھلتے ہیں۔"

"بابا! جس کی امانت ہو اس کے گھر بھی جاؤ پھر سارے ارمان نکالتی رہنا۔"

"اپنے گھر جاکر اماں باوا کا نام روشن کرو تب بات ہے۔"

پہلے تو یہ باتیں سمجھے بغیر مسکرا دیتے تھے۔ مگر ایک دن جب شعور و آگہی کا دامن پکڑا تو ان فقروں کی سمجھ خود بخود آگئی۔ دل میں تھوڑی سی گدگدی ہوئی۔ کانوں کی لویں سرخ ہوگئیں۔ آنکھوں میں ایک شوخ چمک لہرائی۔ ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔ بیشتر اس کے کہ ہم ہاتھ بھر کا گھونگھٹ بھی نکال لیتے۔ موقع ر

نزاکت کا احساس ہوگیا کہ خیر سے ابھی یہ وقت بہت دور ہے تو جی۔ اس وقت سے گھر کی آرزو کو لاعلاج مرض کی طرح دل میں پال رہے تھے۔

خیال تھا، شادی ہوگی، ڈھول بجے گا، بتاشے بٹیں گے، دولہا آئے گا، ڈولی سجے گی، پھر رونمائی کے وقت میاں یہ سجا سجایا گھر ہماری خدمت میں پیش کریں گے اور کہیں گے آج سے تم ہی اس گھر کی رانی ہو۔ پھر ہم اس گھر کو اپنے سگھڑ ہاتھوں سے بنا سنوار کر رشکِ جنت بنا دیں گے۔ لیکن جناب میاں نے جب اس گھر کی مالکن ہونے کا مژدہ سنایا تو ساتھ ہی دبے لفظوں میں بتا بھی دیا کہ یہ کرائے کا گھر ہے۔ اس نامکمل فلیٹ کو دیکھ کر بڑی ذہنی کوفت ہوئی۔

ادھر ہاتھوں کی مہندی چھُٹی اُدھر ہم نے گھر کا تقاضا کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر وہ اپنی سچی محبت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں تو میرے نام ایک گھر بنا دیں۔ کچھ دن تو نرمی سے سمجھانے اور لیت و لعل میں گزر گئے۔

ایک دن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا: "میں تو گھر بنانے کے حق ہی میں نہیں ہوں۔ میرے خیال میں بیوقوف لوگ گھر بناتے ہیں اور عقلمند ان میں رہتے ہیں۔"

لیجیے، دل کو خوش کرنے کو کیسا جواز نکالا؟

اگر سیدھے سیدھے کہہ دیتے کہ دیکھو جانِ تمنا ہم ان صاحبِ حیثیت اور صاحبِ وصیت لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کو عین جوانی میں بفضلِ احسن فضل ربی کے توسط سے یا والدِ بزرگوار کی وفات کے باعث مکان میسر آجاتے ہیں۔ صبر کرو۔ صبر ہی بہرحال مایوس اور لاعلاج لوگوں کا سہارا اور چارہ ہے۔ تو ہمارے دل کو بھی صبر آجاتا۔ اُلٹے اس مقولے نے تو جلتی میں آگ ہی لگا دی۔ ادھر کراچی کے جس محلے یا محلہ و قریہ میں ہم رہائش پذیر تھے، آس پاس نئے نئے مکان یوں سر اٹھا رہے تھے جیسے لڑکیاں چُپکے چُپکے جوان ہوتی ہیں۔

اس پر ستم یہ کہ ہر دوسرا مکان کسی خاتون کے نام کا التزام اٹھائے ہوئے تھا۔ مثلاً قصرِ زبیدہ، شاہین محل، رضیہ منزل، عفت لاج، نازنین کدہ، سلطانہ بنگلہ وغیرہ وغیرہ۔

دل میں رشک و حسد کے طوفان اٹھتے۔ یا اللہ ہمارا گھر کب بنے گا۔ زمین کی اس چوڑی چھاتی پر سر اٹھائے آنے جانے والوں کو آنکھیں مارا کرے گا۔ جاتا جاتا راہ گیر ذرا ٹھہر کر ہمارے نام کا جھومر اس کی پیشانی پر چمکتا دیکھے گا اور حسرت و یاس سے اپنی محرومیوں اور ہماری شاد کامیوں کا ماتم کرتا چلا جائے گا۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بے خیالی میں ہم نے سڑک پر اپنا مکان متصور کر لیا۔ مگر نام ڈھونڈنے اتنی دور چلے گئے کہ واپسی پر اپنے ہی گھر کا راستہ بھول گئے۔ جو راستہ مل بھی گیا تو وہ چٹیل زمین یا کسی اور کا گھر دیکھ کر اُلٹے پھر آئے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ مکان بنانے سے پیشتر اس کا موزوں سا نام ڈھونڈ لینا بے حد دانائی ہے۔ آج کل جن گھروں کے نام نہیں ہوتے صرف نمبروں سے پہچانے جاتے ہیں، وہ گھر مشکوک گردانے جاتے ہیں۔

دل چاہتا ہمارے گھر کا کوئی حسین، خوبصورت، نازک، نفیس اور نستعلیق سا نام ہو، جو بھی سنے پھڑک اٹھے اور پھڑک کر پھر کبھی نہ اُٹھ سکے۔

یہ محل، قصر، کدے، لاج، منزلیں، پڑاؤ، رین بسیرے، نشیمن، آشیانے اور گھونسلے ہماری نظر میں بہت فرسودہ اور گھسے پٹے نام ہیں۔ ہمارے نام کے ساتھ گھر کی پیشانی پر جس نام کو سجنا ہے وہ کوئی نامونس اور بے معنی ہونا چاہیے۔

یوں تو کبھی کبھی جب ہم پر انکساری کا حملہ ہوتا تو

یہ سوچ کر دل کو صبور کو سمجھ بیٹتے کہ اگر کوئی مناسب نام نہ بھی ملا تو گھر کی وہی نام رکھ دیں گے جو والدین نے ہمارا رکھا ہے۔ سمجھنے والے گھر کو مونث سمجھیں یا مذکر ان کی اپنی عقل۔

جب کبھی محفل میں کسی خاتون سے جان پہچان ہوتی، اس نے وہ تامیتی مسکراہٹ سے گھر آنے کا اصرار کیا۔ گھر کا پتہ پوچھا تو غرور سے مسکرا کر بولیں۔

"وہیں جہاں "نازولا" لکھا ہے۔"

"تو آپ ۔۔۔" ہم نے منہ کھولا۔

اپنے غرور کو نیم ور بناتے ہوئے جھک کر فرمانے لگیں: "جی۔۔۔ جی۔۔۔ ناز میرا نام ہے۔"

کئی بار ہم نے بھی ایک فرضی نام اختیار کرنے کی کوشش کی، کیونکہ جس محفل میں ذاتی مکان پر اپنے نام کے دمدار ستارے لگائے خواتین ٹمٹما رہی ہوں وہاں بے نام کے گھر کی یا بے گھر کی نام نہاد عورت کا چراغ کہاں جل سکتا ہے؟

مصیبت یہ ہے کہ ہمارے محلے میں ہر گھر کا ایک نام ہے۔ کوئی گھر بے نام نہیں ہے سوائے ہمارے گھر کے۔ اس کو بھی گھر کہنا زیادتی ہوگی۔ اس بچے کی مانند جس نے ابھی شکمِ مادر میں نو ماہ بھی پورے نہ کیے ہوں اور دنیا میں چلا آئے۔ ہمارا گھر بھی سطحِ زمین پر کھڑا ہو گیا ہے۔ یعنی اس نے دیواروں کے بعد ابھی صرف چھتوں ہی کا التزام اٹھایا ہے۔ دروازے اور کھڑکیوں کی جگہ سوتی پردے لٹک رہے ہیں۔ ان سے ایک تو کراچی کی باؤلی ہواؤں کو آنے جانے میں دقت نہیں ہوتی۔ دوسرے آدھا وقت یہ پردے سڑک پر لہرا لہرا کر آنے جانے والوں سے بغلگیر ہوتے رہتے ہیں۔ یوں دور سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ خالص زنانہ کمرے ہیں۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے ان ننگی بُچی دیواروں یا بے روزن و در کے اس گھر کے کسی کونے میں نام کا ایک بورڈ آویزاں کر دیں۔۔۔

ہم بھی صاحبِ جائیداد لوگوں میں شمار ہوں۔ کبھی کبھی ذہن پر زور دیتے، غالب کا یہی مصرع آن کودتا

ع بے در و دیوار کا اک گھر بنایا چاہیے

خیر اتنا لمبا نام ہمیں گھر کے لیے کبھی بھلا نہیں لگا، اس لیے ہم نے تلاش جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

ایک مرتبہ ایک محترمہ محفلِ میلاد میں ہر کس و ناکس کو اپنا گھر دیکھنے کی دعوت دے رہی تھیں۔ مسکرا مسکرا کر ہر ایک کو اپنا پتہ بتا رہی تھیں۔ گویا پتہ نہیں بتا رہیں، نیاز تقسیم کر رہی ہیں۔

ہم خاموش بیٹھے اس صدمے کو سہہ رہے تھے۔ ہماری خاموشی سے انھوں نے غلط مطلب نکالا۔ وہی جو اکثر بے وقوف نکالتے ہیں کہ خاموشی دانشوری کی علامت ہے۔ ہم نے تو خاموش رہنے والوں کو باعیب لکنت و تندخوئی پایا ہے۔

چنانچہ نہایت تپاک سے بولیں: "بہن تم بھی آنا۔ میرا گھر فلاں سڑک پر ہے۔ ڈھونڈنا آسان ہوگا "قصرِ گل رخ" اس کا نام ہے۔"

ان کا وار کارگر ہوا۔ مگر ہم نے پلٹ کر یہ نہ پوچھا کہ نیک بخت تیرا ہی نام گل رخ ہے۔

مگر ان کے ابرو کی ہر جنبش اور مسکراہٹ کی ہر موج کہہ رہی تھی۔

ہاں ہاں لوگو! میں ہی گل رخ ہوں اور تمھارے سینوں پر مونگ دلنے کو قصر کی ملکہ بن بیٹھی ہوں۔

پھر وہ نہایت ملائمت سے بولیں: "آپ کے گھر کا کیا نام ہے؟"

"کسرِ نفسی" ہم نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا اور اپنی حاضر دماغی پر خود عش عش بھی کر اٹھے۔ لیکن

موقع پر کس قدر مناسب نام سوچا تھا۔

"جی۔" وہ چونک گئیں۔ "کیا مراد ہے آپ کی اس نام سے؟"

ہم نے کہا: "ہمارے گھر کے ارد گرد اس قدر قصر تعمیر ہو چکے ہیں کہ اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے گھر کا نام "قصرِ نفسی" رکھ لیں۔"

"کیوں کسرِ نفسی فرما رہی ہیں آپ؟" وہ کھسیانی ہو کر کہنے لگیں۔

"کسرِ نفسی" نام تو بہت اچھا ہے اور اپنے گھر کے لیے ہمیں جچا بھی بہت۔ ہم ابھی بورڈ بنوانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ایک دن گھر کے مکینوں کی آبادی نے ہماری توجہ اپنی طرف موڑ لی۔ دو کمرے اور ایک غسل خانہ — ہر شے ہر سو بکھری ہوئی۔ ایک غسل خانے میں ہے تو دوسرا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، تیسرا چپل ڈھونڈ رہا ہے، اور چوتھے کی نماز قضا ہو رہی ہے۔ اور فوراً ہم نے سوچا۔ اس گھر کے نام میں تھوڑی سی ترمیم کرنا پڑے گی۔ یعنی اس کا نام "قصرِ نفسا نفسی" ہوگا۔ مگر انہی دنوں ہمیں ایک بار دور سے اپنے گھر کا نظارہ کرنے کا موقع مل گیا۔ جو کچھ ہماری گنہگار آنکھوں نے دیکھا اس سے ہم نے فیصلہ کر لیا کہ فی الحال اس گھر کا نام "مکان نما" ہی ٹھیک رہے گا۔ لیکن نام کا بورڈ لٹکا لینے سے اپنے ذاتی مکان کی خواہش مر نہیں گئی۔

ایک روز ہم روحانیت پر ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ اس میں لکھا تھا — "اپنی کسی خواہش کو ایک کاغذ پر لکھ کر ہر روز کچھ دیر کے لیے اس پر نظریں جمائے رکھیے اور اس کو دعائیہ انداز میں دہراتے رہنے سے وہ خواہش ضرور پوری ہو جاتی ہے۔"

ہم ڈھونڈ ڈھانڈ کے کہیں سے ایک بڑا کیلنڈر لے آئے جس پر ایک خوبصورت "ہٹ" کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ "ہٹ" غالباً امریکہ کے کسی قصبے کی تھی۔ پھولوں والی، برف سے ڈھکی ہوئی۔ بالکل دامن میں کوہ کے ایک چھوٹا سا جھونپڑا۔ ہم نے سوچ لیا، نام بھی اس کا جھونپڑا ہی رکھیں گے۔ اس کو اپنے سامنے والی دیوار پر لٹکا دیا۔ ہر روز اگر یاد آ جاتی تو نظریں اس جھونپڑے پر گاڑ کر دل میں ورد کرتے کہ "باری تعالیٰ! امریکہ کی اس بستی کا ایسا برف پوش گھر ہمیں پاکستان کے کسی گرم شہر میں دلا دے۔"

ایک دن جو دیکھتے ہیں، اس تصویر کی جگہ ایک ننھے منے گول گپے بچے کی تصویر لٹک رہی ہے۔ ہم حیران ہوئے، حیرت سے آنکھیں سکیڑیں اور پھر پوری کھول کر اپنے میاں کو دیکھا۔ پیشتر اس کے کہ ہم آبدیدہ ہوتے، میاں ہمارے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے بولے۔ "گھبراؤ نہیں یہ سب اللہ کرم آپ کی دعا کا کرشمہ ہے۔"

ہم نے روحانیت کی وہ کتاب باورچی خانے کے ایک طاقچے پر رکھ دی اور فوراً "بہبودِ زچہ و بچہ" سے خرید کر لے آئے۔

ایک دن ہمارے میاں ہمیں گہرے استغراق میں دیکھ کر بولے۔ "کیا سوچ رہی ہو آج کل؟"

ہم نے کہا: "سنا ہے ان دنوں ماں جو کچھ سوچتی ہے، بچے کی پرسنیلٹی پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے یا پھر بچہ ماں کی اپنی خواہشات کا عکس ہوتا ہے۔"

میاں بولے: "پھر تم یوں سمجھ لو کہ تمہارے بچے کی پشت پر ایک خوبصورت مکان کا نقشہ بنا ہوگا کیونکہ ہم نے مکان کے علاوہ تمہیں کسی شے کے متعلق آج تک خیالی پلاؤ پکاتے نہیں دیکھا۔" ★

تعلیمِ نسواں

روحانی ڈائجسٹ کی ڈاک میں آنے والا ایک بہن کا خط جو بہت سی دوسری بہنوں کو دعوتِ فکر بھی دیتا ہے — ہمیں آئندہ بھی ایسے خطوط کا انتظار رہے گا جن میں خواتین کے مسائل کی جانب نشاندہی کی گئی ہو۔ (ادارہ)

میں عرصہ سے روحانی ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں۔ آپ نے اس میں خواتین کے لیے جو صفحات مخصوص کیے ہیں، وہ ایک قابلِ قدر اقدام ہے۔ ان صفحات پر آپ اکثر اُن خواتین کے حالاتِ زندگی شائع کرتے ہیں جو ماضی میں عظیم خدمات انجام دے چکی ہیں، یہ اچھی بات ہے۔

لیکن مجھے آپ سے صرف یہ شکایت ہے کہ آپ نے موجودہ دور میں خواتین نے جو ترقی کی ہے اس پر آج تک کوئی مضمون شائع نہیں کیا جب کہ عورت خواہ ماضی کی ہو یا حال کی، ہر دور میں ترقی پذیر رہی ہے اور اس نے ہر زمانہ میں مردوں کے شانہ بشانہ ملک و قوم کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

موجودہ صدی، دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ صدی ہے۔ اس صدی میں انسان نے نقل و حمل کے علاوہ زندگی کے تمام شعبوں میں سائنسی آلات نصب کر دیے ہیں۔ اور ان تمام آلات کو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی حرکت میں لاتی ہیں۔

موجودہ دور سائنس کا دور ہے اور شاید مرد حضرات سمجھتے ہیں کہ عورت اس تیز رفتار دور میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ حالانکہ یہ غلط ہے ماضی کی روایات کو موجودہ دور میں زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ ماضی کی عورت اور "حال" کی عورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ماضی میں عورت تعلیم کی جانب کم توجہ دیتی تھی۔ اس کی دنیا سنِ بلوغت تک ماں باپ کا گھر ہوتی تھی۔ اور شادی کے بعد شوہر کا گھر اس کی جنت ہوتا تھا جس کے نتیجے میں وہ گھر کی چہار دیواری کے باہر کی دنیا سے بے خبر رہتی تھی، اور ساری عمر کولھو کے بیل کی طرح گھرداری میں گزار دیتی تھی۔

اب جب کہ زمانہ بدل گیا ہے، تعلیم کی شمع روشن ہے۔ اور علم کی روشنی سے گھر روشن ہو رہا ہے۔ تو عورت بھی علم کی روشنی سے مستفیض ہو رہی ہے۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ وہ تعلیم کا ایک اہم ستون بھی بن گئی ہے۔ وہ بچے جو ماں کی آغوش سے نکل کر تعلیم کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہیں، ان کے لیے محبت و شفقت کا پیکر یہ عورت ہی ہوتی ہے جو مس کے روپ میں ان کا استقبال کرتی ہے۔

یہی وقت ہوتا ہے، جب کہ ملک و قوم کے لیے ایک اچھے انسان کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عورت مرد کو جنم دینے کے بعد بھی زندگی بھر اس کی تربیت کرتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا دور اتنا ترقی یافتہ نظر آتا ہے۔ آج کی عورت تعلیم یافتہ ہے۔ اور وہ تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے بعد گھر میں نہیں بیٹھتی۔ بلکہ ملک کی ترقی میں حصہ لینے کی خاطر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے۔ آج دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کوئی ملک ایسا نہیں جہاں عورتوں کی طرح خواندگی نہ ہو۔ جو لوگ تعلیم نسواں پر ناک بھنویں سکیڑتے ہیں انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ جیسی تعلیم مردوں کے لیے ضروری ہے ویسی ہی خواتین کے لیے بھی ضروری ہے۔

اب وہ وقت نہیں رہا جب والدین لڑکیوں کو گھر کی چہار دیواری میں رکھ کر صرف کڑھائی سلائی ہی کو ضروری سمجھتے تھے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ لڑکیاں بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں۔

آج کل کی عورت نے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی ہے۔ وہ بینکوں میں، ہوائی جہازوں میں، محکمہ ٹیلیفون میں اور تعمیر کی دنیا میں اپنے قدم جما چکی ہے۔ لہٰذا عورت کی اہمیت اور افادیت کو کسی طرح سے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں وہ فرسودہ خیالات کے حامل ہیں اور عورت کو مغلوب سمجھ کر اس کی تمام خدمات پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ عورت تعلیم حاصل کر کے ان کے برابر آ جائے۔ حالانکہ علم ایک ایسا خزانہ ہے جس سے ہر کوئی مستفیض ہو سکتا ہے۔ اس میں عورت یا مرد کی قید نہیں ہے۔

علم وہ روشنی ہے جس سے انسانی ذہن بیدار ہوتا ہے۔ اور انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج بھی بعض مرد حضرات تعلیم نسواں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

میں سمجھتی ہوں کہ میری یہ مختصر سی تحریر مرد حضرات کے لیے تحفۂ فکر عطا کرے گی۔ اور وہ تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ خواتین کی خدمات کو بھی سراہیں گے۔

سراپا عفو و درگزر

جب مکہ فتح ہوا، اور آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھانے والے، آپؐ پر اوجھڑیاں پھینکنے والے اور آپؐ کے قتل کی سازشیں کرنے والے سب سر جھکائے کھڑے تھے، آپؐ نے سب کو دعوتِ عام دی اور فرمایا:

آج سے آپ سب آزاد ہیں۔ آج سے تمام لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی ہے۔ جسے دل چاہے اپنا لو اور پھر آپؐ نے اپنی گلی کو دیس کرتے ہوئے فرمایا: آ جاؤ آج سے بات ختم ہو گئی اور ہم سب برابر ایک ہیں۔

بچوں کے صفحات

بچوں کے اللہ میاں

پیارے بچو! تم لوگ جب خالی بیٹھے ہوتے ہو تو عجیب عجیب باتیں سوچتے رہتے ہو۔ تمہارا جی چاہتا ہے کہ امی ابو سے ان تمام باتوں کے جواب پوچھو مگر ادھر سے اکثر ڈانٹ پڑ جاتی ہے، ہے نا؟ ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ زیادہ تر بچے اللہ میاں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ اتنی پیاری، پیاری سی دنیا بنانے والے پیارے سے اللہ میاں کیسے ہیں، کہاں رہتے ہیں، کیا کرتے ہیں، تمہاری ساری باتیں کیسے سن لیتے ہیں اور جب وہ تم سے ملیں گے تو بھلا کیا باتیں کریں گے تو بھئی یہ تم نے ... ان ہی باتوں کے لیے رکھا ہے۔ اللہ میاں کے بارے میں جو کچھ تمہارے ذہن میں ہے ... ہمیں لکھ بھیجو۔ ہم ان کو تمہارے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے امی ابو سے ڈانٹ بھی نہیں پڑے گی اور تم سارے ساتھی ایک دوسرے کے خیالات بھی جان لو گے۔ ہے نا زبردست بات تم سب کی باجی۔

قیامت کے بعد اللہ میاں کیا کریں گے؟

آنند کمار شرما

میں خط لکھتے ہوئے ڈر رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ایک ہندو بچے کے خط کا جواب دینا پسند نہ کریں مگر میں تو مسلمان بچوں کے ساتھ کھیلتا بھی ہوں اور ان سے دوستیاں بھی کرتا ہوں اور ہمارے پڑوس میں ایک باجی ہیں میں ان سے لیکر روحانی ڈائجسٹ میں بچوں کے اللہ میاں پڑھتا ہوں آپ سے ملنے اور باتیں کرنے کا بہت شوق ہے اللہ میاں مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور انکی باتیں بھی، آپ نے پچھلے شمارے میں بتایا تھا کہ ہر چیز کی ایک عمر ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے جس طرح قیامت کے دن ساری دنیا ٹوٹ پھوٹ جائے گی اس بات کو پڑھکر میرے ذہن میں ایک سوال آیا ہے کہ جب ساری دنیا ختم ہو جائے گی اور سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں (جنت، دوزخ) پر پہنچ جائیں گے تو اس کے بعد اللہ میاں کیا کریں گے یعنی انکی مصروفیات کیا ہوں گی؟

بھئی نام تو تمہارا بہت رعب والا ہے یعنی آنند کمار شرما لگتا ہے کسی کالج کے پرنسپل کا نام ہے مگر ہم تمہیں صرف آنند کہیں گے تو بھئی آنند میاں تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم ہندو بچے کے خط کا جواب دینا پسند نہیں کریں گے بھئی اللہ میاں کے سارے ہی بندے ہمیں اچھے لگتے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں تم روحانی ڈائجسٹ میں صرف بچوں کے اللہ میاں ہی کیوں پڑھتے ہو جبکہ تمہاری اردو بھی اچھی ہے تم بڑوں کے صفحات بھی پڑھنے کی کوشش کرو۔ اب آؤ اپنے سوال کی طرف جو کہ خاصا اہم اور دلچسپ ہے بات یہ ہے کہ قیامت میں صرف دنیا ہی تباہ ہوگی عالم اعراف تو موجود ہوگا جس میں جنت دوزخ کا کنٹرول وغیرہ شامل ہے کیونکہ سب لوگوں کا حساب کتاب ایک ساتھ اور ایک ہی وقت ہونے کے باوجود دوزخ میں جانے والے بے شمار لوگوں، کو جو کہ توبہ استغفار کریں گے اللہ تعالی سے معافیاں مانگیں گے انکا دوبارہ حساب کتاب ہوگا۔ پھر جنتی لوگوں کی عبادات اور حمد و ثناء بھی تو جاری و ساری رہے گی انکے درجات بلند کئے جائیں گے اور سب سے بڑی مصروفیت تو یہ ہوگی کہ جتنے بھی لوگ جنت میں جائیں گے وہ سب کے سب اللہ میاں کے مہمان ہوں گے اور اللہ میاں انکی میزبانی اور خاطر مدارات میں مصروف ہوں گے ویسے آنند تم قرآن شریف کا ترجمہ اگر پڑھو گے تب یہ بات تمہاری سمجھ میں تفصیل کے ساتھ آجائے گی کیونکہ قیامت کے بعد کا احوال مختلف آیتوں میں علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم آئندہ بھی خط لکھو گے۔

اللہ میاں جانوروں کی زبان کیسے سمجھ لیتے ہیں؟

حرا سحرش

باجی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ میاں ہماری باتوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کی باتیں بھی کیسے سمجھ لیتے ہیں کیونکہ میری امی کہتی ہیں کہ ہمارے بکرے کے دل میں جو کچھ بھی خیال آتا ہے اور وہ جو کچھ بھی بولتا ہے وہ سب اللہ میاں کو پتا چل جاتا ہے اور ہمیں اسکو ستانا نہیں چاہیے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جی ہاں جناب! یہ بات بالکل درست ہے جو بچے جانوروں کو ستاتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں اور تمہارا یہ سوال بھی اہم ہے جانوروں کی زبان اللہ میاں سمجھ کیسے لیتے ہیں اچھا پہلے تم ایک بات سمجھ لو تمہارے جو کھلونے تمہارے پاس رکھے ہیں ان کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو ناکہ وہ کیسے چلتے ہیں؟

کسطرح اور کسطرف سے ان میں سیل پڑتے ہیں ریموٹ کنٹرول اگر ہے تو وہ کسطرح کنٹرول کیا جاتا ہے اور یہ سب باتیں تم اس لئے جانتے ہو کہ سارے کھلونے تمہارے اپنے ہیں حالانکہ تم نے انہیں خود بنایا نہیں ہوتا ہے تو اب اپنے سوال کا جواب خود ہی سمجھ لو کہ تمام مخلوقات جس میں انسان، جانور، چرند، پرند سب ہی شامل ہیں اللہ نے بنائے ہیں تو جب اللہ نے خود انہیں بنایا ہے تو انکی زبان سمجھنا کیا مشکل ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انکی مخلوق کس وقت کیا سوچتی اور محسوس کرتی ہے ویسے یہ تو تم نے بتایا نہیں کہ تم نے اپنے بکرے کا نام کیا رکھا ہے ہمیں امید ہے کہ اب ستانے کی بجائے تم اس سے دوستی کرو گے۔

اللہ میاں کافروں کی دعائیں کیوں سنتے ہیں؟

سمیر خان

پیاری باجی میں وی سی آر پر جب انڈین فلمیں دیکھتا ہوں اور جب اس میں یہ دکھاتے ہیں کہ وہ لوگ جو ہندو ہیں یا کافر ہیں وہ مصیبت اور پریشانی کے وقت اللہ میاں کے بجائے اپنے منی کے بھگوان کو پکار رہے ہیں اور دعائیں کر رہے ہیں اور انکی دعائیں قبول بھی ہو رہی ہیں تو مجھے بہت غصہ آتا ہے باجی آپ مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالی انکی دعائیں کیوں سنتے ہیں وہ لوگ تو اتنے برے ہیں کہ اللہ میاں کو مانتے بھی نہیں ہیں پھر اللہ میاں ان لوگوں کو مصیبتوں سے کیوں نکالتے ہیں؟

بیٹا جانی! تم تو بڑے غصے میں لگ رہے ہو، بری بات...... اسطرح سوچنا بری بات ہوتی ہے دیکھو نا یہ جو ہندو یا دوسرے کافر لوگ ہیں انہیں بھی تو اللہ میاں ہی نے بنایا ہے نا اور یہ سب بھی اللہ میاں کی ہی تخلیق ہیں۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ یہ لوگ اللہ کے وجود کو نہیں مانتے یا اسے کسی دوسرے نام سے پکارتے ہیں اللہ میاں جو کہ بہت بڑے ہیں ان پر یا انکی محبت پر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ بارش جب برستی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ زمین کونسی ہے کیسی ہے؟ کسی بڑے گھر کا لان ہے یا کسی جھونپڑی کا آنگن بارش تو ہر جگہ برابری کے ساتھ برستی ہے سورج کی روشنی حرارت بھی سب ہی کیلئے ہے ہوا اور آکسیجن بھی.... کہنے کا مطلب یہ ہے بیٹا کہ اللہ تعالی کی محبت اپنے بندوں کیلئے یکساں ہے ہاں جو بندے انکی عبادات اور حمد و ثناء کرتے ہیں انکے لئے تو خصوصی رحمتیں اور نوازشیں ہیں جو نافرمانی کرتے ہیں ان سے وہ ناراض ضرور ہوتا ہے مگر انہیں بھی انکی بنیادی ضروریات سے محروم نہیں کرتا ہم اس کے بندے ہیں ہمیں بھی اپنا دل بہت بڑا رکھنے کی ضرورت ہے اللہ کے بندوں سے محبت دراصل اللہ ہی سے محبت ہے۔

کیا کارٹونوں کو بھی اللہ تعالی نے بنایا ہے؟

عباد الرحمان

میری اچھی سی آنٹی! میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ٹی وی پر جو کارٹون آتے ہیں وہ بھی اللہ میاں نے بنائے ہیں؟ کیونکہ مجھے کارٹون بہت اچھے لگتے ہیں خاص کر "کبی" اور "پنک پینتھر" تو بہت ہی اچھے لگتے ہیں آنٹی جو بھی چیز مجھے اچھی لگتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ میاں نے بنائی ہے اور یہ بھی بتائیے کہ کارٹون مرتے کیوں نہیں۔

بہت اچھے ہے عبادا ! کبھی۔ اور "پنک پینتھر"۔ تو بھئی ہمیں بھی بہت اچھے لگتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو چیزیں اچھی ہوتی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں مگر یہ ذرا سی گڑبڑ بات ہے کہ کارٹون اللہ میاں نے بنائے ہیں۔ اصل میں کارٹونوں کو انسانوں نے بنایا ہے۔ اور انسانوں کو اللہ میاں نے بنایا ہے ہاں انسانوں کے ذہنوں میں کارٹون بنانے کے طریقے تو اللہ میاں ہی نے ڈالے ہیں۔ رہی بات ان کے نہ مرنے کی تو بھئی یہ تو ٹی وی کیمرے اور انجینئروں کا کمال ہے کہ وہ کارٹونوں کو حرکت میں رکھتے ہیں تاکہ تم جیسے اچھے بچے ان مزے مزے کے کارٹونوں کو دیکھ کر خوش ہوں اور تم لوگوں کی خوشی کی خاطر کارٹون مرتے نہیں ہیں تاکہ تم لوگ اداس نہ ہو جاؤ ویسے آپس کی بات ہے مرتی صرف وہی چیزیں ہیں جن کے اندر زندگی ہو اور کارٹونوں میں زندگی نہیں ہوتی وہ تو جھوٹ موٹ کے ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ساری اسکولوں کی میڈموں کو اتنا سخت اور چڑچڑا کیوں بنایا ہے؟

مسز احمد کمال

میری بچی ابھی اتنی چھوٹی ہے کہ وہ آپ کو خط تحریر نہیں کر سکتی مگر وہ بے حد اصرار سے یہ خط مجھ سے لکھوا رہی ہے اور آپ سے یہ سوال پوچھ رہی ہے کہ اللہ میاں جو کہ خود بچوں سے اتنی محبت کرتے ہیں انہوں نے اسکولوں کی میڈموں کو اتنا سخت اور اتنی چڑچڑی کیوں بنایا ہے کہ وہ ہر وقت بچوں کو ڈانتی رہتی ہیں اور کھیلنے سے منع کرتی ہیں اور اسقدر چیخ چیخ کر باتیں کرتی ہیں کہ میری بچی اپنی میڈم سے بہت ڈرتی ہے اسکا نام ماہین ہے۔ آپ پلیز رسالے کے ذریعے جواب دیکر اسے سمجھائیں۔

آپ نے بہت اچھا کیا مسز کمال کہ بچی کے اس شکوے کے جواب میں کوئی لمبا چوڑا لیکچر نہ پلایا اور نہ ہی کوئی نصیحت کی دراصل ہم ایسی صاف اور سچی سچائیوں کو سننے کے عادی نہیں ہوتے اور بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا دیتے ہیں حالانکہ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہم انکے ننھے منے ذہنوں کو مطمئن کریں اور انکے سامنے ایسی دلیل پیش کریں کہ سوال کی تشنگی ختم ہو سکے..... اب آئیے ذرا ماہین کے سوال کی جانب..... ماہین بیٹا تم نے بالکل سچ کہا اللہ میاں واقعی بچوں سے بے حد محبت کرتے ہیں بلکہ وہ تو سبھی سے محبت کرتے ہیں مگر ان لوگوں سے محبت نہیں کرتے جو لوگ بچوں کو بلاوجہ ڈانٹتے یا مارتے ہوں اللہ میاں ان میڈموں کو بھی پسند نہیں کرتے جو بچوں سے چیخ چیخ کر باتیں کرتی ہوں اور جن سے بچے ڈرتے ہوں بھئی میڈموں کو تو بہت پیار سے بچوں کو پڑھانا چاہیے اور آہستہ سے بات کرنی چاہیے۔ ویسے ماہین ایک بات ہے ساری میڈمیں تو ایک جیسی نہیں ہوتیں بھئی ہماری میڈم تو بہت ہی اچھی تھیں اب ایک بات اور بھی ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری کلاس کے سارے بچے مل کر خوب شور مچاتے ہوں اور میڈم کے کمرے تک آواز جاتی ہو اور انکے کام میں حرج ہوتا ہو پھر وہ اگر زور زور سے ڈانٹتی ہوں یا پھر تم لوگ انکے کمرے کے سامنے سے بھاگ بھاگ کر گزرتے ہوگے یا کاپیاں گندی رکھتے ہوگے کیوں ٹھیک بات ہے نا۔ اب تم ایسا کرو کہ میڈم سے ڈرنے کے بجائے میڈم کا کہنا سننے کی کوشش کرو اور غور سے سنو کہ وہ کیا پڑھا رہی ہیں شور نہ کرو اور کام صاف صاف کرکے لے جایا کرو پھر دیکھو وہ تم سے کتنا پیار کرتی ہیں....

آئیے محاورہ کھیل کھیلیں

پیارے بچوں کی پیاری آنکھوں کو بلبلی کا سلام

محاورہ کھیل اب کچھ مزید ارسا ہو گیا ہے اور خوشی اس بات کی ہے کہ اب تم لوگ بہت سارے محاورے ہمیں بروقت روانہ کر دیتے ہو لفافے پر "انچارج بچوں کے صفحات" ضرور لکھ دیا کرو ہاں "ج" کے محاورے تم نے جون کے ڈائجسٹ میں نہ صرف پڑھ لئے ہونگے بلکہ یاد بھی کر لئے ہونگے آؤ اب "ح" کے محاورے یاد کرو جو تمہارے ساتھیوں نے ہم سب کو سکھائے ہیں۔ جن بچوں کے محاورے اس اشاعت میں شامل کئے جا رہے ہیں انکے نام ہیں: مہوش کرن۔ آصفہ۔ عدیل احمد۔ شرجیل احمد۔ ایاز خان۔ سرفراز۔ رانی۔ زینب۔ شکیل اور اویس عرف بیلو.....
اگلے ماہ کیلئے ہمارا حرف ہے "خ" محاورے مختصر اور آسان فہم ہوں اس بات کا خیال ضرور رکھا کرو۔

تم سب کی باجی

حرکت میں برکت ہے۔

یہ محاورہ جو بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے عموماً سست اور کاہل لوگوں کے سامنے دہرایا جاتا ہے اور مطلب اسکا یہ ہے کہ حرکت یعنی عمل اور کام میں ہی اللہ میاں برکت ڈالتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص خالی بیٹھے بیٹھے دعائیں کرتا رہے یا اپنی قسمت کا رونا روتا رہے تو کبھی بھی اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس کامیابی کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد اور انتھک محنت نہ کرے اسی لئے بزرگ کہتے ہیں کہ جمود یعنی ٹھہراؤ اور کاہلی موت ہے جبکہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرتے رہنے اور محنت کرنے میں کامیابی کا راز ہے لہٰذا بچوں تم بھی سمجھ لو کہ حرکت میں برکت ہے۔

حال پتلا ہونا۔

یہ بھی بہت آسان بات ہے تم لوگ سمجھ ہی گئے ہوگے کہ حال پتلا کسے کہتے ہیں دراصل سختیوں اور دشواریوں سے بے حال ہونے یا سخت پریشان ہونے کو۔ اگر کوئی شخص غربت میں یا کسی شدید پریشانی اور رکاوٹ میں مبتلا ہو تو دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کا حال بہت پتلا ہے۔

حلوہ سمجھنا۔

کیوں حلوے کے نام پر منہ میں پانی بھر آیا نا۔۔۔۔ مگر جناب یہ وہ حلوہ نہیں ہے بلکہ یہاں حلوے سے مراد ہے کسی کام کو آسان سمجھنا اکثر کوئی دوست کہتا ہے کہ یار تم فزکس کو حلوہ سمجھ رہے ہو، پڑھنے بیٹھو گے تب پتہ چلے گا۔ یا کوئی یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کو بالکل ہی حلوہ سمجھ لیا تھا مگر جب ہاتھا پائی ہوئی تب پتہ چلا کہ وہ کیا چیز ہے۔ عموماً بڑے بزرگ بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ امتحانات کو کیا حلوہ سمجھ رکھا ہے؟ آخر پڑھنے کیوں نہیں بیٹھتے۔۔۔ ہمارا خیال ہے اب حلوہ سمجھنا کے معنی تم سمجھ گئے ہو گے۔

حمایتی کے ٹٹو۔

بچو! یہ بھی ایک دلچسپ محاورہ ہے جو کسی ایسے شخص کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جو دوسروں کے بل پر کودے یعنی اپنی قوت بازو یا قوت فیصلہ پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کے بجائے حمایت کرنے والوں یا کسی کام میں مدد کرنے والوں پر بھروسہ کر کے انکی قوت کو مد نظر رکھ کر کام کرنے کا فیصلہ کرلے ایسے شخص کو کہتے ہیں حمایتی ٹٹو۔

حوض بھرے فوارہ چھوٹے۔

یہ بڑا ہی مزیدار سا محاورہ ہے اور تم اسے روزمرہ مشاہدے سے سمجھ سکتے ہو یعنی جب حوض پورا بھر جاتا ہے تبھی فوارہ جاری ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ حوض تو خالی ہو اور فوارہ چل پڑے یہ تو ہوئے اسکے لفظی معنی اب سنو محاورے کا مطلب یعنی جب آمدنی ہوگی تبھی اخراجات ہو سکتے ہیں یعنی جیب میں پیسہ ہوگا تب ہی خرچ کرنے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے ورنہ پیسے کے بغیر اخراجات کا تصور ہی ممکن نہیں بالکل اسی طرح جس طرح حوض کے پانی کے بغیر فوارے کا تصور ممکن نہیں۔

حلوے مانڈے سے کام رکھنا۔

عموماً یہ محاورہ خود غرض لوگوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ جو ہر کام میں ہر وقت اپنے فائدے کی بات سوچیں۔ یہاں حلوے اور مانڈے سے مراد دراصل یہی ہے کہ صرف اور صرف اسے کھانے پینے یا اپنے فائدے کی بات مد نظر رکھی جائے اور باقی کسی دوسرے کی فکر نہ کی جائے۔

عبدالواحد سندھی

جہازرانی کی کہانی

شروع میں لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم دھرنے سے ڈرتے تھے بارہویں اور تیرھویں صدی قبل مسیح تک لوگوں کا یہی خیال تھا۔

قیاس ہے کہ شروع میں انسان نے پہلی کشتی جھیل میں چلائی ہوگی۔ پہلے پہل بھاری بھاری لکڑیوں اور گھاس کے گھٹوں کو دریا پار کرنے کیلئے استعمال کیا ہوگا۔ گھاس کی کشتیاں آج بھی دریائے نیل میں استعمال ہوتی ہیں۔

اس کے بعد بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے کشتی بنانے لگے۔ دنیا کے بعض حصوں میں آج بھی اس قسم کی کشتیاں رائج ہیں۔

۱۹۰۲ء میں کیپٹن واس نے ایک کشتی کھوکھلے تنے کی تیار کی جس نے برٹش کولمبیا، امریکہ سے ساری دنیا کا چکر لگانا شروع کیا اور یہ چکر اس نے تین سال میں پورا کیا۔

دریائے دجلہ کے ملاح ایک بڑے ٹوکرے پر چمڑا چڑھا کر اسے بطور کشتی کے استعمال کرتے ہیں۔ اس پر ایک وقت میں بیس آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔

دنیا کی سب سے پرانی اور سب سے بڑی کشتی حضرت نوح نے تیار کی تھی جو ۴۵۰ فٹ لمبی ۵۰، فٹ چوڑی ۴۵۰ فٹ اونچی اور ۵ ہزار ٹن بھاری تھی

۷۰۰ء قبل مسیح فنیقی قوم نے ایسی کشتیاں تیار کیں جن کے ذریعے وہ نہ صرف بحر روم کے ساحلی شہروں سے تجارت کرتے تھے بلکہ جنوب میں افریقہ اور شمال میں دور تک چلے جاتے تھے۔

فنیقی قوم سے پہلے ایک مشہور قوم اطلانطس نامی جہاز رانی اور جہاز سازی میں بہت مشہور تھی۔ ان کا بحری جزیرہ کریٹ تھا۔ ان سے پہلے بھی ایک قوم گزری ہے۔ جس کا نام کار تھیلی تھا۔ یہ بڑے جہاز ساز اور جہاز راں تھے ان کے جہازوں میں آٹھ آٹھ چپو ہوتے تھے۔ ان کے جہاز ملایا کے ساحل تک پہنچتے تھے۔ ان کی رفتار ۹ میل فی گھنٹہ تھی۔

کچھ دنوں کے بعد جہاز سازی میں اور نئی نئی ایجادیں ہوئیں۔ بعض حصوں میں لوہا استعمال ہونے لگا اس قسم کے جہاز پہلی دفعہ ایرانیوں اور پیلو پونیز کی جنگ میں استعمال ہوئے تھے۔ جن کے ساتھ بیس بیس چپو تھے۔ جن جہازوں میں بادشاہ یا امیر البحر سوار ہوتا تھا ان کی رسیاں اور چپوں رنگ دار ہوتے تھے۔ ان جہازوں کے پچھلے کے حصے تانبے اور پیتل سے تیار کئے جاتے تھے۔ جن میں سے بعض ۹۰ فٹ اور بعض ۴۵۰ فٹ لمبے ہوتے تھے یہ تجارتی جہاز تھے۔ جنگی جہاز اس سے قدرے چھوٹے ہوتے تھے۔

رومیوں نے جب انگلستان پر حملہ کیا تو انہیں انگلستان کے جہاز دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ انگریزوں کے جہاز زیادہ مضبوط تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بحر اوقیانوس کی سطح بحر روم سے زیادہ طوفانی رہتی ہے اس میں زیادہ مضبوط جہازوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک پرانی قوم گزری ہے جسے نار سمین کہتے تھے۔ وہ اپنے مردوں کو کشتیوں میں ڈال کر سمندر میں بہا دیتے تھے۔

ایک زمانے میں ڈنمارک والوں نے انگلستان پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس کا بدلہ لینے کیلئے انگلستان کے مشہور بادشاہ الفریڈ نے بڑے بڑے جہاز تیار کرائے اس جنگی بیڑے سے ڈنمارک والوں کو زبردست شکست دی ان کے چھ جہاز پکڑ لئے اور باقی ڈبو دیئے۔ الفریڈ برطانوی جہاز سازی کا بانی ہے۔

۱۷۰۰ء میں انگلستان میں ایک ایسا جہاز تیار ہوا جو (۳۰۰) آدمیوں کو اٹھا سکتا تھا۔ انگلستان کا پہلا فرمانروا رچرڈ تھا جس نے جہاز سازی اور جہاز رانی کیلئے باقاعدہ قوانین تیار کئے۔ اس کے پاس ۲۰۳ بڑے بڑے جنگی جہاز تھے۔ اس میں کنگ جان اور ایڈورڈ سوم نے جہاز رانی اور جہاز سازی میں بہت دلچسپی لی۔ ایڈورڈ سوم نے جب کیلے کا محاصرہ کیا تو اس محاصرہ میں اس کے بیڑے میں (۱۰۰۰) جہاز تھے۔

شروع شروع میں جہازوں پر منجنیقیں ہوا کرتی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ جب نئی ایجاد ہوئی تو توپیں لگنے لگیں۔ ہنری ہشتم نے جہازوں پر توپیں استعمال کرنی شروع کیں۔ اس کے پاس دو ایسے جہاز تھے جن میں سے ہر ایک پر کولمبس نے نئی دنیا امریکہ تلاش کی تھی۔

سترھویں صدی عیسوی کے آخری حصّہ میں یورپ نے جہاز رانی اور جہاز سازی میں ترقی کرنا شروع کی۔ بھاپ کی ایجاد نے اس صنعت کو بڑی ترقی دی۔ چنانچہ اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں یورپ کے ملکوں میں لاکھوں ٹن کے وزنی جہاز تھے۔ ان ملکوں میں برطانیہ سب سے آگے آگے تھا۔ آج کل صرف انگلستان کے پاس ۱۵ کروڑ ٹن کے وزنی جہاز موجود ہیں۔

دو سال میں انگلستان نے جہاز رانی اور جہاز سازی میں غیر معمولی ترقی کی ہے پہلے انگلستان ایک کمزور اور غریب ملک تھا۔ اس کے بہادر نوجوانوں نے جہاز سازی اور جہاز رانی کے فن میں دن رات کوشش کر کے اسے دنیا میں سب سے بڑی بحری طاقت بنا دیا۔

اس کے خلاف مسلمان آج سے چند سو سال پہلے دنیا میں زبردست بحری طاقت رکھتے تھے۔ نئی دنیا امریکہ کی تلاش میں کولمبس کی مدد کرنے والے اور رہنمائی کرنے والے مسلمان جہاز راں ہی تھے۔ لیکن آج کیا ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ نہ جنگی جہاز اُن کے پاس ہیں اور نہ تجارتی بیڑا۔ سمندر کے نام سے ڈرتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ "سمندر کی سطح پر کوہ پیکر جہاز اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

سب سے پہلا بھاپ کا جہاز ۱۷۳۶ء میں جوناتھن ہلز نے بنایا لیکن اس میں پوری کامیابی نہ ہوئی کچھ کمی رہ گئی تھی۔ ۱۸۰۳ء میں ایک امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک بھاپ کی کشتی تیار کی جو ہوا کے خلاف ساڑھے چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی اسی موجد نے ۱۸۱۷ء میں پانچ سو ٹن کا ایک بھاپ کا جہاز بنایا جس پر ۲۲ ہزار پونڈ خرچ آیا۔

اس کے بعد دخانی جہاز اس قدر مقبول ہونے کہ ۱۸۶۳ء میں جس قدر جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر تجارت کی غرض سے پہنچے تھے۔ ان میں تیرہ ہزار دخانی جہاز تھے۔ دیکھا پوری ایک صدی کی محنت اور جدّ و جہد نے یورپ اور امریکہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اب یورپ کے جہاز سازوں نے اس فن کو اور ترقی دینا شروع کی اس کیلئے نئی نئی راہیں تلاش کیں۔ ۱۸۹۸ء میں انگلستان کے جہاز سازوں نے چار ہزار ٹن کا ایک ایسا تیز رفتار جہاز تیار کیا جس نے دنیا کے سب سے بڑے سمندر بحر اوقیانوس کو چار دن اور سترہ گھنٹوں میں پار کر لیا۔

۱۹۳۳ء میں فرانس نے ۶۸ ہزار ٹن کا ایک مہیب جہاز تیار کیا۔ پھر اسی سال انگریزوں نے ۳۷ ہزار ٹن کا ایک اور جہاز تیار کیا جس کے انجن کا طاقت کا اندازہ (۸۰) ہزار گھوڑوں کی طاقت سے کھینچنے۔ اسی زمانے میں انگریزوں نے ایک نیا جہاز اولمپک نامی تیار کیا جس کی لمبائی ۸۵۲ فٹ، چوڑائی ۹۲ فٹ اور اونچائی

۱۷۵ فٹ تھی۔ اس کے انجن کی طاقت کا اندازہ نوے ہزار گھوڑوں کی طاقت سے کھینچنے۔ اس جہاز پر ۸۶۰ ملازم کام کرتے تھے۔

یہ ہے وہ طاقت جس کی بدولت قومیں زندہ رہ سکتی ہیں اور ترقی کر سکتی ہیں اور یہی وہ نشانیاں ہیں جن سے زندہ قوموں کے دل مضبوط ہوتے ہیں سچ ہے۔ "جہاز اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو سطح سمندر پر پہاڑوں کی طرح چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔"

زندہ قومیں دنیا میں اس طرح رہتی ہیں کہ لوگ ان کی ہیبت اور تندی کو محسوس کرتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنے مخالفوں کیلئے سخت ہوتی ہیں اور اپنے دشمنوں کیلئے پتھر کی چٹان کی طرح ہوتی ہیں۔ زندہ قومیں اپنے اندر ایسی زبردست قوت پیدا کر لیتی ہیں کہ ان کی چھاؤنیاں فوجوں سے آباد، ان کی بندرگاہیں مہیب وزنی جہازوں سے پر رونق اور ان کی فضائیں ہوائی جہازوں سے گونجتی دکھائی دیتی ہیں۔

قرآن نے مسلمانوں کو بار بار یہ درس دیا تھا کہ "تم دنیا میں اس طرح رہو کہ لوگ تمہاری تندی کو محسوس کریں، خدا کے نافرمانوں کیلئے سخت ہو۔۔۔ ہم نے فولاد بھیجا جو ایک پرہیبت دھات ہے اسے استعمال کر کے پر شوکت ہو۔۔۔ جہاز اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔۔۔ تم اپنے میں وہ قوت پیدا کرو اور تمہاری چھاؤنیوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔"

لیکن ہم ان تمام احکام کو بھول گئے۔ تن پرور، آسانی طلب بن گئے۔ اس لیے خدا نے ہم کو دنیا میں کمزور بنا دیا۔

مسجد بنانے والے خائن نہیں ہو سکتے

دمشق کی مشہور جامع مسجد اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ اس پر دو کروڑ نوے لاکھ کی کثیر رقم خرچ ہوئی۔ اس لاگت کے جو بل اور رسیدیں خلیفہ کو پیش کی گئیں وہ اٹھارہ اونٹوں پر لادی گئیں۔ خلیفہ نے دیکھے بغیر سب رسیدیں جلا دینے کا حکم دیدیا۔ اور کہا کوئی شخص مسجد جیسی مقدس عبادت گاہ کی تعمیر کے معاملے میں خیانت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

ناک اور ٹھوڑی کا کرتب

برطانیہ میں جان ہن سیل نامی ایک شخص گزرا ہے جو ہاتھ اور ٹھوڑی کی مدد سے وزنی چھڑی ٹکا کر چل سکتا تھا۔

کتا جو سارجنٹ بن گیا

آسٹریلیا کے "وباسکا" نامی ایک کتے نے بیس مختلف جنگوں میں شرکت کی اور تین بار زخمی ہوا۔ یہ جنگی کتا اپنی طبعی موت مرا تو حکومت نے جنگی خدمات کے عوض اس کو سارجنٹ کا مستقل اعزازی عہدہ دیا۔

خواب اور مشین

امریکہ اور روس کے سائنسدانوں نے ایک خواب آور برقی مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعہ انسان حسب ضرورت گہری نیند لے سکتا ہے۔ خواب آور ادویہ کے برعکس برقی مشین کے ذریعہ سونے سے انسان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا

دیانت داری

یہ وہ دورِ اسلام تھا جب ملک شام کا مشہور قدیم شہر دمشق اسلامی سلطنت کا پایہ تخت یعنی دارالحکومت تھا۔ شہر کے باشندے دن بھر اپنا اپنا کام کرنے کے بعد بستروں میں آرام کر رہے تھے لیکن اسلام کے خلیفۂ وقت جو کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے حاکم تھے بیت المال میں بیٹھے شاہی خزانے کا حساب کتاب اور ضروری کاغذات دیکھ رہے تھے سامنے چراغ جل رہا تھا۔ خلیفۂ وقت کاغذات پر دستخط اور ضروری احکامات تحریر کر رہے تھے۔

خلیفہ اپنے کام میں مصروف تھے کہ انکے ایک دوست آ گئے ان کو خلیفہ سے کوئی ضروری کام تھا۔ خلیفہ نے ان کو بہت عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور پھر وہ چراغ بجھا دیا جس کی روشنی میں وہ کام کر رہے تھے اور اپنے مہمان سے باتیں کرنے لگے۔

خلیفہ اور انکے مہمان بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد مہمان نے ان سے جانے کی اجازت چاہی مگر اٹھنے سے پہلے انہوں نے خلیفہ سے ایک سوال کیا، "جناب میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا تو آپنے وہ چراغ کیوں بجھا دیا تھا جس کی روشنی میں آپ کام کر رہے تھے؟"

خلیفہ نے کہا "میرے بھائی میرے دوست دراصل میں جو کام کر رہا تھا وہ حکومت کا کام تھا اور جس چراغ کی روشنی میں وہ کام کیا جا رہا تھا وہ بھی سرکاری خزانے سے حاصل کردہ تیل سے روشن تھا۔ جب آپ تشریف لائے تو کام کی نوعیت بھی بدل گئی تھی کیونکہ یہ ملاقات ذاتی تھی سرکاری نہیں۔ اس لیئے میں سرکاری خزانے کا تیل کیوں جلاتا لہٰذا میں نے اس چراغ کو گل کر دیا۔"

یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تھا اور ان کے اس عمل سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتنے دیانت دار اور امانت دار تھے اور سرکاری خزانے کی کس سختی سے حفاظت کرتے تھے۔

یہ تمام بچوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سرکاری خزانے میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے وہ کہاں سے آتا ہے اس کی آمدنی کا ذریعہ ملک کے عوام ہوتے ہیں جو زمین کے لگان ٹیکسوں (محصولوں) کی شکل میں مختلف رقومات قومی خزانے میں جمع کراتے ہیں، آج کل کے دور میں کسٹم ڈیوٹی، انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس وغیرہ رائج ہیں اور اس طرح سے جو رقومات حاصل کی جاتی ہیں، اس رقم کو ملک کی حفاظت اور لوگوں کی بھلائی کے کاموں پر صرف کیا جاتا ہے۔

جو حکام ان رقومات کو اپنی شان و شوکت عیش و عشرت اور آرام کی خاطر صرف کرتے ہیں درحقیقت وہ بددیانتی اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس خزانے کی رقوم کو خرچ کرنے کے لیئے اتنی ہی احتیاط کی ضرورت ہے جتنی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کیا کرتے تھے وہ حقیقت میں دیانت اور امانت کی ایک مثال تھے۔

گوشہ نشینی

پہلے تو بابر کی موت چھپائی گئی لیکن آخر ایک امیر نے مشورہ دیا کہ اعلیٰ حضرت کی موت کو چھپائے رکھنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ جب بھی کبھی ماضی کال میں ہندوستان کے بادشاہوں پر موت وارد ہوتی، بازاری لوگ لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ خدا نہ کرے یہاں بھی ایسا ہی ہو اس لیئے بہتر یہ ہے کہ کسی کو سُرخ لباس پہنا کر اور ڈھول دے کر ہاتھی پر سوار کر دیا جائے اور ڈھول پیٹ کر شہر میں منادی کر دے کہ اعلیٰ حضرت بادشاہ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ درویش بن گئے ہیں اور بادشاہت ہمایوں کے سپرد کر دی ہے

(ہمایوں نامہ۔ گلبدن بیگم)

نذرانۂ عقیدت

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذی الکرم
سرخیل و مرسلین و شفاعت گر امیم

موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق
مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم

رنگِ ظہور سے ترے گلشن رُخِ حدوث
نورِ وجود سے ترے روشن دل و قدم

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں
رکھتا سرِ زمیں نہ اگر اپنا تو قدم

محروم ترے دستِ مبارک سے رہ گیا
کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم

عالم کو ترا نور ہوا باعثِ ظہور
آدم ترے ظہور سے ہے مظہرِ اتم

واللیل ترے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا
والشمس ہے ترے رُخِ پُرنور کی قسم

بہادر شاہ ظفر

آلو بخارا

حکیم نور احمد

ادارے کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ قارئین کے لیے ہر ماہ چند ایسی تحریریں ضرور پیش کرے جن کا تعلق ان کی روزمرہ کی زندگی اور اس کے چھوٹے چھوٹے مگر اہم مسائل سے ہو۔ غذائی اشیاء کو طبی نکتۂ نظر سے برمحل استعمال کرنا بھی ایک فن ہے ــ اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک اہم تحریر...

بڑا آلو بخارا آلوچے کی ایک قسم ہے جسے جدید سائنسی طریقوں سے پیوند لگا کر ایک خوش مزا غذا بنا دیا گیا ہے، یہ پھل وسط مئی سے جولائی تک ملک بھر کی منڈیوں میں ملتا رہتا ہے، سرخ رنگ کا پھل کھٹا، پکا ہوا سیاہ رنگ کا میٹھا اور ترشی کے ساتھ کھانے میں مزے دار اور ایک سستی حیاتین بھری غذا ہے،

جو غذا بھی ہم کھاتے ہیں، معدہ اور آنتوں کی مشین اسے پیس کر رکھ دیتی ہے اس کے غذائی جوہر سے بدن میں طاقت اور گرمی پیدا ہوتی ہے، سائنسی اصطلاح میں توانائی اور گرمی ناپنے والے پیمانے کو حرارے یا ہیٹ کلوریز کہتے ہیں، گوشت پھل، سبزی، دودھ، مکھن جو کچھ بھی کھائیں گے ہضم کے بعد اس سے حاصل ہونے والی توانائی کا اندازہ انہی حراروں سے کیا جاتا ہے، معدہ غذا کو بلو کر اس میں سے چونا، فولاد، فاسفورس، آئیوڈین جدا کرنے کا کام جاری کرے گا تو پیٹ بھاری ہو جائے گا، جو غذائیں زیادہ گوشت بنانے والے اجزاء اپنے اندر رکھتی ہیں وہ معدہ سے جلد ہضم ہو کر آنتوں کی طرف چلی جاتی ہیں، جو غذائیں نشاستہ کی وافر مقدار رکھتی ہیں وہ لحمی اجزاء والی غذاؤں سے زیادہ وقت میں ہضم ہوں گی، تیسرے نمبر پر گھی، مکھن اور تیل والی غذائیں ہیں جس کے کھانے میں میدے والی اور روغنی غذائیں زیادہ شامل ہوتی ہیں، وہ کئی کئی گھنٹے معدہ میں رکا رہتا ہے یہ غذائیں جن کو اطبا ثقیل اور دیر ہضم کہتے ہیں اپنے اندر حرارے بھی زیادہ مقدار میں رکھتی ہیں ایسے لوگ جو غذائیں تو زیادہ حرارے پیدا کرنے والی کھائیں مگر محنت مشقت سے جی چرائیں ان کا جسم موٹا ہونا شروع ہو جاتا ہے زائد غذائیں حرارے چربی کی شکل میں پیٹ کو پھیلا دیتے ہیں بعض لوگوں میں چربی کی گٹھلیاں بھی بننے لگتی ہیں آلو بخارا اس زائد چربی کو تحلیل کر کے جسم کو ہلکا اور دبلا بنا دیتا ہے خاص طور پر دل کے ارد گرد جمع ہونے والی کولسٹرول کی تہہ میں نمایاں کمی ہو جاتی ہے۔

اس پھل میں پانی بیاسی فیصد پروٹین یعنی گوشت بنانے والے اجزاء ۰.۸ و نباتاتی گھی ۰.۲ نشاستہ دار اجزاء ۹.۵ شامل ہوتے ہیں ایک پاؤ آلو بخارا کھانے سے ڈیڑھ سو حرارے حاصل ہوتے ہیں جن افراد کو پیٹ بڑھنے ہوا کے رہنے اور اپھارے کی شکایت ہو، ان کیلئے آلو بخارا دوا ہے اور غذا بھی ایسے مریضوں کو روزانہ پاؤ دو پاؤ آلو بخارے کا ناشتہ کر کے دوسری تمام غذائیں ناشتہ میں دینی بند کر دیں تو چند روزہ استعمال سے پیٹ ہلکا، قبض دور اور چربی کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

صبح اس کا ناشتہ اور دونوں وقت سوکھی روٹی موسمی سبزیاں سادہ گوشت میں پکی ہوئی کھائیں شام چاہئے بھی عمر اور طاقت کے مطابق آدھ پاؤ سے آدھ سیر تک آلو بخارا کھانے سے چند ہفتوں میں پیٹ ہلکا اور وزن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اس کے ساتھ لیموں کی تازہ سکنجبین دن میں ایک دو مرتبہ اور موسمی پھل کھانے سے پیٹ کم کرنے میں مزید آسانی ہوتی ہے ایسے مریضوں کو مٹھائی اور والئی استعمال نہیں کرنی چاہئیں

جن افراد کا ہاضمہ خراب پیٹ میں گیس، منہ میں کثرت سے پانی بھر آتا ہے اور ہاتھ پاؤں جلتے ہوں وہ صبح آلو بخارا کے ناشتے کے بعد دہی کی پتلی یا چاچھ کی لسی استعمال کریں چند روز میں گیس دور قبض ختم اور ہاتھ پاؤں کی جلن موقوف ہو جائے گی۔

جن عورتوں کا صبح اٹھتے ہی دل متلائے، کھانے کو جی نہ چاہے اور سر بوجھل سا محسوس ہو تو وہ صبح تین سے سات دانے تک اس پھل کو توڑ کر کھانڈ ملا کر صرف اسی کا ناشتہ کریں شام کو بھی آلو بخارا کھائیں اور دن میں دو تین مرتبہ لیموں کی تازہ سکنجبین بنا کر پئیں تو چند روز میں طبیعت ہلکی اور متلی میں کمی ہونے لگے گی،

جن افراد کی طبیعت میں چڑچڑا پن ہو صبح اٹھنے پر حلق کڑوا، پیاس زیادہ اور بے چینی ہو، معدہ میں سختی یا جگر بڑھا ہو وہ ایک پاؤ مونگ کے ساتھ ایک سیر اس پھل کو پکا کر دونوں وقت سادہ یا روٹی کے ساتھ کھائیں تو ایک زود ہضم پیٹ بھر معدہ کی سختی دور کرنے والی سستی غذا اور مفت کی دوا مل جائے، یہ غذا پیٹ تو بھر دے گی مگر حرارے کم پیدا کرے گی کہ پیٹ کی سوجن اور چربی کم کرنے میں مدد دے گی اور دوا کھانے کی ضرورت نہیں رہے گی، اس سالن میں آلو بخارا پکا ہوا نہ ڈالیں بلکہ آدھ پکا استعمال کریں جن مریضوں کا گرمی کے اثر سے سر درد کرنے لگے، یا بخار ہو جائے وہ کھانا کھانے سے پرہیز کریں ایک دو دن صرف آلو بخارا ہی استعمال کریں تو خدا کے فضل سے صحت ہو جائے۔ ★

حضورؐ نے کچھ صحابہ کے سامنے پوری سورۃ رحمٰن تلاوت فرمائی۔ جسے صحابہ سن کر خاموش ہو گئے۔ آپ رسول پاکؐ نے تلاوت کے بعد یہ انداز پسند نہیں فرمایا اور ارشاد کیا میں نے جنات کے سامنے یہ سورۃ تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے کیونکہ جب میں نے یہ سورۃ پڑھی تو جنات سب بول اٹھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی بھی طرح سے نعمت کی ناشکری نہیں کر سکتے۔

انسان اللہ تعالیٰ کے تخلیقی علوم کا امین ہے لیکن ظالم اور جاہل ہے۔ ظالم اور جاہل اس لئے ہے کہ تخلیقی علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور جو لوگ کائنات کی تخلیق کا علم سیکھ لیتے ہیں وہ اللہ کے دوست (اولیاء اللہ) بن جاتے ہیں۔

یارانِ طریقت

وہ کاروانِ حقیقت ہے جس کو اللہ نے اپنا دوست کہا ہے۔

میاں مشتاق احمد عظیمی روحانی فرزند اعلیٰحضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے اس کتاب میں اولیاء اللہ کی کرامات لکھ کر اپنے مرشد کریم کے الفاظ میں کرامات کی تشریح اور سائنسی توجیہہ کی ہے۔
یارانِ طریقت کتابوں کی دنیا میں روحانیت کے موضوع پر بلاشبہ ایک بھرپور کتاب ہے۔
یارانِ طریقت میں عنوانات اس طرح قائم کئے گئے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ • حالاتِ زندگی • روح پرور واقعات • روحانی توجیہہ • اقوال و ارشادات

حضرت رابعہ بصریؒ • حالاتِ زندگی • روح پرور واقعات • روحانی توجیہہ • اقوال و ارشادات

وغیرہ وغیرہ

"یارانِ طریقت" ماورائی علوم اور اسلامی تصوف کو سمجھنے کے لئے نہایت مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ قاری کو آسمانِ علم و آگہی سے واقف کر دیتا ہے۔

قیمت /۳۰ روپے

مکتبہ عظیمیہ
کمرہ نمبر ۵ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ
۱۳۔ کے۔ ۱۔ ناظم آباد کراچی ۱۸ پوسٹ بکس ۲۲۱۳

ہومیو ڈاکٹر شہزادہ احمد خاں

سُرخ بخار

سرخ بخار SCARLATIC FEVER
ایک قسم کا سخت متعدی بخار ہے جس میں گلا متورم ہو جاتا ہے اور بخار چڑھنے کے دو تین روز بعد جسم پر سرخ دھبے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ چھوت کی ایک بیماری ہے جس کا زمانہ حضانت (یعنی جسم میں اخفائے مرض کا زمانہ) سات سے آٹھ روز ہوا کرتا ہے اور اس دوران بیماری کی علامات پیدا نہیں ہوتیں۔

اسبابِ مرض

اس مرض کا باعث ایک قسم کا جرثومہ ہے۔ اس مرض کی چھوت مریض کی جلد کی بھوسی یا اس کے لعاب دہن یا سانس وغیرہ سے دوسروں کو لگ جاتی ہے۔ ہر وہ چیز جو مریض کے کمرے سے باہر لیجائی جاتی ہے وہ اس چھوت کا مادہ اپنے ہمراہ باہر لے جا سکتی ہے پانچ سال سے کم عمر کے بچے اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو یہ بیماری امریکہ اور انگلستان میں زیادہ پائی جاتی ہے لیکن پاک و ہند میں بھی شاذ حالتوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔
بلحاظ علامات اس بخار کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ تپ سرخ سادہ
۲۔ تپ سرخ خناقی
۳۔ تپ سرخ مہلک

تپ سرخ سادہ میں بالخصوص اور تپ سرخ خناقی میں بالعموم شفایابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں جبکہ تپ سرخ مہلک میں عام طور پر انجام مرض کچھ اچھا نہیں ہوتا۔

علاماتِ تپ سرخ سادہ

اس میں چھوت لگنے کے چوتھے پانچویں دن عموماً پھریری سی معلوم ہو کر سخت بخار ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اور خصوصاً سر میں شدید درد ہوتا ہے۔ سخت بے چینی ہوتی ہے بعض اوقات رات کو ہذیان بھی ہو جاتا ہے۔ بچوں میں تشنج اور بے ہوشی بھی ہو جاتی ہے دوسرے تیسرے دن جسم پر سرخ سرخ دھبے نمودار ہو جاتے ہیں جو باہم مل کر چھپکس سی بنا دیتے ہیں۔ جب ان دھبوں کو انگلی سے دبایا جاتا ہے تو ان کی سرخی دور ہو جاتی ہے اور انگلی کا دباؤ ہٹتے ہی پھر عود کر آتی ہے حلق سرخ اور متورم ہو جاتا ہے جس سے سانس لینے اور نگلنے میں دقت ہوتی ہے۔ پانچویں یا چھٹے

دن دھبے مرجھانے لگتے ہیں ۔ نویں دن یا زیادہ سے زیادہ دسویں دن تک دانے اور دھبے مکمل طور پر غائب ہو جاتے ہیں اور پھر جلد پر سے بھوسی کی مانند بور جھڑنے کا قدرتی عمل شروع ہو جاتا ہے اور مریض صحت و تندرستی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔

علامات تپ سرخ خُنَاقی

تپ سرخ خُناقی کی قسم میں اس بخار کے مریض کی علامات مرض قدرے شدید ہوتی ہیں ۔ حلق متورم ہو جاتا ہے اور اس میں ایک گاڑھی رطوبت چپکی رہتی ہے ۔ ناک سے پیپ آمیز رطوبت کا اخراج ہوتا رہتا ہے ۔

علامات تپ سرخ مہلک

تپ سرخ مہلک میں اگرچہ جسم میں دھبے پورے طور پر نمایاں نہیں ہوتے البتہ حلق اور گلے میں زخم پڑ جاتے ہیں ۔ دیگر تمام علامات شدید تر ہوتی ہیں اور دوسری خطرناک علامات مثلاً ورم لوزتین ، ذبل گوش ، رعد ، استسقا گٹھیا ، سوزش گردہ وغیرہ جیسے عوارض میں مریض بچہ مبتلا ہو کر فوت ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے سرخ بخار کا انجام بالعموم خراب ہوتا ہے

ضروری ہدایات برائے مرض سرخ بخار

مریض کو علیحدہ ہوادار کمرے میں احتیاط سے

"امی جان کی والدہ انتقال کر گئیں"

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی اہلیہ محترمہ راشدہ عفت (امی جان) کی والدہ ممتاز نعت گو قاری اخلاق احمد انصاری سالک کی اہلیہ محترمہ رضیہ خاتون ۔ ۱۱ رجون ۹۱ء بروز منگل کراچی میں انتقال کر گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

اراکین سلسلہ عظیمیہ اور قارئین روحانی ڈائجسٹ سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے ۔

رکھیں ۔ کوشش حتی الامکان یہی ہونی چاہیئے کہ مرض جلد سے گردوں کی طرف منتقل نہ ہو جائے ۔ حرارت کی شدت کو کم کرنے کی غرض سے نیم گرم پانی سے یا اس میں قدرے سرکہ ملا کر اس سے جسم کو اسفنج کریں ۔ شدید درد سر کی صورت میں سر پر برف رکھیں گردن زیادہ متورم ہونے کی صورت میں اس کو سینک کر کے گرم روئی باندھیں دانوں اور دھبوں پر یوکلپٹس آئل لگانے سے خارش اور بے چینی کا تدارک کیا جا سکتا ہے اور دانے اور دھبے بھی جلد مندمل ہو جاتے ہیں ۔ مریض کو زیادہ مقدار میں دودھ پلانا چاہیئے ۔ جوڑوں کے درد کی شکل میں جوڑوں کی سینکائی بھی کرنی چاہیئے ۔ غذا میں صرف کھچڑی یا سادہ شوربہ اور دلیہ وغیرہ دے سکتے ہیں ۔

ادویہ و اغذیہ مقوی اور لطیف ہونی چاہئیں اور مکمل شفایابی تک مریض کو کسی سے ملنے اور گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے ۔

بچے کا پیٹ سے غائب ہو جانا

(ایک اہم طبی انکشاف)

جو ارد

اگر کسی حاملہ نے کبھی محسوس کیا ہو کہ اس کے اندر توام بچے موجود ہیں تو ہو سکتا ہے ۔ اس کا سچ جھوٹ میں بدل جائے یورپ اور امریکہ میں جڑواں بچوں کا حمل میں غائب ہونے کا نظریہ ثابت ہو چکا ہے ۔ وضع حمل کے ماہر طبیبوں نے اس بات کا مشاہدہ شروع کر دیا ہے ۔ سونو گرافی کا استعمال ایک ایسی تکنیک ہے جس میں الٹراسانک لہروں کو ماں کی بچہ دانی میں پرورش پانے والے بچے پر پھینکا جاتا ہے اور پھر ایک سکرین پر اس کا عکس دیکھا جاتا ہے ۔ چند سال پہلے یورپ میں وضع حمل کے ڈاکٹروں نے جب حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ توام بچوں کو تشخیص کر لیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہی نہیں دہشت زدہ ہو گئے کہ انہوں نے حمل کے دوران جتنے جڑواں بچوں کا انکشاف کیا تھا ، تولید کے وقت اللہ نے کہیں کم یا صرف ایک ہی بچہ پیدا ہوا ہے ۔ وہاں کے وضع حمل کے طبیبوں نے حمل کی پہلی سہ ماہی میں جو تشخیص کی اس میں چودہ ہفتوں تک کی حاملہ مائیں شامل تھیں جن کے پیٹ میں جڑواں بچوں کی تعداد پیدا ہونے والے بچوں سے کہیں زیادہ تھی ۔ چنانچہ حمل کی دوسری سہ ماہی کے دوران معائنہ کیا گیا تو ڈاکٹروں کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ دوران حمل کے دو بچے دار تھیلیوں یا پوٹلیوں میں سے ایک عموماً غائب پائی جاتی ہے اور دوسرا بچہ پوری طرح نشوونما کے مراحل طے کرنے لگ جاتا ہے ۔

گزشتہ عشرے میں یورپ کے متعدد سرکاری ہسپتالوں میں سونو گرافی کا استعمال پہلی سہ ماہی میں حمل میں بچے کی نشوونما کے نقائص کے معائنے کے لیئے ایک معمول بن گیا تھا ۔ اب تک اس سائنسی طریق عمل کو مزید تحفظ اور استفادہ دینے کے لیئے امریکہ کے وضع حمل کے طبیب الٹراساؤنڈ کو بڑی بچت اور کفایت شعاری سے استعمال کرتے تھے وہ حمل کی پہلی سہ ماہی میں شاید ہی کبھی اس آلے کا استعمال کرتے ہوں گے ۔ اس لیئے حمل کی ابتدائی مدت میں حمل میں بچے کی زندگی کی گمشدگی کا علم نہ ہوتا تھا ۔ مگر اب سونو گرافی کو حمل کی ابتدا سے ہی وسیع تر مفادات کے لیئے عام استعمال کیا جانے لگا ہے ۔ چنانچہ حمل میں جڑواں بچوں کے غائب ہونے کی اطلاعات میں اضافہ ہو گیا ہے ۔

چند سال بیشتر ترقی یافتہ الٹراساؤنڈ ساز و سامان کے آلات تیار ہونا شروع ہو گئے تھے اور ڈاکٹروں کو اس تکنیک سے استفادہ کرنے اور وسیع سطح پر حمل کے دوران بچہ دانیوں اور زیر تولید بچوں کے بر عکس حاصل کرنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط سے لے کر اختتام تک سکاٹ لینڈ کی گلاسگو یونیورسٹی اور برٹش کی برگمان یونیورسٹی نے اپنی تحقیق و مطالعہ کے نتیجے میں دنیا کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ بچوں کی جتنی تعداد پیدا ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ تعداد ماں کے پیٹ میں وجود پانا شروع کرتی ہے اور اس کی شرح کا تناسب حیرت انگیز

ہے۔ اس کے بعد بلجیم، برطانیہ اور یوگوسلاویہ میں بھی ایسے ہی نتائج ظاہر ہوئے۔

اب یہ بات مبینہ طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد سے چار گنا تک بچے حمل میں وجود پاتے ہیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اسّی سے لے کر سو حاملہ ماؤں کے پیٹ کے جڑواں بچوں میں سے صرف ایک تولید توام بچوں کی ہوتی ہے۔ مطالعہ سے یہ علم بھی ہوا ہے کہ چھبیس فیصد سے لے کر تراسی فیصد حاملہ ماؤں کے پیٹ میں جڑواں بچے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے ہاں پیدا ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دوسرے بچوں کی پوٹلیاں کہاں چلی جاتی ہیں۔ محقق اس کی توجیہہ یوں کرتے ہیں کہ اس کی بڑی وجہ ماں کے پیٹ میں فطری انجذاب کا عمل ہے۔ جس میں ایک بچے کی نشوونما کا عمل رک جاتا ہے اور اس کا گوشت۔ رگ و ریشے اور ہڈیاں ماں کے پیٹ میں ہی گھل کر جذب ہو جاتی ہیں۔ انجذاب کا یہ فطری عمل اس حقیقت کا مظہر ہے کہ حاملہ ماں کا پیٹ بچے کی متناقص پوٹلی کو غائب کر کے کسی تکلیف اور اذیت کے بغیر دوسرے صحت مند بچے اور اس کی پوٹلی کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

اب امریکہ میں الٹراساؤنڈ تکنیک کے ذریعے حمل کی ابتداء میں ہی وسیع پیمانے پر جڑواں بچوں کی تشخیص و انکشاف کا کام شروع ہو چکا ہے، جس میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، مگر بچے پھر بھی فطری عمل کی متوقع شرح میں پیدا ہوں گے۔ اغلب خیال یہ ہے کہ الٹراساؤنڈ سسٹم میں نظر آنے والے بچوں کی تعداد پیدا ہونے والوں سے تین گنا زیادہ ہوگی۔ ان تین گنا تعداد کے بچوں کو پیٹ میں صاف طور پر دیکھا جاتا ہے اور پھر یہ غائب ہو جاتے ہیں۔ نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے وضع حمل اور عورتوں کی طب کے محقق لوئیس جی کیتھ نے انتباہ کیا ہے کہ جب ایک جڑواں بچہ چھ ہفتے کے حمل میں تشخیص ہو جاتا ہے اور پھر اس کے ایک دو ماہ بعد غائب ہو جاتا ہے تو ماؤں کو اس کا نفسیاتی جذباتی دباؤ قبول نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے حالات میں کوئی حاملہ عورت پریشانی، فکرمندی یا آزردگی میں مبتلا ہو کر خون کی شدید کمی کا شکار ہو سکتی ہے یا وہ اپنے ذہن میں شدید جرم اور خطا کا تصور لا کر ذہنی عارضے میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر ڈونلڈ ایم کیتھ کہتا ہے۔

ایسے وقت میں اسے حد سے زیادہ
اعانت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس
پر کوئی شدید تاثر قائم نہ ہونے پائے۔

بہر حال شکاگو کے مرکز متعدد تولید میں اس فطری عمل پر گہری تحقیق اور مطالعہ ہو رہا ہے کچھ محقق اور ماہرین طب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قدرت نے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں کہ ماؤں کو ایک سے زیادہ تعداد میں جڑواں بچے پیدا نہ ہوں، چنانچہ ماں کے پیٹ میں ہی متعدد لاغر، کمزور اور متناقص صحت کے بچوں کو غائب کر کے صرف ایک بچے کو صحت مند طور پر مکمل ہونے کے لیے منتخب کر لیا جاتا ہے۔ محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر حاملہ ماں کے پیٹ میں بننے والے تمام بچے پیدا ہو جائیں تو اس سے بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل و مصائب میں اور اضافہ ہو جائیگا۔

★

- جو شخص لوگوں کی خدمت کرنے میں سبقت لیجائے تو لوگ اس سے کسی عمل کی بدولت نہیں بڑھ سکتے، بجز شہادت کے۔
- جس کی نماز اس کو برائی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

آپ کے مسائل

چہرہ بدنما نظر آتا ہے

میں آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہو رہی ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر کالے تل بہت زیادہ ہیں جن کی وجہ سے میرا چہرہ بے حد بدنما نظر آتا ہے، جبکہ میرے چہرے کا رنگ بھی گورا ہے۔ ناک نقشہ بھی ٹھیک ہے۔ صرف کالے تلوں کی وجہ سے بدنما نظر آتا ہے۔ کچھ تل تو بالکل جوؤں کی طرح ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے چہرے پر کالی جوئیں ہوں۔ ان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ مجھے سب لوگ چھیڑتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کے تو سر میں جوئیں ہوتی ہیں مگر تمہارے تو چہرے پر جوئیں ہیں۔ لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں جس کے باعث احساس کمتری کا شکار ہو گئی ہوں۔ آئینے میں چہرہ دیکھتے ہوئے خوف آتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ مر جاؤں۔ کوئی بھی تو میری طرف نہیں دیکھتا۔ خدا اور اس کے رسول کے صدقے میں مجھے اس پریشانی سے نجات دلائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا چہرہ کالے تلوں سے بالکل صاف ہو جائے۔ سارے تل ہٹ جائیں۔

جواب ـــــ میتھی کا ساگ چنے، آلو میں یا بکرے کی کلیجی میں پکا کر ایک عرصہ تک کھائیں۔ چہرہ پر آسمانی شعاعوں کا تیل لگائیں۔ پھل، فروٹ زیادہ کھائیں۔ ڈرائی فروٹ استعمال نہ کریں۔

خود کو ضائع کر چکا ہوں

میں ایک بہت ہی گناہگار اور بدنصیب انسان ہوں۔ آغاز جوانی ہی میں خود کو ضائع کر چکا ہوں۔ میں نے ایک سال پہلے اس عادت کو تو چھوڑ دیا لیکن اب میری حالت یہ ہے کہ میں جنسی طور پر ناکارہ ہو گیا ہوں۔ شکل سے بیمار نظر آتا ہوں۔ میری صحت پہلے بہت اچھی تھی

لیکن آج یہ حالت ہے کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہوں۔ جسم پر کھال اور ہڈی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ گال پچک چکے ہیں۔ چہرے پر ویرانی سی چھائی رہتی ہے۔ کمر میں درد رہتا ہے۔ بازو اور کندھے وغیرہ کمزور اور لاغر ہو گئے ہیں۔ دوست، رشتہ دار سب میری اس حالت کا پوچھتے ہیں لیکن کسی کو کیا بتاؤں کہ میری یہ حالت کیوں ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دیا ہے۔ میں کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ سب سے زیادہ جو بات مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں شادی کے قابل نہیں رہا۔ عمر کے لحاظ سے بھی میں اب شادی کی عمر میں داخل ہو رہا ہوں مگر پہلے ہی اپنی صحت کو تباہ کر ڈالا۔ خدارا میری اس حالت پر رحم کھائیے اور کوئی ایسا روحانی علاج بتائیے جسے کر کے میں شادی کے قابل ہو سکوں۔ اور پھر سے صحت مند ہو جاؤں۔ میں تاحیات آپ کا شکرگزار رہوں گا۔

جواب — رات کو سونے سے پہلے ۱۰۰ بار کلمہ شہادت پڑھ کر دس منٹ تک سبز روشنی کا مراقبہ کریں۔ گرم اشیاء سے پرہیز ضروری ہے۔ روزانہ ساگودانہ کی کھیر رات کو کھانے سے پہلے کھایا کریں۔ تین مہینے تک۔

شادی کا مسئلہ

میری عمر ۲۲ سال ہے۔ بی اے پڑھی ہوں ہر وقت گھر پر رہتی ہوں۔ شرم سے کہیں نہیں جاتی۔ رشتہ دار دل میں سب یہ کہتے ہیں کہ تمہاری شادی کب ہوگی۔ ماں باپ بھی کافی پریشان رہتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی رشتہ آتا ہے تو دوبارہ جواب نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ لڑکی خوبصورت ہو۔

میں نے سورۂ اخلاص نوے دن پڑھی۔ اس کے علاوہ بسم اللہ کا ختم ایک مولوی صاحب نے بتایا تھا وہ بھی میں نے کئی دفعہ ختم کیا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ سے توقع ہے کہ میری رہنمائی ضرور کریں گے۔ ایک لڑکا ہے جو مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ اپنے ماں باپ کو یہ بات بتائے اور ان کے ذریعے رشتہ ہمارے یہاں بھیجے اس سلسلے میں آپ کوئی وظیفہ یا تعویذ دیں تاکہ یہ مشکل آسان ہو جائے۔

جواب — آپ نے سورہ اخلاص کا عمل کر لیا ہے۔ اس لیے اب مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ہر نماز کے بعد شادی کے لیے دعا کریں۔ اور ہر جمعرات کو سوا پانچ روپے خیرات کریں۔

نظر اٹھا کر بات نہیں کر سکتا

میری عمر پندرہ سال ہے۔ بری سوسائٹی میں خراب فلمیں اور سیکس لٹریچر پڑھ کر میں نے اپنی وہ دولت کھو دی کہ جس کو اب شاید میں کبھی نہ پا سکوں۔ اس چھوٹی سی عمر میں یہ مسئلہ کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس لے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

تمام جسم کی ہڈیاں پسلیاں صاف نظر آتی ہیں۔ کسی سے نظر اٹھا کر بات نہیں کر سکتا۔ عجیب طرح کی دل پر مردنی چھائی رہتی ہے۔

خواجہ صاحب۔ آپ کو خدا، رسول اور آپ کے پیر و مرشد کا واسطہ مجھے جلد از جلد روحانی ڈائجسٹ میں اس مسئلے کا حل بتائیے میں بہت پریشان ہوں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

جواب — رات کو سوتے وقت ۱۰۰ بار کلمہ شہادت پڑھ کر سبز روشنی کا مراقبہ کیا کریں۔ گرم اشیاء سے پرہیز کریں۔

کھانسی نزلہ کی شکایت رہتی ہے

خواجہ صاحب! میں بہت مجبور ہو کر آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ میری نظر کافی کمزور ہوتی جا رہی ہے مجھے کھانسی نزلہ کی اکثر شکایت رہتی ہے اور میرے گلے میں ہمیشہ بلغم اٹکا رہتا ہے۔ کھانسی شروع میں خشک ہوتی ہے جس کے ساتھ سینے میں درد ہوتا ہے۔ بعد میں کھانسی تر ہو جاتی ہے اور درد ختم ہو جاتا ہے۔ بلغم کی تکلیف سارا سال رہتی ہے۔ کھانسی کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر موسم سرما میں میرے سارے جسم پر سوئیاں سی چبھتی ہیں میں نے بہت سی ادویات استعمال کی ہیں جن سے وقتی طور پر آرام آ جاتا ہے۔ لیکن چند دنوں بعد پھر وہی تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے یہ بیماری دور ہو سکے بیماری کی وجہ سے کوئی کام صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا

جواب —
ٹونسل کا علاج ہونا چاہیے۔ املتاس کو رگڑ کر قہوہ میں جوش کر کے چھان کر صبح اور رات غرارے کیا کریں

اِستخارہ

ہم دونوں بہنوں کی شادی ایک ہی گھر میں قرار پائی۔ شادی کیا ہوئی ایک بہت بڑی بربادی ہوئی جب ہم دونوں بہنیں رخصت ہو کر سسرال گئیں تو ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا گیا۔ میری چھوٹی بہن کے شوہر نے تو پہلے ہی دن یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں تو اس سے شادی سے بہت انکار کرتا تھا مگر میری شادی زبردستی کر دی گئی ہے۔ اور ایسی بہت سی باتیں کیں جو خط کے طویل ہونے کی وجہ سے نہیں لکھ رہی اور میرے ساتھ تو بہت ہی برا سلوک کیا گیا۔ شادی کے تین چار روز بعد میرے شوہر نے کسی عورت کے سکھانے میں آ کر مجھے بدچلن کہہ کے بہت بری طرح مارا پیٹا جبکہ میرا کوئی قصور بھی نہیں تھا وہ تو چند عورتوں کی مداخلت سے میری جان بچ گئی، ورنہ اس دن میری موت یقینی تھی۔ اس پر بھی میرے شوہر نے نہیں بخشا۔ میرے والدین اور مجھے انتہائی گندی گالیاں بکیں۔ مجھے طرح طرح کے طعنے دیے اور مجھ پر گھٹیا الزامات لگانے جبکہ چار دن کی بیاہتا دلہن ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ان سب باتوں کے باوجود میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میرے شوہر جیسے بھی ہیں، میں ان سے نباہ کروں گی لیکن یہ بے عزت لوگ ہیں۔ ان کے یہاں عزت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ پہلے ہم لوگوں کو ان کے متعلق ایسی باتیں معلوم نہیں تھیں لیکن ہمیں بعد میں اس چیز کا اندازہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ میرے شوہر وعدہ خلافی بے ایمانی دروغ گوئی جھوٹی مثال آپ ہیں۔ مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ عورت کی اہمیت ان کے نزدیک پاؤں کی جوتی سے زیادہ نہیں ہم نے اس رشتے کو نبھانے کے لیے ہر پہلو پر غور کیا ہے، مگر ہمیں کہیں سے بھی اس رشتے کو نبھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ لوگ اخلاقی کمزوریوں کی آخری حدوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ خود طلاق کی پیشکش کر رہے ہیں جبکہ یہ لوگ ہمارا کوئی قصور بھی نہیں بتاتے۔ اور اب ہماری اور ہمارے والدین اور دوسرے لوگوں کی بھی خواہش ہے کہ باعزت طور پر علیحدگی ہو جائے

جواب: آپ کے بزرگوں نے رشتوں کے استخارہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔ وہ صحیح طور پر خاندانی پس منظر معلوم نہیں کر سکے۔ مجھے نظر نہیں آتا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ علیحدگی اختیار کریں گے۔ ہاں اگر آپ

زیادہ اور جہیز سے بہتر کریں تو دوسری بات ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ شادی سے پہلے استخارہ کر لیا جاتا ——

احساسِ کمتری

محمد شفیق۔ چک نمبر ۱۸۰ — ماموں کانجن لیاقت آباد

بابا جی! میں ایک بہت ہی بیوقوف اور سیدھا لڑکا ہوں۔ میں کسی سے عقلمندی سے بات نہیں کر سکتا لوگ مجھے پاگل، بیوقوف اور سیدھا سمجھتے ہیں۔ میں کسی سے بات چیت کرتا ہوں تو چند دن بعد وہ شخص مجھے اہمیت نہیں دیتا کیونکہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں ایک سیدھا سادہ اور بیوقوف سا لڑکا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی کی غلط بات (جو میرے متعلق ہو) کا جواب نہیں دے سکتا اور اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ پھر جب میں بعد میں اپنی اس حالت پر افسوس کرتا ہوں تو اس کی بات کا جواب ذہن میں آتا ہے۔ بعض اوقات کسی سے بات کرتے ہوئے دل زور زور سے دھڑکتا ہے اور الفاظ رک رک کر زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ کسی تقریب میں جاتا ہوں تو اپنے ہم عمروں سے سلام وغیرہ کرتا ہوں اور اگر کوئی میرے پاس بیٹھ جائے تو کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں کہ اس سے کیا بات کروں۔ اور آخر کار خاموشی میں، میں یا وہ اٹھ کر جدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے میں کسی تقریب میں بھی نہیں جانا چاہتا ہوں۔ میں کسی کو اپنی باتوں سے متاثر نہیں کر سکتا کہ دوسرا مجھے اہمیت دے۔ میری قوت ارادی بھی بہت کمزور ہے۔ میں دوسرے لوگوں سے باتیں کرنا چاہتا ہوں اور ان میں گھل مل جانا چاہتا ہوں لیکن مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ میں دوسروں سے عقلمندی کی باتیں کر سکوں۔ مجھے اپنی اس حالت کا پورا پورا احساس ہے۔ کبھی کبھی تو میں بہت مایوس ہو جاتا ہوں۔ مجھے آپ سے بڑی امید ہے۔ مجھے اس عذاب سے نجات دلایئے۔

پیارے بابا جی! میرے چہرے پر دو ڈھائی سال سے کیل نکل رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے داغ بھی پڑ گئے ہیں اور خوبصورتی اور کشش بھی جاتی رہی ہے جس کی وجہ سے میں بہت مایوس ہو چکا ہوں اور احساس کمتری کا شکار ہو رہا ہوں۔ آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ محفل مراقبہ میں دعا کریں کہ میری سب بیماریاں جاتی رہیں اور چہرے میں خوبصورتی اور کشش پیدا ہو جائے۔ اور کوئی اچھا سا حل بھی بتایئے۔

جواب:— روزانہ صبح سویرے اٹھتے ہی ایک بڑے (قد آدم) آئینے کے سامنے تن کر کھڑے ہو جائیں۔ اپنے سر پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں اور دو تین منٹ تک آہستہ آہستہ دل میں یہ الفاظ دہرائیں۔

"ہر چیز دلفریب اور خوشگوار ہے۔ میں کسی سے کمتر نہیں ہوں۔ جو چاہوں وہ کر سکتا ہوں"

اس عمل کے بعد چند منٹ ٹہل کر پہلا قدم کیجئے۔ پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یہی عمل دہرائیں۔ اس طرح تین بار یہ عمل کریں۔ اور اگر آسانی سے دن میں یہ پورا عمل تین بار کر سکیں تو زیادہ بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

ایک چھوٹی سی ٹوکری میں نارنگیاں بھر کر کمرے میں رکھ دیں اور روزانہ نارنگیوں پر چند منٹ تک نگاہ کو مرکوز رکھیں۔ حسب ضرورت نارنگیاں استعمال کریں۔

سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کریں۔ سونے کے کمرے میں کھڑکیوں کے پردے سرخ رنگ کے ہوں البتہ پلنگ کی چادر اور تکیہ کے غلاف نارنجی رنگ کے ہوں۔

دس پندرہ روز میں تمام شکایتیں رفع ہو جائیں گی۔

غلط سوسائٹی

دختر سعید۔ لاہور

عظیمی صاحب! میں اب سے قبل متعدد ٹوکریں بھیج چکی ہوں اور ان دونوں ہی کا مجھے جواب مل چکا ہے جس کے لیے میں نہایت ہی شکر گزار ہوں آپ کی۔ خدا آپ کو ان تمام نیکیوں کا اجر ضرور دے گا۔

عظیمی صاحب! آج جو میں آپ کو اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں، اس مسئلے نے میرے ماں باپ اور تمام گھر والوں کو بہت دکھی اور غمزدہ کر رکھا ہے۔ دراصل میرے سب سے بڑے بھائی جان کا نام محمد اسلم ہے۔ میرے ماں باپ ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور شاید ان کے لاڈ پیار کا غلط مطلب لے کر وہ نویں جماعت سے ہی غلط سوسائٹی میں چلے گئے۔ اسلم بھائی نے نویں جماعت میں پہلی بار سگریٹ پیا۔ دہم جماعت میں چرس پی اور پھر ایک سال کے بعد انھوں نے شراب اور ہیروئن پی۔ اب اسلم بھائی چرس بہت ہی زیادہ پیتے ہیں اور شراب اور ہیروئن کبھی کبھی پیتے ہیں۔ گالیاں بہت ہی زیادہ اور بہت بری دیتے ہیں۔ گھر کی چیزیں توڑتے ہیں۔ بھوک کم لگتی ہے۔ کبھی تو کئی کئی راتیں گھر نہیں آتے اور اکثر وہ ۲ بجے رات سے پہلے نہیں آتے۔ اور صبح اگر ۱۱ بجے اٹھائیں گے تو اٹھ جائیں گے ورنہ بے شک وہ شام تک پڑے رہیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انھیں سردی انتہائی زیادہ لگتی ہے۔

آپ ان مریضوں کو بہتر جانتے ہوں گے یہ لوگ قرآن پاک اٹھا کر اور قسم کھا کر بار جاتے ہیں اور پھر پی کر آ جاتے ہیں۔

میری والدہ محترمہ نے تو انتہا کر دی ہے قرآن پاک کی پڑھائیوں کی، ہر دعا، ہر سورۃ غرضیکہ ہر چیز کا پانی امی جان نے دم کر کے دیا ہے۔ رو رو کر سجدے میں دعا بھی مانگی ہے۔ ہر روز ان پر حاضری لگا رہے ہیں مگر شاید تب خدا کو قبول نہ تھا۔ اب آپ سے یہ گزارش ہے کہ براہ کرم آپ ہمیں اس مشکل کا حل لکھ دیجئے شاید اسی میں خدا کی منظوری حاصل ہو جائے۔

جواب:— اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کریں کہ زیادہ پڑھائی سے اچھے نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ صرف ۱۹ مرتبہ سورہ تبت یدا ابی لہب پڑھ کر تصور کر کے دم کریں۔ اس کے علاوہ کچھ نہ کریں۔ عمل کی مدت چالیس روز ہے۔

میرے والد کا حصہ مل جائے

گزارش یہ ہے کہ میرے والد کے چار بھائی ہیں وہ میرے والد کا حق مارتے ہیں۔ ہمارا قالین کا کاروبار ہے جس میں سب بھائیوں کا حصہ ہے۔ میرے والد اپنا حصہ مانگتے ہیں تو وہ نہیں دیتے وہ امریکہ، لندن جہاں بھی جائیں ان کے لیے کاروبار ٹھیک ہے۔ اور اگر ہم جانے کو کہیں تو کاروبار خراب ہے۔ میرے والد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا کسی کا حق مارنا کتنا گناہ ہے۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ آپ کوئی ایسا وظیفہ یا دعا بتائیں کہ جس سے میرے والد کا حصہ مل جائے۔ میں آپ کو ساری عمر دعائیں دیتی رہوں گی۔ آپ ہماری مدد کریں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

جواب:— اپنے والد صاحب سے کہیں کہ ہر نماز کے بعد ۱۰۰ بار بسم اللہ الرحمن الرحیم نصر من اللہ و فتح قریب پڑھ کر دعا کیا کریں۔ جمعرات کو سوا پانچ روپے خیرات کریں۔

قلندر شعور اکیڈمی راولپنڈی کی ماہانہ رپورٹ

قلندر شعور اکیڈمی کی مجلس مشاورت کا ماہانہ اجلاس نگران اعلیٰ جناب قاضی مقصود احمد عظیمی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

نگران اعلیٰ نے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ کے مرتب کردہ تجلی پروگرام کی عمدہ تشہیر پر تمام کارکنوں کی بے حد تعریف کی اور ان کے جوش و جذبے اور تعاون کو سراہا۔ ماہ رمضان میں مذکورہ پروگرام 10 ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا اور روزنامہ جنگ راولپنڈی اور روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی میں بھی نمایاں طور پر شائع ہوا۔ بالخصوص نوائے وقت میں رنگین اشاعت بہت ہی پرکشش اور دیدہ زیب تھی۔ نگران اعلیٰ نے بتایا کہ لوگوں نے اس پروگرام کو بہت پسند کیا اور بہت سے لوگوں نے اس پر عمل کرنے کیلئے بالمشافہ اور ٹیلی فون پر مشورے اور معلومات حاصل کیں اور دوران پروگرام بھی ہدایات لیتے رہے۔

پروگرام پر عمل کرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اپنے خوشگوار تاثرات بیان کئے نگران اعلیٰ نے ان تمام بہن بھائیوں کو مبارکباد دی جنکو اللہ تعالیٰ نے اس پروگرام پر عمل کرنے کی توفیق دی انہوں نے کہا کہ وہ لوگ تو بہت زیادہ خوش نصیب ہیں جنکو اس پروگرام کے نتیجے میں اللہ کی تجلی کا دیدار نصیب ہوا اور روح اللہ سے ملاقات نصیب ہوئی لیکن مبارکباد کا مستحق ہر وہ شخص ہے جس نے اس پروگرام پر عمل کیا خواہ اسے مکمل کامیابی ہوئی یا نہیں ہوئی انہوں نے کہا کہ اس پروگرام پر عمل کرنے سے نفس انسانی کی بالیدگی اور لطافت میں اضافہ ہوتا ہے باطن میں انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ اور حواس کی رفتار میں لازمی اضافہ ہوتا ہے اس پروگرام پر عمل کرنے والا آئندہ جب اس پروگرام پر دوبارہ عمل کرتا ہے تو اس کا آغاز اسی مقام سے شروع ہوتا ہے جہاں تک وہ اپنے حواس کی رفتار بڑھا چکا ہوتا ہے اسلئے آئندہ کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

عید ملن پارٹی

مورخہ 26 اپریل بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مراقبہ ہال راولپنڈی میں عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں راولپنڈی اسلام آباد اور گردونواح کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی کثیر تعداد میں عظیمی بہن بھائیوں نے شرکت کی حیدرآباد سے محمد اسلم، محمد انور، محمد سلیم اور جہلم مراقبہ ہال کے نگران جناب راجہ منیر عظیمی نے ناسازی طبیعت کے باوجود خصوصی طور پر شرکت کی۔

اس موقع پر مراقبہ ہال کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ مراقبہ ہال آنے والے تمام لوگ بہت ہی خوش و خرم نظر آ رہے تھے ایک طرف سب بھائی ہنستے مسکراتے بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے تو دوسری طرف سب بہنیں ایک دوسرے کو گلے مل رہی تھیں۔ پورا مراقبہ ہال رنگ برنگے کپڑے پہنے رنگ بکھیرتے عظیمیوں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا باہمی میل ملاپ حال احوال کی طویل گپ شپ کے بعد

تقریباً ۵ بجے نگران اعلیٰ جناب قاضی مقصود احمد نے اس پر مسرت موقع پر باغ عظیمیہ کے رنگ برنگے پھولوں، پودوں کی روحانی انوار سے آبیاری کرنے کیلئے درود و سلام کا پروگرام مرتب کرنے کا پروگرام بتایا۔ جناب شوکت حیات عظیمی نے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز کیا پھر محترمہ نصرت نجمی صاحبہ نے اللہ واحدہ لاشریک کی مترنم حمد و ثناء بیان کی بعد ازاں جناب شوکت حیات عظیمی اور محترمہ کنیز شیخ صاحبہ نے نور اول، باعث تخلیق کائنات محسن انسانیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے درود و سلام کے بعد نگران اعلیٰ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عید کا مطلب ہوتا ہے خوشی۔ ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے [illegible] قرب اور فضل کے بعد ہم خوشی مناتے ہیں اسلئے آج ہم بہت خوش ہیں جس طرح ہم آج کے دن خوش ہیں پیرومرشد حضرت قبلہ خواجہ شمس الدین مدظلہ کی خواہش ہے کہ ہم ہر وقت ایسے ہی خوش رہیں ہم پر بظاہر اچھے بھی حالات ہوں ہم ہر حال میں خوش رہیں کیونکہ خوش رہنے والے لوگ ہی جنت میں جائیں گے دراصل خوش رہنا اللہ کی شکر گزاری ہے اور اللہ شکر گزار بندوں کو اپنا دوست رکھتا ہے اور جنت اللہ کے دوستوں کا مہمان خانہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم خوش کیسے رہیں تو دوستو، بہنوں اور بھائیوں خوشی کا تعلق سکون سے ہوتا ہے یورپ کے اکثر لوگ سکون کے حصول کیلئے ناچ گانے کلبوں اور شراب کا سہارا لیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی سکون کیلئے لوگ مادی سہارے تلاش کرتے ہیں لیکن وہ غلطی پر ہیں سکون ایک اندرونی کیفیت کا نام ہے یہ کیفیت اس وقت طاری یا غالب ہوتی ہے جب انسان ہر قسم کے ڈر خوف اور غم سے دور ہوتا ہے اگر دل و دماغ پر ڈر خوف اور غم چھایا ہوا ہو تو انسان پر سکون ہو ہی نہیں سکتا۔ مادی آسائشوں اور تفریحات سے کوئی وقتی پناہ حاصل کر سکتا ہے لیکن پرسکون نہیں ہو سکتا۔ سکون حاصل کرنے کیلئے ڈر خوف اور غم سے نجات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ پھر انہوں نے ڈر خوف اور غم سے نجات حاصل کرنے کے طریقے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ اسکا آسان راستہ اللہ سے دوستی ہے ارشاد خداوندی ہے۔ کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم۔ اللہ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ جو اسکا دوست بن جاتا ہے اسکو کسی بھی قسم کا ڈر خوف اور غم نہیں ہوتا اور وہ دائمی سکون، خوشی اور لطف و سرور کی کیفیت میں رہتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سے دوستی کیسے کی جائے تو اللہ سے دوستی کا آسان ترین راستہ جو ہمارے پیرومرشد حضرت قبلہ خواجہ صاحب نے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ کسی سے دوستی کرنے کیلئے وہی اوصاف اپنانے جاتے ہیں جس سے دوستی کرنی ہو جیسے نمازی کا دوست نمازی ہوتا ہے اور شرابی کا دوست شرابی ایسا نہیں ہوتا کہ نمازی اور شرابی کی دوستی ہو سکے یا اسی طرح بہت سے ایک جیسے مشاغل یا اوصاف رکھنے والے باہمی دوست ہوتے ہیں اگر ہم اللہ سے دوستی چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے اوصاف اپنانے کی کوشش کریں ایسے کام کرنے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے تو بے شمار اوصاف ہیں اللہ تعالیٰ تو بے شمار امور سر انجام دیتے ہیں پھر ہم کون سے اوصاف اپنا سکتے ہیں۔ اللہ کا ایک ایسا وصف ہے جو ہم بہت آسانی سے اپنا سکتے ہیں وہ وصف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنی مخلوق کی خدمت کرتے رہتے ہیں صلہ و ستائش سے بے نیاز ہستی ہے یہ نہیں کہتے کہ اتنے نوافل پڑھو تو ہوا دوں گا کسی کو یہ نہیں کہتے کہ اتنی تسبیحات کرو تو پھر پانی دوں گا کسی کو یہ نہیں کہتے کہ اتنی تلاوت کرو تو کھانا دوں گا کسی کو یہ نہیں کہتے کہ جب تم مجھے اللہ تسلیم نہیں کر لیتے جب تک تمہیں وسائل زندگی نہیں دوں گا۔ اگر ہم بھی تمام تر گروہی، طبقاتی، نسلی، لسانی اور مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو کر ہمیں اپنے دوستوں

میں شامل کرلیں گے اور جب ہم اللہ کے دوستوں میں شامل ہو جائیں گے تو ہم ڈر خوف اور غم سے نجات حاصل کرلیں گے اور ہمیں دائمی خوشی سکون اور لطف و سرور میسر آنے گا سلسلہ عظیمیہ کا موضوع ہی خدمت خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دیں کہ ہم اللہ کی مخلوق کی خدمت کر کے اسکے دوستوں اور دائمی و ابدی سکون کی کیفیت میں داخل ہو جائیں۔ اس تقریب کے بعد حضور قلندر بابا اولیاء کی فاتحہ دلائی گئی اور نماز عصر کے بعد حاضرین میں لنگر تقسیم کیا گیا اور جناب نصیر احمد عظیمی کی خصوصی طور پر تیار کردہ مٹھائی تقسیم کی گئی جسے لوگوں نے بہت پسند کیا۔

اعلانات

سلسلہ عظیمیہ راولپنڈی کے سرگرم کارکن جناب محمد سرور احسان عظیمی اور محترمہ شبانہ عظیمی گزشتہ ماہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ سلسلہ عظیمیہ کے تمام بہن بھائی اس مبارک موقع پر سرور احسان اور شبانہ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سلسلہ عظیمیہ راولپنڈی کے سینئیر رکن جناب خواجہ طارق محمود عظیمی کو اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ مرشد کریم حضرت قبلہ باباجی نے فرزند ارجمند کا نام حامد تجویز فرمایا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کے تمام اراکین دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو تمام عمر تندرست، خوشحال اور خوش و خرم رکھے اور نومولود سلسلہ عظیمیہ کیلئے روحانی اثاثہ ثابت ہو۔

مراقبہ ہال راولپنڈی کے سرگرم کارکن جناب طارق محمود اختر عظیمی (روشن پریس گنج بھانہ والے) کے جواں سال بھائی بہ رضائے الہیٰ انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(آمین)

ارشادات مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

روحانی صحت کو برقرار رکھنے کے اصول دو حصوں میں تقسیم ہیں، پہلا حصہ اللہ کے حقوق اور دوسرا حصہ بندوں کے حقوق۔ بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو۔ اسکے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسس کروٹیں لیتا ہو۔ بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اسکی رگ رگ میں رچ بس جائے۔ بندہ یہ بات اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ جان لے کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا رشتہ ہے جو کسی لمحے اور کسی وقفے میں نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ ختم ہو سکتا ہے۔ یہ بات بھی حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے باخبر ہو اور اس کا دل اس بات کی تصدیق کرے کہ میں نے عالم ارواح میں اس بات کا عہد کیا ہے کہ میرا رب مجھے بنانے والا خدوخال بخش کر میری پرورش کرنے والا اور میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کیا ہے کہ میں زندگی خواہ وہ کسی بھی عالم کی زندگی ہو آپ کا بندہ اور آپکا محکوم ہو کر گزاروں گا۔

خواتین کے لئے عظیم پیشکش

روحانی ڈائری

پانچ ہزار سال کی تاریخ میں ـــ پہلی کتاب

سیدہ سعیدہ خاتون عظیمی

برطانیہ میں سلسلۂ عظیمیہ کی سرپرست اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو اپنے نور سے بھر دیا ہے۔
روح کی آنکھ سے جو دیکھتی ہیں اُسے قلم بند کرلیتی ہیں۔

یہ حسین و جمیل کتاب دُنیائے علم و ادب، روحانیت، تصوف اور عالم غیب و شہود میں خواتین کا سر فخر سے اونچا کردے گی۔

قیمت / ۲۵ روپے

مکتبۂ روحانی ڈائجسٹ 1-K-13 ناظم آباد کراچی ۱۸ پوسٹ بکس ۲۲۱۳

(طارق احسان)

انسانی تاریخ لرز رہی ہے

ان دنوں وطنِ عزیز میں ایٹم بم اور ایٹمی ہتھیاروں کا چرچا ہے۔ خلیج کی جنگ میں بھی ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کئے جانے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ مختلف رہنماؤں کے پے در پے بیانات کا سلسلہ بھی جاری ہے کہ عالمی جنگ میں ایٹمی ہتھیار استعمال کئے جائیں گے اور دنیا کو تباہ کر دیا جائے گا۔ پاکستان اور بھارت میں بھی اسی حوالے سے شور و غوغا برپا ہے۔ لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ کہ تمام بیانات عموماً پیشہ ور سیاسی رہنماؤں کی طرف سے جاری کئے جاتے ہیں جن کی معلومات جوہری ہتھیاروں کے بارے میں اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ ان بیانات کو سننے والوں کی۔ اکثریت کی ہوش ربا خطابات میں بار بار جن بم کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جسے ہمارے عوام کی اکثریت ایک قسم کا کیمیائی بم تصور کرتی ہے جسے استعمال کرنے کی صورت میں گویا ان کے خیال میں چند انسانوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے اور عمارتیں وغیرہ محفوظ رہتی ہیں۔ ان تمام مفروضات کو پرکھنے کیلئے آئیے ہم ایک سائنسی نقطہ نظر سے جوہری ہتھیاروں پر ایک نگاہ ڈالیں۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے انسان جنگوں وغیرہ میں تباہی پھیلانے کی غرض سے عام دھماکہ خیز مادہ استعمال کیا کرتا تھا۔ اس وقت بموں اور دوسرے ہتھیاروں میں اسی مادے کو استعمال کیا جاتا تھا۔ دھماکہ خیز مادہ ایک ایسا کیمیائی مادہ ہوتا ہے جو فوراً آگ پکڑ لیتا ہے۔ اور بہت تیزی کے ساتھ پھیل کر زیادہ جگہ گھیر لیتا ہے۔ دھماکے کی آواز بھی ہوا کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال بارود ہے جس سے ہم بھی واقف ہیں۔ جنگی مقاصد کیلئے بالعموم جو کیمیائی مادہ استعمال کیا جاتا ہے اسے ٹی این ٹی (ٹرائی نائٹرو ٹالوین) کہا جاتا ہے۔ ایٹم سے حاصل ہونے والی توانائی کیمیائی طریقے (کوئلے، تیل، گیس وغیرہ) سے حاصل ہونے والی توانائی سے بہت مختلف ہے۔ ایٹم سے توانائی فشن کے نتیجے میں حاصل کی جاتی ہے۔ ایٹم بم میں بارود کے بجائے ایک تابکار دھات یورینیم استعمال کی جاتی ہے۔ یہ اپنی قدرتی حالت میں زمین سے نکالی جاتی ہے۔ ایک خاص طریقے سے اسے صاف یا خالص بنایا جاتا ہے۔ صاف یا خالص یورینیم بم بنانے میں استعمال کی جاتی ہے جسے یورینیم 238 کہا جاتا ہے۔ پلوٹونیم اور تھوریم کو بھی اسی مقصد کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بم کی تھیوری کچھ یوں ہے کہ یورینیم 238 کے ایٹموں پر جب نیوٹران ذرات کے ذریعے بمباری کی جاتی ہے تو یورینیم کا مرکزہ شق ہو کر دو برابر وزن کے مرکزوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ نئے بننے والے مرکزوں کی مجموعی کمیت (وزن) اصل مرکزے سے کچھ کم ہوتی ہے۔ کمیت کا یہ فرق توانائی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں روشنی اور حرارت اور چند نیوٹران خارج ہوتے ہیں۔ یہ نیوٹران مزید دو تین نئے مرکزوں میں انشقاق کا عمل پیدا کر دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک زنجیری شکل میں چل نکلتا ہے۔ ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے میں تمام کے تمام مرکزے ٹوٹ کر بے پناہ توانائی کا اخراج کرتے ہیں۔ جس کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ توانائی آئن اسٹائن کی مشہور مساوات کے عین مطابق ہوتی ہے یعنی توانائی

= کمیت x (روشنی کی رفتار) جس کا مطلب یہ ہے کہ مادے کی معمولی سی مقدار کو اگر توانائی میں تبدیل کیا جائے تو ہمیں بہت زیادہ توانائی حاصل ہو سکتی ہے۔ صرف ایک کلو گرام یورینیم سے ملنے والی توانائی ڈھائی ہزار ٹن سے ملنے والی توانائی کے برابر ہے!!

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا یورینیم کا مرکزہ نیوٹران جذب کرنے کے بعد ٹوٹ جاتا ہے اور نئے پیدا ہونے والے نیوٹران مزید مرکزوں کو شق کرتے ہیں۔ اس عمل کو "زنجیری تعامل" کہا جاتا ہے لیکن اگر قابل انشقاق مادے کی ایک خاص مقدار موجود نہ ہو تو یہ عمل نہیں ہونے پاتا یعنی جب تک یورینیم کی ایک مخصوص مقدار موجود نہ ہو تو چاہے آپ -------

اس پر کتنی ہی تابکاری استعمال کریں زنجیری تعامل پیدا نہیں ہوگا۔ درحقیقت اس مقصد کیلئے خالص یورینیم کی پچاس کلو گرام مقدار کی ضرورت ہوتی ہے جسے "فاضل مقدار" کہا جاتا ہے اور جس کو حاصل کرنے کیلئے تقریباً سات ہزار کلو گرام قدرتی یورینیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ پلوٹونیم کیلئے یہ مقدار تقریباً سترہ کلو گرام ہے۔ اگر ایک بار زنجیری تعامل شروع ہو جائے تو پھر اسے قابو نہیں کیا جا سکتا۔ اسی اصول پر ایٹم بم بنایا جاتا ہے۔

ایٹم بم میں قابل انشقاق مادے کے طور پر خالص یورینیم استعمال کیا جاتا ہے جبکہ تابکاری کی فراہمی کیلئے پلوٹونیم یا پھر اسی یورینیم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یورینیم کے دو گولوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ کچھ فاصلے پر رکھ دیا جاتا ہے۔ بم پھاڑنے کیلئے ایک گولے پر دوسرا گولہ اس طرح فائر کیا جاتا ہے کہ دونوں باہم پیوست ہو جائیں۔ جیسے ہی یہ دونوں گولے آپس میں ملتے ہیں زنجیری تعامل شروع کرنے کیلئے فاضل مقدار پوری ہو جاتی ہے جس کے باعث فوراً ہی بم پھٹ پڑتا ہے۔

ایک اور طریقہ وہ ہے جو ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم میں استعمال کیا گیا تھا جسے بندوقی طریقہ کہتے ہیں۔ اس میں ایک بندوق کے سرے پر یورینیم کا گولہ رکھ دیا جاتا ہے جو بیچ میں سے مخروطی شکل میں کٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس گولے کی مقدار فاضل مقدار سے کچھ کم ہوتی ہے۔ دوسرے سرے پر اسی مخروطی شکل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا رکھا جاتا ہے جس کے پیچھے ایک بارودی فیتہ لگایا جاتا ہے جو ایک بیٹری سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ بیٹری ایک بلندی پیما سے منسلک ہوتی ہے جب بم گرایا جاتا ہے تو ایک خاص بلندی پر یہ بلندی پیما بیٹری کو آن کر دیتا ہے جو ایک شعلہ پیدا کر کے فیتے میں آگ لگا دیتی ہے۔ جیسے ہی بارود پھٹتا ہے اس کے سرے پر لگا ہوا چھوٹا مخروطی ٹکڑا بڑی تیزی سے جا کر بڑے ٹکڑے سے ٹکراتا ہے اور مخروط میں فٹ بیٹھ جاتا ہے۔ دونوں ٹکڑوں کے ملتے ہی فاضل مقدار پوری ہو جاتی ہے اور بم پھٹ پڑتا ہے۔ ایٹم بم سے حاصل ہونے والی توانائی کو اس کی طاقت یا YIELD کہا جاتا ہے۔ ایٹم بم کی طاقت "کلو ٹن ٹی این ٹی" میں ناپی جاتی ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے جانے والے بم بیس کلو ٹن کے برابر تھے (واضح رہے کہ ایک کلو ٹن توانائی تقریباً ایک ہزار ٹن ٹی این ٹی یا بارودی مادے کے پھٹنے سے حاصل ہونے والی توانائی کے برابر ہے جبکہ ایک ٹن ایک ہزار کلو گرام کے برابر ہوتا ہے)۔ کراچی اور ملک کے دوسرے حصوں میں تخریب کاری کیلئے استعمال ہونے والے بم چند کلو گرام ٹی این ٹی سے زیادہ نہیں ہوتے۔ جب یہی بم کتنے لوگوں کی تباہی کا سامان بنتے ہیں تو پھر بیس ہزار ٹن بارودی مادے کے پہاڑ سے پھٹنے والی تباہی کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

6 جولائی 1945ء کو زمین کے سینے نے پہلی بار ایٹم بم کا دھماکہ برداشت کیا۔ یہ تجرباتی دھماکہ پلوٹونیم 239 سے تیار شدہ "ٹرینیٹی" نامی ایٹم بم کا تھا جسے نیو میکسیکو میں الموگورڈو کے مقام پر آزمایا گیا۔ اس تجرباتی دھماکے کی طاقت کا اندازہ ایک ہزار سے پانچ ہزار ٹن بارودی طاقت کے برابر لگایا گیا تھا۔

مگر دھماکے کے بعد حاصل ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق یہ بیس ہزار ٹن ٹی این ٹی کے برابر نکلا دھماکے کے نتیجے میں زمین سے اٹھنے والی آگ اور ریت کی "چھتری" ایک میل تک بلند ہو گئی اور اس سے نکلنے والی روشنی دو سو میل دور تک دیکھی گئی۔ بعد ازاں 6 اگست کو بلا اعلان ہیروشیما پر یورینیم 235 سے بنایا گیا بم گرایا گیا۔ یہ بم صرف دو ہزار فٹ کی بلندی سے ایک بی 29 بمبار طیارے سے ہیروشیما کے وسط میں واقع ایک اسپتال پر پھینکا گیا۔ بم پھٹنے سے پانچ سیکنڈ کے اندر اندر چار میل کے دائرے میں موجود ایک لاکھ انسان اور بے شمار مکان بم سے پیدا ہونے والی کئی ہزار درجے سینٹی گریڈ کی حرارت کے باعث جلے یا پگھلے بغیر ہی آگ کے دھوئیں یا بخارات میں تبدیل ہو گئے اور ایک آتشی گیند کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھنے لگے ڈھائی لاکھ کی آبادی کا شہر صرف 9 سیکنڈ میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ دھماکے کے ساتھ ساتھ بے پناہ حرارت اور انتہائی طاقتور تابکاری کے اخراج نے بچے کھچے جانداروں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ 70 ہزار افراد فقط تابکاری ہی سے زخمی ہو گئے یا مر گئے دھماکے کی آواز اور اس سے پیدا ہونے والی روشنی نے ہی ہزاروں افراد کو ختم کر دیا۔ زندہ بچ جانے والے مردوں سے بدتر ہو چکے تھے ایسی تباہی اور ہلاکت اس سے قبل انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ صرف تین دن بعد یہی قیامت ناگاساکی پر بھی ٹوٹ پڑی یہاں آبادی ہیروشیما سے کم ہونے اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے تباہی کم پھیلی لیکن اس مرتبہ بھی چالیس ہزار افراد موقع پر ہی ہلاک ہونے اور آدھا شہر مکمل طور پر ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ تقریباً چالیس ہزار افراد تابکاری سے زخمی ہوئے جو تمام بعد میں سسک سسک کر مر گئے۔ ان بموں نے انسانی تاریخ میں تباہی اور بربادی کے نئے باب کا اضافہ کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اگر کم از کم پچاس کلو گرام خالص یورینیم یا تیرہ کلو گرام خالص پلوٹونیم ایک جگہ جمع کیا جائے تو خود بخود زنجیری تعامل کا عمل شروع ہو جائے گا اور یہ تمام کا تمام یورینیم پھٹ کر فشن کے نتیجے میں بیس ہزار ٹن بارود کے برابر حرارت اور روشنی خارج کرے گا۔ اب اگر ہم یورینیم کی مقدار بڑھاتے چلے جائیں تو اسی حساب سے بم کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

امریکہ اور روس کے درمیان اس کے بعد طاقتور جوہری ہتھیار بنانے کی ایسی دوڑ شروع ہوئی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان دونوں ملکوں کے پاس ہزاروں کی تعداد میں مختلف طاقت کے جوہری بم موجود ہیں اور دونوں ممالک نے اتنے زیادہ زیر زمین دھماکے کئے ہیں کہ ان کو روکنے کیلئے 1963ء میں زیر زمین دھماکوں کی حدود کے بارے میں ایک قانون بنانا پڑا جس کے مطابق کوئی بھی ملک 150 کلوٹن یا ڈیڑھ لاکھ ٹن سے زیادہ کا دھماکہ نہیں کر سکتا۔

واضح رہے کہ امریکہ اور روس اب ہیروشیما کے بیس کلوٹن کے دھماکے نہیں کرتے جدید معیار کے مطابق یورینیم سے کیا جانے والا معیاری دھماکہ عموماً 30 سے 75 کلوٹن کا سمجھا جاتا ہے۔ دونوں سپر پاورز کی فوجوں میں شامل سب سے چھوٹا بم بھی 40 سے 50 کلوٹن کا ہے۔ طاقتور سے طاقتور بم بنانے کی یہ دوڑ اور اس جنون نے بالآخر ہائیڈروجن بم پر آکر دم لیا۔ ہائیڈروجن بم میں توانائی ایک بالکل مختلف طریقے سے حاصل کی جاتی ہے جسے فیوژن یا گداخت کا عمل کہا جاتا ہے۔ یہ عمل قدرتی طور پر ہر وقت سورج اور دوسرے ستاروں میں جاری رہتا ہے سورج ہمیں جس حساب سے حرارت اور روشنی فراہم کرتا ہے وہ گداخت کے عمل سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ توانائی کی یہ مسلسل مقدار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ سورج اگر کوئلے کا بھی بنا ہوا ہوتا تب بھی اتنی زیادہ توانائی فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ ہوتا یوں ہے کہ سورج پر موجود عام ہائیڈروجن گیس کے دو مرکزے ایک دوسرے کے

قریب آکر اور ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک نیا ہیلیم کا مرکزہ بنا لیتے ہیں۔ یہ نیا بننے والا مرکزہ کمیت میں دونوں ملنے مرکزوں سے کچھ کم ہوتا ہے۔ کمیت کا یہ فرق توانائی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ توانائی فشن سے حاصل ہونے والی توانائی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ زنجیری تعامل کی طرح اگر ایک بار دو ہائیڈروجن کے مرکزے جڑ کر ہیلیم کا مرکزہ بنا لیں تو یہ عمل مسلسل جاری ہو جاتا ہے اور ہائیڈروجن کے تمام ایٹم جڑ جڑ کر ہیلیم کے ایٹم بنانے لگتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہائیڈروجن کائنات کا سب سے ہلکا عنصر ہے اور ہیلیم دوسرے نمبر پر ہے۔ ہائیڈروجن کائنات میں سب سے زیادہ پایا جانے والا عنصر ہے اسی لئے اس کی سپلائی بھی لامحدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج ایک طویل عرصے سے وافر مقدار میں پائی جانے والی مفت کی ہائیڈروجن کو مسلسل ہیلیم میں تبدیل کر رہا ہے اور ہمیں توانائی فراہم کر رہا ہے۔ یہ عمل سورج پر کئی ارب سال سے جاری ہے اور مزید اربوں سال تک جاری رہے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زمین پر بھی لامحدود ہائیڈروجن پانی اور ہوا کی شکل میں موجود ہے۔ وہ کیوں ہیلیم میں تبدیل نہیں ہوتی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس عمل کے شروع ہونے کیلئے کم از کم دس کروڑ ڈگری سینٹی گریڈ کے درجہ حرارت کی ضرورت ہے۔ یہ درجہ حرارت سورج کے مرکز میں ہی پایا جاتا ہے زمین پر اتنا درجہ حرارت پیدا کرنا ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام جوہری ری ایکٹر یورینیم کو پھاڑ کر ہی بجلی پیدا کرتے ہیں گداخت کے عمل سے چلنے والا ابھی کوئی ری ایکٹر ابھی تک نہیں بنایا جا سکا ہے۔ ورنہ ہمیں لامحدود عرصے تک توانائی حاصل ہو سکتی ہے۔

گداخت کا عمل شروع کرنے کیلئے دس کروڑ ڈگری سینٹی گریڈ کا درجہ حرارت پیدا کرنا پڑتا ہے۔ یہ درجہ حرارت عموماً تیس کلوٹن کے ایٹم بم کے پھٹنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہائیڈروجن بم میں لیتھیم ہائیڈرائٹ، کو گداخت کے عنصر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بم کے اندر ایک ایٹم بم رکھا جاتا ہے جسے ہائیڈروجن بم کو پھاڑنے کیلئے بطور ماچس کی تیلی کے استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے ایٹم بم کو پھاڑا جاتا ہے جو ٹریگر کے طور پر کام کرتے ہوئے لیتھیم ہائیڈرائٹ کو دس کروڑ ڈگری سے زیادہ کی توانائی فراہم کرتا ہے جس کے نتیجے میں لیتھیم ہائیڈرائٹ کے اندر گداخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور ہائیڈروجن کے ایٹم جڑ کر ہیلیم کے ایٹموں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں خارج ہونے والی توانائی کا انحصار یورینیم اور لیتھیم ہائیڈرائٹ کی مقدار پر منحصر ہے۔

ہائیڈروجن بم کو "تھرمو نیوکلیئر" بم بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی توانائی میگاٹن (دس لاکھ ٹن) میں ناپی جاتی ہے۔ روس نے 1973ء میں دو میگاٹن (بیس لاکھ ٹن) کے دو اور 1974ء میں 3،5 میگاٹن (پینتیس لاکھ ٹن) کا ایک زیر زمین ٹیسٹ کیا تھا یہ ٹیسٹ اب تک کئے جانے والے سب سے بڑے زیر زمین ٹیسٹ ہیں۔ امریکہ اور روس کے پاس پچاس میگاٹن (پانچ کروڑ ٹن) تک کی طاقت کے تھرمو نیوکلیئر ہتھیار موجود ہیں۔ اگرچہ یہ ہتھیار ابھی تک استعمال نہیں کئے گئے لیکن ان کے استعمال کی صورت میں پیدا ہونے والے اثرات کا کمپیوٹروں پر تجزیہ کیا جا چکا ہے۔

سائنسدانوں کے مطابق کسی بھی شہری آبادی پر ہائیڈروجن بم استعمال کرنے کے نتائج انتہائی خوفناک ہو سکتے ہیں۔ بم کو استعمال کرنے کیلئے گنجان آبادی والے شہروں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کئے جا سکیں۔ یہ رجحان قرب و جوار کے انسانوں کی زبردست تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

جوہری ہتھیاروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب انہیں زمین سے کچھ اوپر ایک خاص بلندی پر پھاڑا جائے۔ ہائیڈروجن بم میں کیونکہ یورینیم بم کو تیلی کے طور پر رکھا جاتا ہے اسلئے پہلے

بھی بم پھٹ کر کروڑوں ڈگری کا درجہ حرارت مہیا کرے گا اسلئے پہلے ایٹم بم کا دھماکہ ہو گا۔ مطلوبہ درجہ حرارت ملتے ہی اصل ہائیڈروجن بم رد عمل ہو گا اور گداخت کا عمل شروع ہو جائے گا جو نہ صرف ایک ہولناک دھماکے کا باعث بنے گا بلکہ درجہ حرارت میں مزید کئی کروڑ ڈگری کا اضافہ کر دے گا۔

اس سارے عمل کو مکمل ہونے کیلئے صرف ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصہ درکار ہوتا ہے اسلئے ہم کے شکار صرف ایک ہی مجموعی دھماکے کو سن سکیں گے۔

کمپیوٹروں پر بنائے گئے ماڈلوں کے مطابق بم پھٹنے کے صرف ایک سیکنڈ کے اندر اندر سیکڑوں میل کے دائرے میں موجود تمام اشیاء فوراً ہی دھوئیں اور بخارات میں تبدیل ہو جائیں گی اس دائرے میں موجود زمین میں کئی میل گہرا شگاف پڑ جائے گا اور بم پھٹنے کے مقام پر موجود زمین کا اوپری چھلکا ملبے میں تبدیل ہو کر ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھنا شروع کر دے گا۔ پہاڑی علاقے میں ہونے والا دھماکہ پہاڑوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر آسمان پر لے جا سکتا ہے۔ جبکہ میدانی علاقہ میں وسیع و عریض میدانی علاقہ المعروف آسمان کی جانب بلند ہو سکتا ہے۔ یہ سارا ملبہ اور دھواں زمین سے ہزار فٹ کی بلندی پر پھیل کر بادلوں کی شکل اختیار کرے گا۔ بادلوں کی اس چھتری کی لمبائی اندازاً ہزار فٹ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ دھماکے سے پیدا ہونے والی تابکاری دنیا کے گرد چکر لگانا شروع کر دے گی۔ ملبے کے یہ بادل متاثرہ مقام کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور پھر ایک طویل عرصے تک زمین پر ان کی بارش جاری رہے گی۔ نیز اس دھوئیں کے بادلوں کے نتیجے میں سورج کی روشنی کا راستہ رک جائے گا اور ہر سمت اندھیرا اور مکمل تاریکی چھا جائے گی۔ زمین کے ایک وسیع علاقے پر زندگی کا نظام در ہم بر ہم ہو کر تباہ و برباد بھی ہو سکتا ہے۔

باٹا بائے چوائس

Bata

شریف بوٹ ہاؤس

تلک چاڑی - حیدرآباد (سندھ)

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن

آکشن نوٹس (دوسری بار)

عباسی شہید ہسپتال میں سال ۹۲-۱۹۹۱ء کے لئے پارکنگ فیس جمع کرنے کے حقوق ۲ مورخہ ۲۹/جون ۹۱ء کو ساڑھے گیارہ بجے دن اندرون عباسی شہید ہسپتال کے ایم سی کراچی بذریعہ نیلام عام (دوسری بار) پیش کئے جائیں گے

تفصیلات	کوالیفائنگ اماؤنٹ
عباسی شہید ہسپتال میں پارکنگ فیس کے حقوق برائے موٹر سائیکل/اسکوٹر برائے ۹۲-۱۹۹۱ء	۵۰۰۰/= روپے (نقد)

بولی دھندہ کو آکشننگ آمنیر کو اوپر درج کردہ رقم بطور ابتدائی ڈپازٹ نیلام کے لئے کوالیفائی کرنے کے لئے جمع کرانی ہوگی۔

کامیاب بولی دھندہ کو بولی کے اختتام پر اپنی بولی کی رقم کا ۱/۴ حصہ فوری طور پر جمع کرانا ہوگا۔

شرائط وضوابط میڈیکل سپرنٹنڈنٹ (اکاؤنٹس سیکشن) عباسی شہید ہسپتال کے ایم سی ناظم آباد کراچی کے دفتر میں کسی بھی کام کے دن دفتری اوقات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کا یہ حق محفوظ ہے کہ وہ کسی ایک یا تمام پیشکشوں کو بغیر کوئی وجہ بتائے تسلیم یا مسترد کرے

ڈائریکٹر
میڈیکل سروسز کے ایم سی

کے ایم سی ۵۳/۹۱ ۴ہ۔
آئی ایف ایف کے آر وائی ۳۴۸۷۔